U3

زرد گنبد ـ ۴۲ فوما ۴م شراب ـ خوفناک ڈاکو ـ

زرد گنبد و دیگر افسانے

3 BOOKS IN ONE VALUME

PRICE ANNAS -/14/-



سنہ ۱۸۵۷ء

غدر کی شہزادی

[illegible]

مصنفہ

سید انوار حسین صاحب بہار

باہتمام

بابو کدارناتھ صاحب بی۔ اے

ہندوستانی پریس لکھنؤ میں چھپا

فہرست کتب مفت

عروس فرغانہ یا شوخ گلنار

مشہور فاضل مصری علامہ جرجی زیدان اڈیٹر الہلال (قاہرہ) کے تاریخی اور حسن و عشق کے دلگداز مصری افسانہ ترجمہ جسمین خلیفہ معتصم باللہ کے عہد حکومت کے پُر اسرار واقعات (۲۱۸-۲۲۷ھ) فرمانیان ملک ایران کی حکومت فارس کو از سر نو قائم کرنے کی سرفروشانہ کوششین مسلمانون اور رومیون کی قسمت کا زمانہ ترکون کا طرز معاشرت، تمدن و اخلاق جنگ عموریا کے حالات عشق و محبت کے سہے، اور دل مین چٹکیان لینے والے واقعات لکھنؤ کی پیاری اور ٹکسالی زبان مین دکھائے گئے ہین قیمت

مسٹر ٹھنٹھو

نئی روشنی کی خرابی، غیر ملکی تمدن کی برائیون کو دکھایا ہے۔ ظریفانہ پیرایہ مین اخلاقی گتھیون کو سلجھایا ہے۔ نواب جھلکی قدر کا بھولاپن، مسٹر ٹھنٹھو کی حماقتین روتون کو ہنسا دیتی ہین، عالم ارواح کا بیان بدمعاشون کا بھوتون کی صورت مین جنات کا خفیہ پولیس کی شکل مین نزول، یہ سب واقعات صرف دل خوش کرنے والے بلکہ نتیجہ خیز نہین۔ قیمت

خونی شہزادہ

سائنس کے کرشمہ حسن و عشق کے پُر لطف مناظر، رقابت کی چاشنی، عاشق صفت کا کسی اور کو دل دینا اور پریشان ہونا، عاشق کا دربدر مارے مارے پھرنا، رقیب کی شاطرانہ چالین، آخر مین عاشق صادق کی کامیابی رقیب کی شکست، نہایت پُر اثر الفاظ مین تمام واقعات دکھائے گئے ہین۔ قیمت

شفق آرا بیگم

شہر لکھنؤ کے خوفناک اسرار کا حیرت انگیز انکشاف، حسن و عشق کی نیرنگیان دارالعاشقین کے شرمناک واقعات، سچی اور پاک محبت ہجر و وصال کی بے نظیر تصویر، خفیہ پولیس کی تعجب خیز کوشش، بدمعاشون کی پرعب لکھنؤ کی کھڑکیون کی ماہیت امراء کے خفیہ حالات۔ قیمت

...ست

اصول معاشرت کا آئینہ، جذبات انسانی کا مد و جزر، حقائق زندہ تصویر، بوالہوسی کا البم، فلسفانہ ظرافت کا مرقع

عروج پنجہ انتقام سرزمین افریقہ ایک مختصر ناول قیمت

زرد گنبد

باب (۱)

دہلی کو اگر اپنے افیم خانہ کی گپ پر ناز ہی تو لکھنؤ کے چانڈو خانے کی افواہیں بھی کچھ کم مرتبہ نہیں رکھتیں، نخاس قدیم میں ایک اُجڑی ہوئی عمارت کے ایک ویران گوشہ میں انجمن نشاط گرم ہی، "بھئی فجو خاں! قسم خدا کی اس کریم نے تو ستم ہی کیا"

"اجی خفت، ستم، قسم جناب امیر علیہ السلام کی، دیکھیے، جب خیال آجاتا ہی، واللہ دل کانپ جاتا ہی...... لاحول ولا قوۃ"

(۲) "اماں میر صاحب! کیا ہوا، ہم بھی تو سنیں"

(۳) "واہ حضرت، کیا شیں؟ دیکھیے ابا جانی فرمایا کرتے تھے، کہ اللہ بخشے سب توں سے آگاہ فرما گئے۔ بھئی عجب آدمی تھے، دم غنیمت تھا، کیوں میاں فجو"

"جی حضور کیا کہنا، اور چھوٹے نواب کیا کم تھے، خدا نظر بد سے بچائے انہیں چھینٹے تو میں نے اپنے ہاتھ سے پلائے ہیں، منجھلے میاں ہوئے، اچھن صاحب ہوئے، رحیم شاہ ہوئے یہ لوگ ایسے ویسے تھے، ہائے کیا وقت تھا، نہ بچا اس پر بند نہ تنبو ہے نے ہاتھ سے ہی کہ ور ابر مطیر ہی کہ افق ذہن پر چھا رہا ہی۔

(۴) "سبحان اللہ! سبحان اللہ، کیا کہنا...... بھئی قسم ہی بہت دم تھا"

"اے دم، توبہ، ایک ایک قبضہ تھا کہ مجھ ایسے چار بنتیں"

"بات تیرے جھوٹ کی، بدء اللہ مرزا صاحب آپ بھی کریم سے کم نہیں ہیں"

"ہاں ہاں، وہ کریم کا قصہ ہی رہ گیا، اجی کیا ہوا"

"حضرت کیا بتاؤں، چھوٹے میاں کوئی اخبار لائے تھے، کم بخت انگریزی کا اخبار تھا، بھئی میں تو کچھ سمجھا نہیں، البتہ پڑھنے کے طرز سے معلوم ہو گیا کہ کوئی سنگین معاملہ ہے"

"پھر آخر کچھ معلوم بھی ہوا"

"معلوم کیا خاک ہوتا"

"توبہ! آپ تو معلوم ہوتا ہے آج کھری چارپائی سے اٹھے ہیں"

"دیکھیے چھوٹے نواب صاحب، آپ ان باتوں پر غور فرماتے ہیں"

"اچھا ہو گا آپ قصہ بیان کیجیے"

"اجی حضرت مجھ سے سنیے، میں تو قریب ہی بیٹھا تھا، لاٹ صاحب نے اطلاع دی ہے کہ کریم قصائی ..... کا گوشت بیچتا تھا، خفیہ پولیس نے دریافت کیا، اب مقدمہ چل رہا ہے، کمبخت ستم کر رہا تھا، مردود ازلی نے سب کا ایمان لیا"

"استغفراللہ، یہ آدمی تھا یا وحشی، یہ کم بخت کو کیا سوجھی"

"لیکن حضرت قربان جائیے، آہاہا، کیا گرفتاری ہوئی ہے، بھئی مجھے عمر بھر یاد رہیگی"

"یا الٰہی یہ نشہ کا زور، اماں ابھی تو آپ قصہ دریافت کر رہے تھے اور ابھی موقعہ پر بھی پہنچ گئے، سبحان اللہ"

"واہ آپ یہ باتیں کیا سمجھیں، مجھ سے اور ایک خفیہ کے سپاہی سے دوستانہ ہے، میں نے اس سے گر پوچھا تو کہنے لگا کہ اپنے دل کا حال کسی سے نہ کہو، بالکل اجنبی بنے رہو، بس پھر کبھی دھوکا نہ کھاؤ گے"

"اماں قدیر صاحب، یہ آپ سے اور اس سے کیسے دوستانہ ہو گیا"

"(ہنسکر) قسمت کی رسائی ہے، ڈھرے پر لگا لیا"

"واہ واہ کیوں نہو، مگر یار کیا خفیہ کے سپاہی بھی چاند دیتے ہیں"

"کیوں، کیا ہوا، ان کے یہاں تو یہ اصول ہے کہ جبتک چار چھینٹے نہ اڑا لیں کوئی کارروائی شروع ہی نہیں کرتے"

"یار یہ تو بالکل نئی بات معلوم ہوئی"
"جی سرکار، اور پھر افیون کیوں گراں ہوتی جاتی ہے"
"جی ہاں سچ ہے اور بغیر چینی بیگم کے کام ہو بھی نہیں سکتا"
"السلام علیک"
علیک السلام، فرمایئے بندہ نواز، آج کہاں رہے"
"کیا بتاؤں حضرت، ایک عجیب جھمیلے میں پھنس گیا تھا"
"کیوں کیوں خیر تو ہے، خدانخواستہ کچھ خرچ وغیرہ......"
"جی نہیں، آپ کی بندہ نوازی ہے"
"نہیں تمھیں واللہ، دیکھو غیریت نہ برتنا"
"استغفر اللہ، آپ ہمارے مالک، خداوند نعمت، لیکن میری مصیبت......"
"واللہ جلد کہو، میرا تو دل دھڑک رہا ہے، اے یہ دیکھو سینہ پر ہاتھ رکھو"
"حضرت کیا بتاؤں، چھوٹے حضور بھی عجب دل کے آدمی ہیں"
"خیر، میری داستان سنیئے، اکرم حسین خان صاحب کی حویلی سے اٹھا ہوا لال باغ جا رہا تھا کہ راستے میں سپاہیوں کا ایک دستہ ملا، کبھی کوئی دس ہزار کے قریب ہونگے، اور سب مسلح، ہتھیار بند، لیکن ہوش اڑ گئے"
"ہائیں تو کیا کہیں دھاوا بولا گیا ہے"
"تو میاں فجو خان ہشیار ہو جاؤ، فوج قریب آ گئی"
"حضور، میرے تو حواس گم ہیں، کل شب ہی سے یہ خبر گرم ہے کہ جرمن آ گئے ہیں"
"ہاں، ہاں خوب یاد آیا، کیوں جی یہ پلٹن کہاں جا رہی تھی"
"لاٹ صاحب کی کوٹھی، بندریا باغ کی طرف"
"اوہو، اسی میدان میں پھر ڈیرے پڑے ہیں"
"(اٹھکر) اچھا حضرت خدا حافظ، امام ضامن علیہ السلام کی ضامنی"
"اے یہ کیوں، کہاں چلے"
"واہ حضرت، کہاں کی ایک ہی کہی، بھائی تین جیزوں کا انتظام آدمی پہلے سے کر رکھے، بارش کا، لڑائی کا، موت کا، بندہ اس کا قائل ہے"

"تو آپ کیا انتظام فرمائینگے"۔

"اجی وقت پر دیکھیے گا، ہم کسی سے کم تو ہین نہین، ہمارے ہی باپ اختری کے جرنیل تھے۔

"مگر بھائی اب کیا خاک بندوبست ہوسکتا ہے، مثل مشہور ہے کہ موت سر پر آگئی"۔

"لاحول ولا قوۃ، اب ایسے موم نہین ہین، جبتک لاٹ صاحب کے یہان گولہ برسے جبتک تو ہم جرمنی فوج کے پرخچے اڑا دینگے۔

"ہان جی، سچ ہے، یہ شیخ صاحب تو بکتے ہین"۔

اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی تین چار حضرات تو رخصت ہوگئے، اب میان فجو میان مخاطب ہوے۔

"اجی حضرت یہ آپ نے کیا کیا"۔

"لاحول ولا قوۃ، نجو خان، آپ بھی کیسی باتین کرتے ہین بتا رکھئی قسم کلام مجید کی، مردود ہو جو جھوٹ کہے، توبہ، آپ یہ سمجھیے کہ مین خلاف کہتا ہون، آپ کے سر عزیز کی قسم، خود آنکھون سے دیکھا، کوٹھی کے برابر جو بڑا درخت ہے، بس اُسی کے نیچے پڑی ہے"۔

"(گھبرا کر) ہائین، کیا پڑی ہے"۔

"لاش"۔

"لاش، یا میرے خدا، چراغ کے نیچے اندھیرا"۔

"اجی حضرت، ہواس باختہ، مشکل سے تو وہان رسائی ہوتی ہے، چارون طرف پہرا لگا ہے، پرندہ تک تو جا نہین سکتا"۔

"کچھ معلوم ہوا کہ یہ کس کی لاش ہے"۔

"خدا معلوم، حضرت مین تو سر پر پیر رکھ کر بھاگا طبیعت خراب ہو رہی تھی، سیدھا یہین آیا ہون، اب شام کو مفصل حال آغا صاحب سے دریافت ہوگا"۔

"بھئی ہم بھی چلین گے" "واللہ، ضرور"۔

جو صاحبان آج دُکان سے گھر کا انتظام کرنے چلے تھے، چوک مین گذرے اور بڑے وثوق کے ساتھ ہر شخص کو اطلاع دیتے گئے۔ یہان تک کہ تمام شہر مین جرمن کی آمد کی افواہ مشہور ہوگئی، سر شام ہی سے لوگ دروازے بند کرکے بیٹھ رہے، عورتون نے قینچیان اد

سر دستے درست کرکے سرہانے رکھ لیے، کہ دوُن کی ناک چوٹی کا صفایا کر دینگی مردون نے جوتا بنانیکی رامپان تیز کر رکھین کہ کھال اُتار کر نیچے گرا دین گے، غرضکہ ہر متنفس اپنے اپنے اوزار ہتھیارون سے چاق ہو کر منتظر ہو بیٹھا، اور شہر شہر خموشان بنگیا، رات آئی اور خوفزدون کے سر پر قیامت آئی، پھر اصل خیر سے جاڑون کی رات جس کی درازی جو جنتری رسالہ سے کسی طرح کم نہین تھی اور جس کی سیاہی انکی تیرہ بختی سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی، عساکر ملکہ لیل کی نقل و حرکت میمنہ و میسرہ کی درستی، سالار لشکر..... گجر چکا تھا کہ بارہ کی وردکا بجی اور جوہری محلہ مین ایک پختہ مکان کی دیوار پر چار آدمی دکھائی دیے، انمین سے دو مکان کے اندر کود گئے، مکان کا دروازہ کھل گیا اور گلی مین کھڑے ہوئے بیس آدمی مکان مین داخل ہو گئے۔ کوٹھریون کے قفل توڑ ڈالے گئے، صندوقون سے سامان باہر نکالا گیا۔ اب لالہ جی کی بھی آنکھ کھل گئی، دیکھا تو سر پر آدمی تلوار لیے کھڑا ہے، خوف سے آنکھین بند کرلین، چور نہایت اطمینان سے اپنا کام کرتے رہے، دو گھنٹہ مین سارا گھر تاراج کردیا، قریب دو بجے کے سامان لیکر باہر آئے، لیکن اسطرح کہ لالہ اور انکی اہلیہ کے ہاتھ پیر مضبوط باندھکر منھ مین کپڑا ٹھونس دیا، ایک جوان بھتیجا پڑا سو رہا تھا اسکو پلنگ سے کسدیا، چھت پر جو ملازم تھا اسکا پہلے ہی خاتمہ کردیا تھا، غرضکہ لوٹ کا سامان لیکر برآمد ہوئے کہ گلی کے نکڑ پر گشت کے سپاہیون سے مڈبھیڑ ہو گئی، بلم چلنے لگے چیخ پکار شروع ہو گئی، سپاہی نہایت دلیری سے مقابلہ کر رہے تھے کہ ایک قزاق نے بندوق کا فیر کرکے دو کو ٹھنڈا کیا، محلہ کے آدمی دوڑ پڑے، تو غل مچا دیا "ہان جوانون مار لیا، شہر فتح کرلیا، اب کیا رہا ہے" آنکھین ملتے جو دو چار مرد چلے نکلے تھے، وہ سمجھے کہ جرمن پلٹن آگئی لوگ دم بھاگے، گھر کی کوٹھری کے کواڑ بند کرکے اوندھے بیٹھ رہے سانس بھی روک لی، قزاق غل مچاتے، سپاہیون کو مار کر سڑک پر آئے، یہان ایک بند موٹر کھڑی تھی، سوار ہو کر چلدیے، صبح کو تھانیدار صاحب تشریف لائے، محلہ والے طلب ہوئے رات کی چوری کی تفتیش ہونے لگی، بیس ہزار کا مال اور تیس ہزار نقد کی چوری ہی، داروغہ جی نے محلہ کے چند اوباشون کو باندھ لیا، اور ڈکیتی قائم کرکے مقدمہ کو افسران بالا کی عدالت مین چالان کیا، کوتوال شہر نے موقع واردات پر پہونچکر دوبارہ تحقیق کی، لیکن کچھ مزید پتہ نہ چلا۔

باب (۲)

کہانی اور پھر کہانی

سیٹھ جگی مل نے اپنی دوکان کھولی تھی کہ ایک موٹر آکر رکی، دو آدمی خوش پوشاک سوار تھے، ایک موٹر ڈرائیور نہایت تنومند، خاکی سوٹ پہنے بیٹھا تھا، موٹر ڈرائیور اور ایک صاحب اتر کر دوکان پر آئے، اور سیٹھ صاحب کو مخاطب کرکے بیٹھ گئے۔"

رئیس "سیٹھ جی، محل خانہ کے لائق کپڑا دکھلائیے۔"

سیٹھ "بہت اچھا حضور فرمائیے۔"

"سیاہ بانات کے تھان، مگر عمدہ اور بیش قیمت ہوں۔

"لیجیے یہ حاضر ہیں پندرہ روپیہ گز کی اصلی بانات ہے، دوسری جگہ حضور عمر کو بھی نہیں ملے گی۔"

"اچھا کاشانی اور سبز مخمل تو دکھلاؤ۔"

"دیکھیے حضور یہ فرانسیسی مخمل ہے، میری خرید حضور روپیہ گز کی ہے۔"

"جنگل باڑی کے آٹھ تھان، ململ بوٹی چار تھان۔"

"اور فرمائیے حضور، ریشمی کپڑا، سرج اعلیٰ اعلیٰ قسم کی۔"

"ہاں یہ اچھا ہے، یہ سرج بھی رکھدو۔"

"بھاگلپوری دکھاؤں حضور۔"

"ضرور، انکی خاص ضرورت ہے، مگر رنگ پختہ اور سینکیے ہوں۔"

"چالیس ہزار کی لنکلاٹ، نٹ کا بھی ایک تھان۔"

"اچھا سب حساب بتائیے۔"

"حضور نو سو اڑسٹھ روپیہ سوا دس آنے ہوئے۔"

"جی آنے والے گیا، سیدھا سیدھا حساب ٹھیک ہے۔"

"نہین حضور، آپ سے کیا چھپانا ہے، یہی پیسے جو کچھ ہین وہی منافع ہے"
"امان، کیون لغو بکتے ہو"
"واہ، حضور، آپ کا تو قدیم نمکخوار ہون"
"اچھا تو یہ پانچسو کا نوٹ رکھو، اور مین تھان لیے جاتا ہون، یہین پل تک جانا ہے، جو کچھ پسند آگئے وہ رکھ لیے جاوین گے، باقی آپ کو پھیر نا پڑین گے"
"اجی حضور، یہ کیا بات ہے، آپ کی دوکان ہے"
"اچھا موٹر یہان کھڑی رہے گی، اور نواب صاحب تشریف رکھین گے امین ابھی آیا"
"بہت اچھا حضور"
موٹر ڈرائیور نے کپڑون کی گٹھری اٹھائی اور دونون پل کی جانب چلدیے، موٹر دوکان کے سامنے کھڑی رہی، اس واقعہ کو ایک گھنٹہ گذر گیا، مگر وہ حضرت واپس نہ آئے، سیٹھ جی گھبرائے کہ یہ معاملہ کیا ہے، یہ نواب صاحب کیسے ہین کہ گھنٹہ بھر سے موٹر پر بت بنے بیٹھے ہین اور وہ آدمی بھی ابھی تک واپس نہین آئے ہین، پندرہ منٹ انتظار اور کیا، پھر تو گھبرا کر موٹر کے پاس آیا اور نہایت ادب سے کہا "حضور، وہ تھان ابھی واپس نہین آئے" مگر کوئی جواب نہین ملا، دوبارہ کہا، چیخ کر کہا جواب ندارد، اب تو پیٹ مین چوہے دوڑنے لگے، نواب صاحب کا دامن تھاما، رو کر عاجزی سے کہا، لیکن وہی اگلا سکوت، ہاتھ پکڑا تو بہو بچا اتر گیا، ذرا زور کیا تو نواب صاحب نیچے آرہے، "ہاے مین لٹ گیا" کہتا ہوا دوڑا، پولیس چوکی پر اطلاع دی، کانسٹبل مع ہیڈ کے موقعہ پر آئے موٹر کو دیکھا جعلی، نواب صاحب پر جو غور کیا تو نقلی، مومی پتلہ کاغذ کا لباس پہنے ہوے موٹر مین پڑے ہین، اتنے عرصہ مین تھانیدار منشی عبدالرب صاحب بھی تشریف لے آئے، قلم دوات لیکر بیانات قلمبند کرنا شروع کیے، صورت واقعہ جب لکھ چکے تو نوٹ طلب کیا، اسکو الٹ پلٹ کر دیکھا تو جعلی، یہ غضب ہو گیا۔
"اجی تم کو یاد ہے کہ کس قسم کے آدمی تھے"
"حضور، جیسے ہم آپ ہوتے ہین"
"نالائق، ہم یہ دریافت کرتے ہین کہ ان کو پہچانتا ہے، کچھ حلیہ یاد ہے"
"دوہرا جسم تھا، سیاہ رنگ، بڑی بڑی مونچھین، عینک لگاے تھے، اور دوسرا آدمی ایک لمبا چوڑا جوان تھا خاکی سوٹ پہنے تھا۔"

"انھوں نے کبھی اور بھی کپڑا خریدا تھا"
"نہیں حضور"
"(ایک پڑوسی دوکاندار سے) لالہ تم نے کیا دیکھا؟"
"حضور، دو آدمی دوکان پر بیٹھے دیکھے تھے، ایک تو دبلا پتلا اور دوسرا موٹا تازہ تھا"
"تم جانتے ہو کون لوگ تھے"
"حضور ہم نے تو آج ہی دیکھا تھا"
"کچھ وضع قطع سے کہہ سکتے ہو کہ کہاں کے تھے"
"حضور وضع شریفانہ تھی، مگر لکھنؤ کے نہیں تھے"
"یہ کیونکر تم کہہ سکتے ہو"
"حضور دونوں آدمیوں میں سے ایک بھی پان نہیں کھائے تھا"
"(جگی مل سے) کچھ یہ نہیں کہتے تھے کہ کہاں کے رہنے والے ہیں"
"حضور ہم سے تو یہی کہا کہ پل پر مکان ہے، وہیں جاتے ہیں"
تھانیدار صاحب دوکان سے اٹھکر موٹر کے قریب آے اور اسکو غور سے دیکھنا شروع کیا، مگر کچھ پتہ نہیں چلا، موٹر کا نمبر نوٹ کرکے کہا "تم لوگ کانسٹبلوں کے ساتھ کوتوالی چلو مگر یہ موٹر کیسے جاوے گی، کوئی آدمی چلانا جانتا ہے"
تماشائیوں میں سے ایک اٹھارہ سالہ لڑکا آگے بڑھا اور کہنے لگا "میں جانتا ہوں"
"اچھا کوتوالی لے چلو"
لڑکے نے انجن درست کیا اور نشست پر بیٹھکر کہنے لگا کہ "آئیے جناب"
"اچھا، چلتے ہیں، میاں نظیر یہ کاغذات تو اٹھا کر رکھنا"
سپاہی نے جلد کاغذ موٹر پر رکھدیے، اب یہ سین بھی قابل دید تھا کہ جگی مل اپنی فرخت کی بہی لیے دوپٹہ کاندھے پر ڈالے پریشان حال سپاہیوں کے ہمراہ کوتوالی جانے کو تیار کھڑا تھا، سپاہی بھی آمادہ تھے کہ داروغہ جی جالیں تو روانہ ہوں، منشی عبدالرب صاحب دوکان سے اٹھے، اور دوسری دوکان کے قریب گئے، کچھ دیکھا، پھر بائیں جانب آئے اور وہاں کچھ دیکھا، آدمیوں پر مشکوک نظریں ڈالیں اور موٹر کی طرف بڑھے، یہاں موٹر ڈرائیور ہنڈل پکڑے آمادہ بیٹھا تھا، جیسے ہی منشی جی قریب پہنچے ایک قہقہہ مارا اور موٹر ہوا سے باتیں کرنے لگی،

سب کو حیرت ہوگئی کہ یہ کیا معاملہ ہے، جب گاڑی آناً فاناً نظروں سے پنہان ہوگئی تو سب کچھ ہوش آیا، منشی جی کچھ پیکے کہ نظر ایک کاغذ پر پڑگئی جو موٹر کی جگہ پڑا تھا، اٹھا کر پڑھا تو اسمین لکھا تھا "چونکہ کپڑون کی قیمت موٹر کی قیمت سے کم تھی اسلیے ہم اپنی موٹر لیے جاتے ہین" داروغہ جی دانت پیس کر رہ گئے "کم بخت نے جگتی مل کو دھوکہ دیا ہی تھا مجکو بھی فریب دے گیا، اور کارروائی کے کاغذات بھی لے گیا، لاحول ولا قوۃ۔

"امان وہ نوٹ تو موجود ہے"

"حضور آپ ہی کو دیدیا تھا، آپ نے دیکھکر جیب مین رکھ لیا تھا"

"نہین جی، جیب مین نہین رکھا تھا (ٹٹولکر) نہین، تم غلط کہتے ہو، مین نے تم کو واپس کردیا تھا"

"نہین حضور، مجھے خوب یاد ہے کہ وہ آپ ہی کے پاس تھا"

کانسٹبل "کہین حضور نے کاغذون مین تو نہین رکھدیا"

"ارے سچ کہتے ہو، لو وہ نوٹ بھی گیا"

"حضور یہ تو بڑا شاطر عیار معلوم ہوتا ہے"

"اچھا کوتوالی چلو، ایک یکہ پکڑ لاؤ"

باب (۳)

ابھی سلسلہ جاری ہے

محمد عقیل نامی ایک گجراتی سوداگر عرصہ سے لکھنؤ مین بود باش رکھتے تھے، انکی خوبصورت کوٹھی مصاحب گنج کے چوراہے پر بنی تھی، یہ ایک شاہی زمانے کی عالیشان عمارت تھی، جسکو سوداگر صاحب نے اپنے طرز کے مطابق کچھ تبدیل کرکے بالکل جدید فیشن کا کرلیا تھا، محمد عقیل صاحب کے تارک وطن ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ۱۹۰۶ء مین جب وہ بہ سلسلۂ تجارت لکھنؤ آئے تو اُن کی رسائی نواب ممتاز جہان بیگم کے یہان ہوگئی، آدمی متمول، تنومند، خوبصورت، نیک اطوار

تھے، کچھ دنوں بعد نکاح ہوگیا، اور اسطرح عقیل صاحب لکھنؤ مین رہنے لگے، نواب صاحب سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکی کی عمر سولہ سال کی تھی اور لڑکا اس سے چار برس چھوٹا تھا۔

یہ لڑکی بلقیس زمان بیگم نہایت خوبصورت اور نیک سیرت تھی، اور اگرچہ اسکی پرورش نہایت ناز ونعم سے محل کے اندر رکھی تھی، لیکن اسکے نازک ہاتھ پیرون سے غیر معمولی چستی اور تیزی پائی جاتی ہے، اسکی سیاہ پتلی مین خودبینی بھی تھی اور ذہانت بھی، اسمین تمکنت کا مادہ بھی موجود مگر نہ اسطرح کہ اسکو غرور یا تکبر کہا جاے بلکہ وہ خودداری اور متانت وسنجیدگی سے ملا جلا ایک جوہر تھا جو اسکی وجاہت کو زیادہ کرتا اور اسکے دلفریب حسن دیکھنے والے چہرہ کو پررعب بناے تھا، اسکے لب خندۂ خورشید کی مانند روشن اور متبسم تھے لیکن وہ بلا ضرورت کبھی بھی جنبش نہین کرتے جسکی وجہ سے وہ خاندان مین "کم سخن ملکہ" کے نام سے مشہور تھی۔ اسکی گفتگو نہایت شیرین اور دل لبھانیوالی، اسکا طرز تکلم سحر آفرین تھا، خداداد ذہانت کے ساتھ باقاعدہ تعلیم نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا، عقل وفراست کے تیز بین جوہر مین ایک جوہر تھی جسکو "وادیجادہ" کہا کرتے ہین، گویا معنی کہ انہین اختراع کرنے اور نئی نئی چیزین ایجاد کرنے کا مادہ بدرجہ اتم تھا، اسکی تعلیم معمولی درسیات کی کتابون پر ختم نہین ہوگئی تھی بلکہ اسنے کتب تاریخ وسیر کا دل کھولکر مطالعہ کیا تھا، علاوہ اسکے اسے ہنر صنعت وحرفت کی کتابین بھی کم وسنے انکو بغور پڑھا تھا جنکی مدد سے وہ آئے دن عجیب عجیب چیزین تیار کرتی رہتی تھی، ایک دن وہ اپنے خاندانی کتب خانہ کی سیر کررہی تھی کہ اسکی نظر ایک بوسیدہ کتاب پر پڑگئی الماری سے نکالکر دیکھا تو اصول رمل کا ابتدائی رسالہ تھا، یہ قلمی نسخہ آقا سید عبداللہ تبریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایسا ضرور تھا کہ اگر اسکا باقاعدہ مطالعہ کیا جاوے اور کسی معقول وقابل استاد سے پڑھا جاوے تو انسان علم رمل سے اچھی طرح واقف ہوسکتا تھا، بلقیس نے اس کتاب کو نکال لیا اور اپنے کمرہ مین لیجاکر، درست کرکے، اسکا مطالعہ کرنا شروع کیا، ابتدا مین اسکو ضرور مشکل پیش آئی مگر اپنی لگاتار کوشش سے کچھ کچھ سمجھنے لگی، جہان وہ محنت کرنیکی عادی تھی وہان اسمین ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ کسی کام مین ناکامیاب رہنے سے گھبراتی نہین تھی بلکہ اسکو کیے جاتی تھی، اسنے علم رمل حاصل کرنے کا تذکرہ اپنے والد سے کیا، مگر انھون نے ٹالدیا اور صاف کہدیا کہ میری مرضی ہرگز نہین ہے۔ اس جواب کے پانے سے وہ مایوس نہین ہوئی

بلکہ پہلے سے زیادہ اشکال پر غور کرنا شروع کیا، یہان تک کہ ایک مہینہ کے غور و خوض کے بعد
زائچہ تیار کرنے لگی، اب اسکو توارد و تکرار کی بحث مین دقتین حائل ہوتی معلوم ہوئین، اور رمل
مین بھی فصل ایسی ہے کہ بغیر استاد کے اسکا سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ توارد کے ساتھ اشکال کی
مطابقت اور تکرار کے ساتھ اسکا ضم و مقابلہ مشکل ہی نہین بلکہ مبتدی کی سمجھ سے بالکل باہر
ہے، بلقیس نے اس مشکل کو یون آسان بنالیا کہ اُسنے پنڈت متھولال لاہوری منجم و رمال
سے خط و کتابت کرنا شروع کی اور ہر زائچہ معقولیہ کی فیس ادا کر کے ان کے نکات و حل کو
خط کے ذریعہ سے سمجھنا شروع کیا، پھر پنڈت جی کی سعی سے رسالہ دستور المعلومات منگا کر
دیکھا، اس کتاب کے پڑھنے سے وہ رمال ہوگئی اور اب اسکو محض مشق کی ضرورت تھی، رمل دیکھنے والے
کو فطرتاً دو چیزین دیکھنے کابت زیادہ شوق ہوتا ہے اول کو الف زندگی، دوسرے
دفینہ، بلقیس نے بھی اپنی زندگی کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے قرعہ ڈالا، اور زائچہ تیار کیا،
خانہ اول پر نظر پڑی تو فرح سعد منقلب شکل دکھائی دی، ماتھا ٹھنک گیا، الٰہی خیر کہکر
ہفتم خانہ پر نگاہ ڈالی تو نحس اللہ اسکی تکرار چہارم خانہ مین تھی جو متعلق عمر سائل سے ہے بارھوین
خانہ مین شکل فرح جسکا توارد خانہ اول مین اور تقابل خانہ پنجم مین تھا، نتیجہ دیکھا تو ہوش اُڑ گئے،
جلدی جلدی اعداد کا شمار کیا، معلوم ہوا کہ سولھوان سال بھاری ہے، چونکہ طالع بخانہ دوازدہم
مقید ہے، زندان بلا سے سابقہ پڑے گا، زندان پر قرعہ ڈالا اور زائچہ بنا کر مدت دریافت کی
تو ڈیڑھ مہینہ نکلی، لیکن سخت مصائب و آلام سے سابقہ رہیگا نام دیکھا تو "ہزارہ" لکھا صفت
پر نظر کی تو خزان رسیدہ، عکوس نظر آیا حرمان و مایوسی کا گہرا رنگ اسکی صاف پیشانی پر دوڑ گیا
حزن و ملال کے آثار چہرہ پر ہویدا ہوگئے، قید کرنے والون کا نام دریافت کیا تو "پ ٹ ت لتا"
نکلا اس نام کو دیکھکر اور طبیعت گھبرائی اب اگر اسکو کوئی خیال تھا تو صرف یہ کہ ڈیڑھ مہینہ بعد
رہائی کون دلوائیگا، وہ بھی ایسا نام نکلا کہ کچھ سمجھ مین نہ آیا، آخر طبیعت اُلجھنے لگی، کتاب و پانسہ
اُٹھا کر الماری مین بند کر دیے، اور پلنگ پر منھ لپیٹ کر پڑ رہی، کچھ دیر لیٹی سوچا کی مگر دل کی تڑپ
کسی طرح کم نہ ہوئی، ارادہ کیا، کہ والدین کی کیفیت تو دریافت کرون، اُٹھ جھٹک آئی الحمد للہ
کہکر اٹھی کہ پائچون مین پیر اُلجھا، پاٹی کھا اور گر پڑی، ہاتھ کی چوڑی ٹوٹ کر کلائی مین چبھ گئی
خون نکلنے لگا، یہ شگون بد دیکھکر کلیجہ کانپ گیا، دل اُچھلنے لگا، سر مین درد شروع ہوگیا،
دنیا تاریک ہوگئی، لرزہ چڑھ آیا اور تن سے ہوش نہ رہا۔

بلقیس سے چار برس چھوٹا ایک بھائی تھا، بالکل دبلا پتلا، کتابی چہرہ، سبزی مائل رنگت جس میں خون کی سرخی نمودار، آنکھیں چمکدار، رخساروں پر سیاہ تل، کان بڑے، ہاتھ لانبے، سینہ چوڑا کمر پتلی، غرضکہ وہ ایک خوبرو لڑکا تھا اور بہت سیدھا اور بھولا، ماں کی طرح ہنس مکھ بہن کی مانند خاموش، باپ کی طرح مدبر اور غیور، گھر پر استاد ملازم تھے، انگریزی اور فارسی کی تعلیم جاری تھی، اس لڑکے میں صرف یہ خوبی تھی کہ وہ چلنے سے کبھی نہیں تھکتا تھا، گھر کی سواری ہوتے ہوئے اکثر پیدل گھوما کرتا اور کھنڈرات کی سیر کرتا، گھر میں بیٹھنا جانتا ہی نہیں تھا، اور ہر صبح ہوئی، ناشتہ کیا اور نکل گئے، ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک استاد سے پڑھا پھر غائب ۳ بجے سے مولوی صاحب سے سبق لیا اور ۶ بجے گھر باہر، پھر تو رات کے دس بجے ہیں یا گیارہ مگر میاں تنویر شکوہ کا پتہ نہیں، ماں پریشان، نوکر حیران، تلاش ہو رہی ہے، کہاں ملے علی نقی خان کی گری ہوئی حویلی کے اندر، جامع مسجد کے کھنڈر میں، دریا پار، کچے پل کے قرب و جوار میں، اسی گھومنے کے سلسلہ میں اسکو بہت سی راز کی باتیں معلوم ہو گئی تھیں جو آئندہ ظاہر ہونگی دریا میں پیرنا بھی سیکھ لیا تھا، دو چار ہاتھ لکڑی کے بھی گھما لیتا تھا، غرضکہ اسکی زندگی انھیں اشغال میں گذر رہی تھی یا مشیت الٰہی اسکو آئندہ مصائب سے مقابلہ کرنے کے واسطے طیار کر رہی تھی، نہ اسکو بہن کی بیماری سے کام تھا اور نہ گھر کے جھگڑوں سے، والدین کا ناز و نعم اسکے واسطے فضول تھا، عزیزوں کی الفت اسکے لیے عبث، وہ اسقدر تنہائی پسند اور آوارہ گردی کا شائق تھا کہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت، یا زمانہ کا بہترین نمونہ حسن اسکو اپنی طرف مخاطب نہیں کر سکتا تھا ہاں اگر گھر میں وہ کسی چیز سے دلچسپی لیتا تو وہ بلقیس کی وہ اختراع ہوتی جس پر وہ اپنی پوری توجہ مبذول کر دیتا، اور اگرچہ خود اسکا دماغ ایجاد پسند نہیں تھا لیکن وہ اسکو عملی جامہ پہنانے کی بہت جلد کوشش کرتا، مثلاً ایک مرتبہ بلقیس نے ایک ایسا سفوف تیار کیا جس کے ملنے سے چہرہ پر جھریاں پڑ جاتیں اور بچہ بوڑھا نظر آئے، بلقیس تو محض اس سفوف کی تعریف کر رہی تھی اور تنویر شکوہ نے جھٹ اپنے چہرہ پر مل لیا، اتفاق سے پاوڈر تھا خام، تمام چہرہ پر آبلے پڑ گئے مگر اسکو ذرا بھی پروا نہیں ہوئی بلکہ اس سفوف کی دوبارہ تیار کرنے کی فرمائش کی، اسی طرح بہت سی نایاب چیزیں اسنے بلقیس سے بنوا کر اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں، سال بھر کا ذکر ہے کہ وہ گوڑیوں کے میلہ میں اسی سفوف کو لگا کر گیا، اور بڑھیا بنا ادھر ادھر گھوم رہا تھا کہ اسنے دیکھا ایک آدمی ایک مہاجن کے لڑکے کو جو زیور سے لدا تھا، زبردستی بھگا کے لیے جا رہا تھا، اسنے فوراً پولس کو

خبر دیدی، اور وہ آدمی اسوقت گرفتار ہوا جبکہ وہ سب زیور اتار چکا تھا اور لڑکے کو ہلاک کرنا چاہتا تھا، اس مخبری پر لڑکے کے والدین نے اسکو مبلغ ۵۰۰ روپیہ انعام دینا چاہا مگر اس نے یہ کہکر کہ صرف میری یاد رکھنا کافی ہے، مین اور کچھ انعام نہین چاہتا، روپیہ واپس کردیا، اسیطرح ایک روز زرینی سے واپس آرہا تھا کہ موتی محل کے پل پر ایک زبردست کُتے نے اوسپر حملہ کیا، چاندنی رات تھی اور دس بجے تھے، کتا بلڈ ہانگ نسل کا شکاری تھا اور دیوانہ ہوکر اپنے مالک کے بنگلہ سے بھاگ آیا تھا، جیسے ہی کتا چھلانگ مارکر اوپر آیا، اوسنے ایک رومال ہلادیا، فوراً کتا بیہوش ہوکر گرپڑا، اور وہ بخیریت اپنے گھر پہنچا، اسی طرح اب وہ زمانہ آیا کہ جیب سے ہمارے ناول کا آغاز ہوتا ہے، یعنی شہر مین متعدد چوریان ہوچکی ہین، نخاس مین دن دہاڑے لوٹ ہوگئی ہے، دریا کنارے ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی ملی، نخاس کے پل پر دو بکس مقفل پائے گئے، کھولا تو دو شیر خوار بچے تھے، پولیس آٹھون پہر ملزمون کی گرفتاری مین سرگردان پھر رہی تھی، بلقیس نے سولھوین سال کے دو مہینہ ختم کردیے تھے اور اب اسکو دن رات خیریت کی دعا مانگتے گذر رہا تھا، کچھ یہ دن ایسے اوداس اور خاموش تھے کہ بھرے گھر مین سناٹا ہوتا تھا، خواجہ محمد عقیل بھی سُست اور غمگین رہتے، بیگم صاحبہ کی بھی زندہ دلی موقوف ہوگئی تھی، نوکرون کا کام پر دل نہین لگتا، ماماؤن کا دیدہ ہوائی رہتا، چند تو رخصت پر چلے گئے تھے، باقی جو رہ گئے تھے وہ پڑے سویا کرتے تھے، زمانے کی یہ کیفیت اور گھر کی یہ حالت، مگر تنویر کا دل روشن، رفتار وہی، آج بھی وہ حسب معمول رات کے بارہ بجے مکان کے اندر آیا، دیکھا ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا، اندر اندھیرا، ملازم کو آواز دی، پہرہ دار کا نام لیکر پکارا، کسی نے بھی جواب نہین دیا، اتنے مین چند آدمیون کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی، پھاٹک کی آڑ مین کھڑا ہوکر دیکھنے لگا، چار آدمی مسلح باہر آئے، ان کے پیچھے دو آدمی ہاتھون پر کوئی بھاری چیز اٹھائے نکلے، ایک آدمی نے ایک مہین سی سیٹی بجائی، جس کے ساتھ ہی کسی پوشیدہ مقام سے ایک موٹر آموجود ہوئی، مسلح آدمی معہ بوجھ کے اسپر سوار ہوگئے اور موٹر دولت گنج کی طرف چلدی، "یقیناً یہ چور تھے" کہتا ہوا وہ گھر مین گھسا، افسوس گھر کی صورت بھیانک در و دیوار کاٹنے کو دوڑنے لگے، بہ ہزار خرابی روشنی بہم پہنچائی، شہ نشین کھلی پائی، کمرون کے قفل ٹوٹے ہوے، مگر حیرت کہ سامان سب اسی طرح رکھا ہوا مغربی بیٹھک مین آیا تو عجیب نظارہ دیکھا، چیخ مارکر فرش زمین پر گر پڑا اور بیہوش ہوگیا، افسوس یہ وہ منظر تھا جس کے دیکھنے کو ہم کچھ

بھی تیار نہ تھے، وہ ناظرین جن کے والدین کم سنی میں داغ مفارقت دے گئے ہوں، اپنے اپنے دلوں سے سوال کریں کہ اگر نذیر نے اپنے والدین کو خون میں تڑپتے دیکھا ہو تو اسکے قلب پر کیا گذری ہوگی، جب ہوش آیا تو بہن کو آواز دی، افسوس کہ وہ بھی نہیں تھی، اور اب اسکی سمجھ میں آیا کہ جس چیز کو وہ ظالم اپنے ہمراہ لے گئے وہ اُسکی جان سے زیادہ عزیز بلقیس تھی، اُسنے اپنی آنکھوں سے آنسو پاک کیے اور والدین کو مخاطب کرکے کہا" میرے پیارے بابو، میری اچھی امی، میں اس غم میں اپنی جان دے دیتا اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالتا اگر وہ ظالم بلقیس کو نہ لیجاتے لیکن اب میں اُس بچیا کی فکر میں جاتا ہوں کیونکہ اُسکا سوائے میرے اور کوئی نہیں ہے"

اُسنے لالٹین اُٹھائی اور ملازموں کی طرف بڑھا، پہرہ دار بیہوش پڑا تھا، ڈیوڑھی دار کا سر تن سے اُڑا تھا، یہ شقاوت دیکھ کر اسکے بدن میں لرزہ پڑ گیا، فوراً جیب سے ایک کپڑا نکالا اور پانی میں تر کرکے پہرہ دار کی ناک پر رکھدیا، تھوڑی دیر بعد اُسنے آنکھیں کھولدیں۔

"(گھبرا کر) ہے ہے چھوٹے میاں کیا ہے؟"

"کم بخت، افیونی، سست، پاجی، تیرا کلیجہ"

"آپ اسقدر ناراض کیوں ہوتے ہیں، میں تو آپ کی آواز کے ساتھ اُٹھ بیٹھا تھا"

"اُٹھ بیٹھنے کا سگا، میں نے آواز بھی دی یا تو اُٹھ ہی بیٹھا"

"قسم جناب امیر علیہ السلام کی، آپ کی آواز پر اُٹھا تھا"

"کم بخت، پاگل ہو گیا ہے، دماغ خراب ہے، یہ ڈیوڑھی دار کو کس نے مارا"

"(ڈیوڑھی دار کو دیکھ کر) یا میرے خدا یہ کیا ہوا، ارے لوگو دوڑو، محلہ والو، خون"

"ارے غل کیوں مچاتا ہے"

"محلہ والو، غوثو، محمد، برکت حسین، خان صاحب، دوڑنا، پکڑنا، خون، خون۔"

پہرہ دار نے جو خوف سے بھری آوازیں دینا شروع کیں تو چاروں طرف سے محلے والے دوڑ پڑے برکت حسین، "اماں خان صاحب کیا ہے بھئی،"

"بھئی کیا کہیں، ڈاکہ پڑ گیا، گھر لٹ گیا، ڈیوڑھی دار بیچارہ مارا گیا"

"لاحول ولاقوۃ، اور گھر کے لوگ کہاں ہیں؟"

تونذیر، افسوس، گھر کے لوگ موت کی گہری نیند سو رہے ہیں" اتنا کہا اور رونے لگا بارہ برس کی جان، ہزار مدبر سہی، لاکھ خاموش، پھر بھی ابھی سن ہی کیا ہے، اور والدین کی موت بیان ہے،

خدا کسی بچے کو نہ دکھائے، کاش کے ماں ہی زندہ رہتی، لیکن یہان تو ظالمون نے دونون بگیناہون کو مارا، برکت حسین نے جب سے واقعہ سُنا، پولیس چوکی پر اسی وقت اطلاع دی، سپاہی آئے مقتولون کو فوراً اٹھاکر اسپتال پہنچایا گیا، یہان مکان پر پہرہ کردیا گیا، سول سرجن نے معائنہ کیا، محمد عقیل کا جسم تو سرد ہوچکا تھا اور روح پرواز کرچکی تھی، لیکن بیگم صاحبہ مین رمقے جان باقی تھی، ڈاکٹر صاحب نے فوراً علاج شروع کردیا، ہوش اور مقوی دوا دین، زخم کا باقاعدہ ڈریسنگ کیا، صبح ۶ بجے کوتوال صاحب پہنچے، تنویر شکوہ نے اپنی آمد، چورون کی روانگی سن وعن سنادی۔

"میان صاحبزادے، اسقدر رات گئے تک تم کہان رہتے ہو"

"یہ تو میری عادت ہے کہ مین دس بجے تک مکان پر آتا ہون، مگر کل خلاف معمول ذرا دیر ہوگئی تھا"

"آخر یہ وقت کہان صرف ہوتا ہے"

"گھومنے، پھرنے مین، یار دوستون مین"

"مین تمھاری ہمشیرہ کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہون؟"

"بہت بہتر"

کوتوال صاحب بلقیس کے کمرہ مین پہنچے، یہان کی کسی چیز مین تغیر نہین ہوا تھا، البتہ مسہری کا بستر نیچے پڑا تھا، کمرہ کا فرش اسطرح بگڑا تھا جیسے دو آدمی لڑے ہون، اور انکی ہاتھا پائی سے کوئی چیز بے ترتیب ہوجاوے، دروازہ پر چند بوندین خون کی بھی پڑی تھین، جن سے پایا جاتا تھا کہ کوئی سنگین واردات ہوگئی ہے، کوتوال صاحب نے کمرہ کی ہر چیز کو بڑے غور اور تجسس خیز نظرون سے دیکھا، پھر مکان کے اور کمرون، اور کوٹھریون مین گئے، مگر کسی جگہ بھی چورون کے داخل ہونے کے علامات نہ پائے، صندوق مقفل، الماریان بند، ہر شے قرینے سے رکھی ہوئی کسی نے ہاتھ تک نہین لگایا تھا، یہانتک کہ جس صندوق مین زیور رکھا تھا وہ بھی اسیطرح رکھا تھا جیسا کہ بیگم صاحبہ نے رکھدیا تھا۔

اب کوتوال صاحب نے پہرہ دار کو طلب کیا،

"تمھارا کیا نام ہے؟"

"حیات بخش، حضور"

"تم کو کتنی مدت ملازمت کرتے ہوگئے"

"حضور، بابو صاحب کے یہان سولہ برس ہوگئے تھے"

"رات کو کیا واقعہ ہوا"

"حضور میں حسب دستور پہرہ دے رہا تھا کہ ایک آدمی موٹر پر سوار آیا، اور گاڑی روک کر کہا، حضور تنویر شکوہ گاڑی میں بیہوش پڑے ہیں، تم دروازہ کھلواؤ، میں انکو لیکر آتا ہوں، میں ذرا ہچکچایا، مگر اس نے گاڑی کا پردہ کھول کر دکھایا، میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لڑکے کو گاڑی میں بیہوش پڑے دیکھا، جلدی سے ڈیوڑھی دار کو آواز دی، اُس نے دروازہ کھولا، اب وہ آدمی میرے قریب آیا اور میرے منہ پر ایک رومال ڈالدیا، جس کے ساتھ ہی میں بیہوش ہوکر گر پڑا اور اسوقت تک بیہوش پڑا رہا جب تک چھوٹے میاں نے خود آکر مجھے ہوشیار نہیں کیا، اسکے بعد میں نے محلے والوں کو آواز دے کر پکارا انھوں نے چوکی پر خبر کی"

کوتوال صاحب "کیوں میاں تنویر، تمھاری بہن سے اور والدین سے لڑائی ہوئی تھی"

تنویر "جہانتک مجھے یاد ہے، میری بہن انتہا درجہ کی فرمانبردار اور سعید لڑکی تھی"

کوتوال صاحب "تھارے والد کا کوئی اور دشمن تھا"

تنویر "میرے والد کو کسی سے سروکار ہی نہیں تھا، وہ گھر ہی سے بہت کم نکلتے تھے ان کا کوئی دشمن نہیں تھا"

کوتوال۔ (تنویر کے کان میں جھک کر) ....

تنویر۔ (غضبناک ہوکر) اس سوال سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

کوتوال "ممکن ہو کہ ایسا ہی معاملہ ہو"

تنویر "ہرگز نہیں، مجھے خوب علوم ہو کہ وہ اس معاملہ میں بیگناہ ہو"

اسکے بعد کوتوال صاحب نے برکت حسین کے بیانات قلمبند کیے اور پھر مکان کا جائزہ لینا شروع کیا، اتفاق سے شہ نشین کی بغلی کوٹھری پر نظر پڑ گئی، اسکا قفل ٹوٹا تھا، جلدی سے اسکے اندر آے، یہ خاندانی کتب خانہ تھا، کتابیں الماریوں سے نکلی پڑی ہوئی تھیں، بعض کھلی تھیں، بعض کے ورق پھٹے ہوے تھے، تنویر بھی سے ہر الماری کو دیکھ رہا تھا، یکایک شیشہ کی الماری کو دیکھ کر کہا، "اسکی کتابیں غائب ہوگئی ہیں" کوتوال صاحب نے بھی دیکھا "اس میں کسی قسم کی کتابیں تھیں" "اسمیں قلمی نسخے اور نادر شاہی نسخے تھے" "آپ نے ان کتابوں کو دیکھا تھا" "نہیں، ان کتابوں کو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگاتا" "کچھ معلوم بھی نہیں کہ یہ کس

مضمون کی کتابین تھین،" ڈاکٹر میرے باپ نے تذکرہ کیا تھا کہ یہ شاہان اودھ کی سوانح عمریان انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین" کوتوال صاحب قریب ۴ بجے تحقیق کرکے کوتوالی واپس گئے۔

باب (۴)

مجروحہ کا حال

نواب ممتاز جہان بیگم کو جب ہوش آیا تو اپنے تئین شفاخانہ پولیس مین پایا، ڈاکٹر سرہانے کھڑا تھا، فوراً حجاب سے دوپٹہ کا آنچل منہ پر لینا چاہا مگر کرب و تکلیف کی زیادتی سے ہاتھ نہ ہلاسکی مجبور ہوکر رہ گئی، ڈاکٹر نے جب مخدومہ کا یہ حال ملاحظہ کیا تو بغرض علاج ڈفرن اسپتال زنانہ روانہ کیا، ڈولی پولیس اسپتال سے روانہ ہوئی اور دریا رخ سے ہوتی ہوئی بیلی گارد کے پھاٹک تک پہونچی تھی کہ کہارون نے دم لینے کے لیے ڈولی پھاٹک کے سامنے رکھدی، آدھ گھنٹہ کے بعد پھر روانہ ہوئی، جسوقت زنانہ اسپتال مین پہونچے تو مجروحہ ڈولی مین سے غائب اور بجاے اُن کے ایک کاغذ کا پرچہ رکھا تھا، لیڈی ڈاکٹر کو حیرت ہوگئی، کہارون سے دریافت کیا، سپاہی جو ساتھ آیا تھا اسکو بلوایا، مگر وہ بھی غائب، اب معلوم ہوا کہ سپاہی کی شرارت سے مجروحہ غائب ہوگئی ہے، سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع دی گئی، صاحب موصوف فوراً موٹر پر آئے اور صورت واقعہ سنا، رقعہ پڑھا ہمین لکھا تھا "ہمارا مجرم تھا، ہم لیگئے" وہان سے بیلی گارد کے پھاٹک پر پہونچے، کہارون نے وہ مقام بتایا جہان ڈولی رکھی تھی، اور یہ بھی بیان کیا کہ حضور ڈولی کے پاس سپاہی کھڑا رہا، ہم یقین سے کہتے ہین کہ ڈولی کا پردہ تک نہین ہلا، نہین معلوم بیگم صاحبہ کس طرح غائب ہوگئین، صاحب نے اس زمین کو دیکھا کسی قسم کا شبہ تک نہین پایا، آخر تھانون پر اطلاع دیدی گئی، کوتوال شہر کو تاکید کی گئی ان واردات کا بہت جلد انسداد کرے۔

اس واقعہ کو دو دن گذر گئے ہین، دن کے بارہ بجے ہین کہ ایک سیاہ فام لڑکی دیہاتی پوشاک پہنے، بیلی گارد کے پھاٹک مین داخل ہوئی، تھوڑی دیر تک توسیرہ کے لان،

پھر وہان سے اٹھکر گرتی ہوئی مسجد کے ویرانہ مین داخل ہوئی، درو دیوار کو بڑے غور سے دیکھتی وہ شمالی گوشہ مین پہنچی، یہان پر مسجد کا حصہ بالکل منہدم ہو گیا تھا، اور اینٹون کے بڑے بڑے کھنجڑ بے ترتیبی سے پڑے تھے، لڑکی ان کھنجڑون پر کھڑی ہوئی تو اس کے سامنے وہ مقام تھا جہان ڈولی رکھی گئی تھی، بائین جانب حمام و تہ خانہ کے کھنڈرات تھے، پھر وہ کھنجڑون سے نیچے اتر آئی اور ان کو ہٹانے لگی، لیکن کھنجڑ بھاری تھے اور مشکل سے اپنی جگہ سے سرکتے تھے، وہ برابر محنت کیے جا رہی تھی کہ یکایک اسکی نگاہ سامنے گرے ہوئے حجرہ کے دروازہ پر پڑ گئی، جہان پر چوکھٹ جڑی تھی اسکے ٹلاتین ایک موٹی کیل دکھائی دی، وہ اسکے قریب آئی اور کیل کو پکڑ کر زور کرنا شروع کیا، کیل زنگ سے جکڑ گئی تھی، اس نے ایک اینٹ لیکر اسکو ہلایا، پھر چاہا کہ کھینچ لے کہ وہ اور مضبوط ہو گئی، اُسنے کچھ دیر تو غور کیا، پھر یکایک کچھ خیال آیا اور کیل کو اینٹ سے اندر وار کو ٹھوک دیا، کیل کا اندر دبنا تھا کہ ایک زور کا دھماکا ہوا اور چند کھنجڑ گڑگڑاہٹ کے ساتھ زمین کے اندر دھس گئے، لڑکی حجرہ سے کھنجڑون مین پھر آئی، اب ایک سوراخ پیدا ہو گیا تھا، جسمین سے ایک دبلا پتلا آدمی بخوبی اندر داخل ہو سکتا تھا، وہ فوراً اسکے اندر کود پڑی، اور تاریکی کی وجہ سے کچھ دور ٹٹولتی ہوئی بڑھی، پھر یکایک روشنی ہو گئی اور صاف ہوا بھی آنے لگی، اب وہ اطمینان سے سرنگ طے کرنے لگی، ۱۰ گز کے فاصلہ پر اسمین سے دو سرنگ مختلف سمتون کو اور نیے تھے، اُسنے سمتون پر جو دھیان کیا تو معلوم ہوا کہ ایک سرنگ تو بائین ہاتھ کو کٹ گیا ہے اور دوسرا سرنگ سامنے جاتا ہے، وہ آخرالذکر سرنگ مین داخل ہو گئی، یہ صرف ۳۰ گز لمبی تھی، خاتمہ پر ایک زنجیر لٹک رہی تھی، اُسنے زنجیر پکڑ کر کھینچی تو ایک توا لوہے کا اندر کو سرک گیا اور ۳ فٹ کے قطر کا ایک مدور راستہ پیدا ہو گیا جسمین سے آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا، ہوشیاری سے ذرا سر نکالکر دیکھا تو وہی مقام تھا، جہان ڈولی رکھی گئی، اُسنے دروازہ بند کر دیا اور مسکراتی ہوئی پھر واپس آئی اور اصلی سرنگ مین ہو کر آگے روانہ ہوئی یہ سرنگ دو سو گز طویل اور ۲ گز چوڑی تھی، جتنا آگے بڑھتے جاؤ پانی کی نمی زیادہ ہوتی جاتی ہے جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ سرنگ دریا کے دامن مین ختم ہوا ہے، لڑکی نہایت دلیری سے مسکراتی، تیز تیز قدم بڑھاتی دہانہ تک آئی یہان پر قدرے تاریکی تھی اور سردی اور پانی کی نمی اسقدر تھی کہ اسکے ہاتھ پیر کانپنے لگے، اُسنے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی اور اسکا بٹن دبا دیا برقی لمپ کی تیز روشنی سامنے پڑی تو ایک تابہ آہنی نظر آیا جسمین

لوہے کی سلاخین نہایت مضبوطی سے پیوستہ تھین، اور ان سلاخون مین ایک موٹی زنجیر آویزاں تھی، زنجیر سلاخون مین پھیر کھاکر اپنے دوسرے سرے کے کڑے سے ملحق تھی اور اسمین ایک دزنی قفل پڑا تھا، لڑکی نے قفل کو دیکھا اور زور سے قہقہہ لگایا، جیب سے پستول نکالا اور چاہتی تھی کہ قفل توڑ ڈالے کہ زمین کو حرکت ہوئی اور وہ دہم سے نیچے آرہی، گرنے مین گھوڑے کی لبلبی دبگئی اور پستول چل گیا، ایک دناٹا ہوا اور کوئی چیز گھنگھناتی ہوئی زمین کے اندر پیوست ہوگئی اب وہ سنبھلی اور چاہا کہ دہانہ کا قفل توڑے مگر وہ دو گز اونچا تھا اور وہ تنگ حوض مین کھڑی تھی، گرنے مین برقی لمپ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور خدا معلوم کسطرف پڑا تھا، وہ حیرت زدہ خوفناک کھڑی تھی کہ اوپر سے ہنسنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی اسکے کسی نے کہا،، مسٹر تنویر ابھی بچہ ہو، مین سمجھ رہا تھا کہ تم ماں کی محبت مین دیوانہ ہورہے ہو، اسواسطے چھوڑدیا، ورنہ کبھی کے تم بھی اپنے باپ کے پاس پہنچ گئے ہوتے، اب اپنے داہنے جانب دیکھو، ایک دروازہ ہے اسکو کھول کر باہر نکل جاؤ،، تنویر نے کوئی جواب نہ دیا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اوپر دیکھا، مگر اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہ آیا، آخر لاچار ہوکر داہنے جانب کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، پلٹ کر دیکھا تو دروازہ غائب، نشان تک نہین، دریا کے کنارے کھڑا ہے، سامنے لوہے والا پل ہے جس کے دو دن سے دریا کی لہرین ٹکراتی شور کرتی بہتی چلی جارہی تھین، وہ اپنی ناکامیابی پر ہراسان تو نہوا لیکن اسکو رنج بہت ہوا غمزدون کی طرح سر جھکائے ایک برقعہ وہ پھر بیٹی گارڈ آیا اور مسجد مین داخل ہوکر کھنڈرون مین پہنچا، یہان رستہ غائب تھا، حجرہ کی چھت مین کہین کچھ نہین تھی، پریشان ہوکر حضرت گنج کی طرف روانہ ہوگیا لال کوٹھی کے برابر پہنچا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت تیزی سے جاتی ہوئی دکھائی دی، ہم بیان کرچکے ہین کہ وہ دیہاتی لڑکی کا لباس پہنے تھا اور مشکل سے پہچانا جاتا تھا اسلیے وہ بے تکلف برقعہ پوش کے برابر آکر اس سے گفتگو کرنے لگا، برقعہ پوش نے نہایت تیز نگاہون سے لڑکی کے سراپا کو دیکھا۔

"تم کون ہو؟"

"ایک غریب لڑکی ہون، میرے ماں باپ کوئی نہین ہین"

"کہان کی رہنے والی ہو"

"مین نزہیحابین رہتی ہون،"

"یہان کیسے آئی ہو"

"پیٹ پالنے چلی آتی ہون، شام کو پھر واپس چلی جاتی ہون"
"تمھاری گذران صرف گداگری پر ہے"
لڑکی کی آنکھون سے آنسو ٹپکنے لگے اور سسکیان بھر کر رونے لگی، برقعہ پوش عورت کو اسکے حال پر بہت رحم آیا، اُس نے کہا "اگر کوئی تجھے رکھے تو رہیگی۔
"حضور مجھ غریب کو کون رکھنے لگا، مین تو دن رات اسی فکر مین رہتی ہون"
"اچھا مین تار گھر مین ایک تار دیدون، پھر تو میرے ہمراہ چلنا"
لڑکی بہت اچھا کہکر برقعہ پوش عورت کے ساتھ ہولی، یہ عورت گورنمنٹ ٹیلیگراف ہاؤس پہونچی اور وہان ایک تار بنام پی، جی اینڈ کو کلکتہ روانہ کیا، لڑکی بھی کھڑکی کے برابر کھڑی تھی، اور تار کے مضمون کو اسطرح دیکھ رہی تھی جیسے کوئی ناخواندہ کسی تحریر کو دیکھتا ہے، تار مین صرف تین لفظ انگریزی کے تھے جنکا ترجمہ یہ ہے "آگئی، پرسون، بارہ" بھیجنے والا کا پتہ اور نام بھی ایسا تھا جس سے ہمارا تنویر قطعی ناواقف تھا، جب وہ عورت تار کا محصول ادا کر چکی تو وہان روانہ ہوئی اور چوراہے پر ایک ٹانگہ کرایہ کرکے لاٹوش روڈ پر اُتری، لب سڑک ایک پختہ عمارت کے زینہ پر چڑھ گئی، لڑکی بھی پیچھے پیچھے اوپر آئی، یہ ایک کمرہ تھا جو زمانہ جدید کے انگریزی فیشن کے مطابق خوب آراستہ پیراستہ تھا عورت نے اپنے برقعہ اُتار ڈالا اب وہ اٹھارہ سال کی ایک خوبرو لڑکی تھی اور انگریزی چست لباس پہنے تھی، اسکا نام مس برکت تھا اور یہ لاٹوش روڈ پر پراکٹشنر لیڈی ڈاکٹر تھی، مس صاحبہ نے لڑکی کو اپنے رہنے کے کمرہ دکھلائے اور وہ بالائی کام جو بالعموم کمسن بچون سے لیا جاتا ہے" اسکو سمجھایا، مس صاحبہ چونکہ دوپہر کو برقعہ اوڑھ کر حضرتگنج گئین تھین، گرمی سے طبیعت بوکھلا رہی تھی فوراً لباس اُتار کر حمام مین داخل ہوگئین، یہان تنویر نے جو تنہائی پائی تو کمرہ کی ہر چیز کو دیکھنا شروع کردیا، شدہ شدہ اسکی نظر مسہری کے سرہانے رکھے ہوے ایک لفافہ پر جا پڑی، پہلے تو خیال کیا کوئی خانگی خط، یا نجی چٹھی ہوگی، پھر سوچا کہ لاؤ دیکھ تو لون، شاید کچھ پتا چلے لفافہ کے اندر سے خط نکالا تو اسکا مضمون حسب ذیل تھا،
"مریضہ بخیریت پہونچ گئی، زخم اچھے ہین، تم کو آج ہی کلکتہ روانہ ہوجانا چاہیئے" اپنی روانگی کی اطلاع بذریعہ تار دیدینا، ابھی تنویر صاحب بھی آئے تھے اگر دھوکا کھاکر واپس چلے گئے، فقط م، ن"
خط پڑھکر وہ چونک اٹھا، چپکے سے لفافہ بند کرکے اسی مقام پر رکھدیا، اور واقعات پر غور

کرنے لگا، "یقیناً یہ ایک زبردست گروہ ہے، یہ مریضہ میری ماں ہے، اور جو غالباً کلکتہ روانہ
کی جارہی ہے، پرسوں بارہ بجے گاڑی کلکتہ پہونچتی ہے، مس صاحبہ معلوم ہوتا ہے مریضہ کے ہمراہ
کلکتہ روانہ ہونگی، اچھا ڈاکٹر صاحب بھی اس مقدمہ میں شریک ہیں، لیکن ان لوگوں نے
میرے باپ کو کیوں قتل کیا، میری بہن کو کہاں چھپایا، اسکا پتہ کیسے معلوم ہو، ہاں یہ لوگ
کون ہیں، یہی معلوم ہوجاوے تو پھر میں انشاءاللہ سب معمے حل کرلوں، میری ماں کو کم بختوں
نے ڈولی سے غائب کیا، چونکہ مجھے یہ معلوم ہو کہ جیلی گارد کے نیچے سرنگیں بنی ہیں اور جن کے
مختلف راستے ہیں، اسلیے مجھے یقین تھا کہ میری ماں وہاں ہوگی، لیکن یہ سرنگ کا دہانہ کہاں
پر ہے، کچھ تاریکی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آیا، اچھا میں پل کے قریب نکلا تھا، اور میرا رخ اسپتال کیطرف
تھا، اس حساب سے اگر میری ماں کو وہ اسی سرنگ کے ذریعہ باہر لے گئے ہیں تو یقیناً وہ اسپتال کے
سامنے نکلے، ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ شارع عام پر اسطرح مریضہ کو نکالنا دیکھنے والوں کو
حیرت میں ڈالنا ہے، اچھا اگر سرنگ کے دہانہ سے باہر نکالا تو وہ دریا ہے، اوہو، اب سمجھ میں آیا
سرنگ کا دہانہ پل کے اندر ہے، کیونکہ اگر سب ساحل ہوتا تو پانی ضرور رہتا، مگر مجھے خوب یاد ہے کہ
صرف زمین نم تھی اور دہانہ سے پانی نہیں رستا تھا، ٹھیک یہ دہانہ پل کے اندر آخری کھمبے میں ہے
یہاں کشتی پر آسانی سے ہر چیز آجا سکتی ہے اور کسی کو خبر تک نہیں ہوسکتی، اوہو، میری ماں کشتی
کے ذریعہ سے کہیں دور پہنچا دی گئی ہے"

وہ انھیں خیالات میں محو بیٹھا تھا کہ مس صاحبہ حمام سے برآمد ہوئیں، مس صاحبہ ایک لیے قد
دبلی پتلی لیڈی تھیں اور اگرچہ حسین عورتوں میں انکا شمار مشکل سے ہوتا تھا تاہم وہ اپنے چہرہ کی
زیبائش اور لباس کی درستی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتی تھیں، انکا طرز زندگی بالکل یوروپین
عورتوں کی طرح تھا، اسپر پیشہ کی آزادی نے اور چار چاند لگائے تھے، کمرہ میں داخل ہوتے ہی وہ
آرام کرسی پر لیٹ گئیں اور نہایت فرحت کے ساتھ گول میز پر پڑے ہوے اخبار کو ملاحظہ کرنے لگیں
تھوڑی دیر میں اخبار پھینک دیا اور گھنٹی بجائی، ایک بیرا حاضر ہوا جس کے ہاتھ میں چاء بسکٹ
کا طشت تھا، مس صاحبہ نے بیرا کو اپنا سفری بیگ لانے کا حکم دیا، جب بکس لایا گیا تو کہا
"دیکھو یہ ایک نیا ملازم ہے، اسکو آرام سے رکھنا، ملازموں کے رہنے کا کمرہ اسکو دکھا دو، اور ہاں
میں ایک ضرورت سے کلکتہ آج شام کی گاڑی سے جارہی ہوں، ۸ بجے سے پیشتر ایک گاڑی
کرایہ کرلانا، میری چاد پوشاکیں اور ضروری سامان بکس میں بند کردو، شاید میں چار یوم میں واپس آؤں"

میرے نے لڑکی پر ایک پرمعنی نگاہ ڈالی اور پھر تعمیل حکم میں مصروف ہو گیا، لڑکی کو گفتگو کرنے کا یہ موقع خوب ہاتھ آیا" حضور آج شام کو تشریف لیجا ویںگی۔

مس صاحبہ " ہاں میں کلکتہ جا رہی ہوں، تم گھبراؤ نہیں، میں بہت جلد واپس آؤنگی "

لڑکی " (ہنسکر) شاید حضور کا مکان کلکتہ میں ہے "

مس صاحبہ " نہیں، میں ایک ضرورت سے وہاں جا رہی ہوں "

لڑکی " میں نے تو حضور سنا ہو کہ کلکتہ میں آدمی کھو جاتا ہے "

مس صاحبہ (لڑکی کی بھولی بات سنکر اور مسکرا کر) اس سے تمھارا کیا مطلب ہو؟"

لڑکی " میں یہ کہتی تھی کہ جب حضور کا وہاں مکان نہیں ہو تو کہیں آپ بھی نہ کھو جائیں "

مس صاحبہ (مسکرا کر) بیوقوف لڑکی، ارے وہاں مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے ہوٹل ہیں "

لڑکی " تو آپ ہوٹل والوں سے ملنے جا رہی ہیں "

مس صاحبہ - بڑی بیوقوف ہو، میں ہوٹل والوں سے کیوں ملنے لگی "

لڑکی - (اٹھلا کر) اے حضور، میں یہ باتیں کیا جانوں "

مس صاحبہ " ہاں صحیح ہے، بیٹی میں وہاں ہوٹل میں صرف قیام کرونگی، باقی کام تو مجھے دوسری جگہ ہی"

لڑکی - اوہو، تو آپ کلکتہ سے دوسری جگہ تشریف لیجا وینگی "

مس صاحبہ " اوہوں، تیرے ساتھ بک بک کون کرے "

لڑکی " تو پھر حضور سمجھا دیں "

مس صاحبہ " سُن، کلکتہ بھی لکھنؤ کی طرح ایک شہر ہو، مگر وہ لکھنؤ سے بہت بڑا ہو، وہاں ہزاروں سوداگروں کی کوٹھیاں، بڑی عالیشان عمارتیں، خوبصورت باغات ہیں، میں ہوٹل میں اسباب رکھکر ایک کمپنی، بی، جی اینڈ کو، میں جاؤں گی "

لڑکی " اوئی بیوی، آپ پاجیوں سے بھی ملتی ہیں "

مس صاحبہ " (خوب زور سے ہنسکر) ہو کم بخت۔

لڑکی " (مضمون بدلکر) حضور کی شادی نہیں ہوئی ہو "

مس صاحبہ " ابھی نہیں، کیوں؟ "

لڑکی " جی، کچھ نہیں، نہ حضور کے ماں باپ ہیں "

مس صاحبہ " میرے ماں باپ نہیں ہیں، میں تنہا ہوں "

لڑکی "مگر حضور کے یہاں خط بہت سے آتے رہتے ہیں"
مس صاحبہ "ہاں یہ خط میرے دوست بھیجتے ہیں"
لڑکی "حضور کے دوست بھی آپکی طرح میم لوگ ہونگے"
مس صاحبہ "ہاں زیادہ تر عورتیں ہیں، مگر کچھ مرد بھی ہیں"
لڑکی "اوئی آپ کا مردوں سے دوستانہ ہے"
مس صاحبہ "کیوں کیا ہوا، کیا مرد دوستی کے قابل نہیں ہیں"
لڑکی "ہاں کیوں نہیں، اچھا آپ کے کون کون دوست ہیں"
مس صاحبہ "میرے دوستوں کے نام دریافت کرکے تم کیا کروگی؟"
لڑکی "پھر میں سمجھ لونگی کہ آپ کا دوستانہ اچھا ہے یا بُرا"
مس صاحبہ "(بنانے کے طور پر) شہر کے مشہور رقاص رباز، عیاش میرے دوست ہیں"
لڑکی "نوج! ایسا کیوں ہونے لگا"
مس صاحبہ "بھئی تیری باتیں بڑی بھولی ہیں اب تم ہمیشہ یہاں رہا کرنا"
لڑکی "جیسی حضور کی مرضی"

اسی طرح بڑی دیر تک باتیں ہوئیں، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا، نیچے بیرا کرایہ کی گاڑی لایا، اور مس صاحبہ کا سفری بیگ کمرہ سے لیجا کر گاڑی میں رکھدیا، مس صاحبہ نے جلدی سے باہر نکلکر کمرہ میں قفل ڈالدیا اور زینہ سے اتر کر نیچے آئیں، وہ دہلی کا نوابجادی برقعہ اوڑھے ہوئے تھی بیرے سے کہا کہ "لڑکی مجھ سے رخصت لے گئی ہے" اور گاڑی میں سوار ہوکر اسٹیشن چارباغ کا راستہ لیا، اسٹیشن پر گاڑی آنے میں ۰ امنٹ باقی تھے، انٹر کلاس کا ٹکٹ خریدا، پلیٹ فارم پر آئیں، دو چکر لگائے کہ میل آپہنچا، خاموشی سے زنانہ ڈبے میں سوار ہوگئیں اور کلکتہ روانہ ہوگئیں مغلسرائے کے جنکشن پر گاڑی تبدیل کی گئی، مس صاحبہ ای، آئی، آر، پر سوار ہوکر دوسرے دن ہوڑہ کے عظیم الشان اسٹیشن پر جا اتریں، یہاں دو آدمی انگریزی لباس پہنے پیشتر سے منتظر تھے، جیسے ہی انکی نظر مس صاحبہ کے برقعہ پر پڑی فوراً جھککر علیک سلیک کی اور بکس لیکر قلی کے حوالہ کیا، باہر آئے، موٹر تیار رکھی، سوار ہوکر ہریسن روڈ کی صراط مستقیم پر سے گذرے، چورا ہے پر پہنچے، موٹر کالج اسٹریٹ کی طرف مڑ گئی اور ایک عظیم الشان کوٹھی کے مقابل کھڑی ہوگئی۔

باب (۵)

چلا ہون امتحان گاہِ وفا مین لیکے اک عالم
کوئی تصویر سے لے آج میرے سازو ساماں کی

خواجہ صاحب مرحوم کے یہان سید رضا احمد صاحب داروغہ تھے اور جائداد وغیرہ کے کل امور انھین کی ذات سے وابستہ تھے، تین مہینے سے داروغہ صاحب مرض فالج مین مبتلا تھے، چلنے پھرنے سے بیچارہ معذور، پلنگ پر پڑے رہتے' داروغہ صاحب کے ایک لڑکا تھا' جسکی عمر بیس سال کی اور جسکا نام مشتاق احمد تھا، کیننگ کالج لکھنؤ مین تھرڈ ایر کلاس مین تعلیم پاتا ہے' نہایت طباع و چالاک، ذہن و ذکا خداداد تھے حسن و جمال بھی درگاہ احدیت سے عطا ہوا تھا، جس وقت ہم اپنے ناظرین سے اس لڑکے کو ملا رہے ہین، اسوقت وہ اپنے باپ کے حکم سے خواجہ صاحب کی مجلس کا انتظام کرنے مصاحب گنج آیا تھا سیاہ شیروانی زیب بدن کیے چست پاجامہ پہنے، نہایت ہی خوبصورت وضع قطع سے وہ پھاٹک پر سائیکل سے اترا، ہم کو ضرورت نہین کہ اسکے جمال صورت کے سراپا کو کھینچکر حسن بیان کو چمکا دین کیونکہ وہ اس سے مستغنی تھا اور حقیقت یہی ہے کہ نگارخانہ قدرت کا یہ دلکش فوٹو ہر قسم کی ظاہری و باطنی کا رنگ لیے تھا' اسکے سبزہ خط کو استرے کی تیز دھار نے ابھی نہین چھوا تھا اور اسواسطے وہ عذار گلرنگ لطافت تابندگی مین بالکل عورتون کے رخسارون سے مشابہ تھے، اسکے حسن مین صباحت تھی اور حسن پر ملاحت کی جلا کی گئی تھی، اُسکے ہونٹ کسی نوشگفتہ غنچہ کی پنکھڑیون کی مانند شاداب و سرخ تھے، اسکی گردن لمبی مگر صراحی دار جسپر یہ مرغولہ حسن سدا بہار گلاب کا شاخ سے آویزان ہونے کے نقشہ پیش کرتا تھا، فرنسیسی فیشن کے سیاہ ملایم بال بیچ جنکو وہ پیشانی پر سے نہایت خوبصورتی کے ساتھ مانگ نکالکر پیچھے کی طرف الٹ دیتا تو اس سے اسکا حسن اور بھی دوبالا ہو جاتا، اسکی آنکھین بڑی مگر خوب سیاہ تھین اور ان آنکھون کی چتونون سے صاف عیان ہوتا تھا کہ ذہین چالاکی، ذہانت، متانت، حیا، شوخی، جوش جوانی بدرجہ اتم موجود ہے، اسکا قد و قامت جیسا کہ ایک حسین مرد کا بالعموم ہوتا ہے اس سے کسی قدر میانہ تھا، اور اگرچہ اسکے چہرہ و قامت

سے کسی قسم کا رعب باجلال نہین پایا جاتا تھا، تاہم وہ وقار و وضع ضرور رکھتا تھا، اسکا
گفتگو عمدہ، تہذیب اچھی، خلق بہترین تھا، نہ کبھی بیہودہ صحبتون مین بیٹھتا، نہ عیش و عشرت
کی جانب متوجہ ہوتا، اسکے خیالات بلند، اطوار جوانمردانہ اور ہمت عالی تھی، غرضکہ وہ سائیکل
دروازہ پر ملازم کو دیکر محلسرا کے اندر داخل ہوا، اور ہر چیز کو دیکھتا ہوا ایک بالائی کمرہ مین
داخل ہوا، یہ کمرہ تھا تو چھوٹا مگر سلیقہ سے آراستہ تھا، اسکا تمام سامان اس قسم کا تھا جو مکین کی
ضرورت مین رہ سکے، طرح طرح کے کاغذی گلدستے بلوری گلدانون مین لگے جابجا دھرے تھے انکا
پھول اس ترتیب سے قائم تھے کہ اُنسے کوئی نہ کوئی بات ضرور پیدا ہوتی مثلاً مسہری کے سرہانے
جو گلدستہ رکھا تھا وہ خواجہ محمد عقیل صاحب کے نام کا طغرا تھا، چند تصویرین بھی دیوارون پر
لگی تھین، الماریون پر ہاتھ کے بنے ہوے خوشرنگ پردے لٹک رہے تھے، مشتاق احمد ہر چیز
کو دیکھتا اور دل ہی دل مین رہنے والے کے سگھڑپنے کی تعریف کرتا ایک الماری کے قریب آیا،
اسکو کھولا تو اسمین بہت سی دوائیان اور شیشیان رکھی مگر شیشیون سے انکے اندر کی چیزین نکال
لی گئین تھین، اسی الماری مین ایک صندوقچہ تھا جو ٹوٹا پڑا تھا، چونکہ اُسے معلوم تھا کہ مکان مین
پر اسرار چوری ہوچکی ہے، اسلیے اُسے چیزون کی بے ترتیبی یا انکے غائب ہونے پر کوئی تعجب
نہین ہوتا تھا، قریب بیس منٹ تک الماری دیکھنے کے بعد وہ مسہری پر بیٹھ گیا، اسوقت اسکا
دل بھی گھبرا رہا تھا اور تنہائی کی وجہ سے کچھ پریشان بھی تھا، پیر لٹکا کر لیٹ گیا، ہم بیان کرچکے
ہین کہ مسہری پر سے بستر الگ کردیا گیا تھا، وہ آنکھین بند کیے لیٹا تھا کہ اسکو پشت مین کوئی چیز
گڑتی معلوم ہوئی، اٹھکر غور سے دیکھا، تو نیواڑ کے نیچے لوہے کا ایک موٹا تار معلوم ہوا، نہ کہ پلٹ کر
تار کو اوپر کھینچا، تار کا کھینچنا تھا کہ ایک گھنٹی بجی اور الماری کے تختہ کی چوڑائی کی پٹری الگ ہوگئی،
یون تو اسکی نظر نہ پڑتی مگر گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا، پلٹ کر الماری کے قریب پہنچا تو خانہ پھر
بند ہوگیا، اب اسکو معلوم ہوا کہ تار کی کشش پر اس خانہ کے کھلنے بند ہونے کا دارومدار ہے، جلدی
سے تار کھینچکر مسہری کے سرہانے ڈنڈے مین اٹکا دیا، اب خانہ کھلا ہوا تھا، اور اسکے اندر ہاتھ آسانی
سے جاسکتا تھا، پہلے تو جھانک کر دیکھا تو چند کاغذات دکھائی دیے، ہاتھ ڈالکر نکال لیے
یہ ایک بنڈل تھا جو ریشمی ڈوری سے نہایت مضبوطی سے بندھا تھا، پھر جو ہاتھ ڈالا تو ایک
چاندی کی ڈبیا نکلی، مشتاق احمد ان چیزون کو لیکر اور خانہ کو بند کرکے پلنگ پر بیٹھا، پہلے تو اُسنے
کاغذون کا بنڈل کھولا، چند نوشتے اور چند تصویرین تھین، تصویرون کا دیکھنا تھا کہ وہ دریا

حیرت مین غوطہ کھانے لگا، یہ قلمی تصویرین اپنے مصور کی خداداد اعلیٰ قابلیت کو صاف طور پر واضح کر رہی تھین، تھین تو وہ ایک ہی شخص کی مگر مختلف وضع مین، پہلی تصویر برسات کا ایک دلکش منظر پیش کرتی تھی' سیاہ سیاہ بادلون پر ہلکے بھورے رنگ کی گھٹاؤن کی دوڑ، اسمین تڑپنے والی بجلی کی لہر، نظارہ کی تاریکی مین اسکی وقتی سنہری چمک، مہین مہین بوندون کا تسلسل موٹے موٹے قطرون کا تقاطر، بھیگی زمین اور گیلا سبزہ' درختون کی شادابی و سرسبزی اور ہوا کے سنسناتے جھونکون سے شاخون کا لچکنا اور انکی ہری ہری پتیون سے پانی کے قطرون کا ٹپکنا؛ درختون کے سامنے ایک کھلے ہوے مرغزار کا نمونہ تھا جسکی کاشانی گھاس پانی مین ڈوبی ہوئی تھی، لیکن جوش نمو کی مدد سے کہین کہین پر سبز پتیان نمودار، اس مرغزار کے کنارے مولسری کے درخت کے نیچے ایک یازدہ سالہ لڑکی کھڑی ہوئی گھٹاؤن کی آمد کو دیکھ رہی تھی، کہ بجلی کی چمک سے پیشانی پر ہاتھ رکھکر سر جھکا لیا تھا اب انگلیون کی جھرجھری سے دزدیدہ نگاہین پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھین، بھاگلپوری پاجامہ پہنے، بڑے بڑے پائچے ڈوپٹے اسکی چوڑی گوٹ کسی عاشق کے کشادہ سینہ کی طرح سامنے وار کو ظاہر، گلابی اونچا کرتا اور بسنتی رنگ کی ڈھائی گز کی ڈوپٹیا، لیکن ان کپڑون سے پانی گر رہا تھا، ڈوپٹہ، کرتے اور پاجامہ کا رنگ کٹ کٹ زمین پر قوس قزح بنا رہا تھا، اس تصویر کے نیچے "برسات اور بلقیس بعمر گیارہ سال" لکھا، مشتاق اس تصویر کو بڑے غور سے دیکھتا رہا، لیکن چہرہ صاف طور پر نہ دکھائی دیا، اگرچہ اس پہلے ہی نظارہ نے از خود رفتہ کر دیا پھر بھی دوسری تصویر اٹھا کر دیکھی، اس تصویر مین اسٹول پر ایک تیرہ سال کی لڑکی آنکھین بند کیے کسی مسئلہ پر غور کر رہی ہے، ہاتھ مین کتاب ہے' اور گردن داہنی طرف کچھ اٹھی کچھ جھکی ہے، سبزی مین آفتاب غروب ہو رہا ہے اور ایک گوشہ سے تاریکی پھیل رہی ہے جسکا بڑھتا ہوا سایہ کسی نوجوان کی بدگمانی کی مانند طول پکڑ کر اسکے قدمون تک آ چکا ہے اور ممکن تھا کہ تاریکی ہو جاتی مگر آفتاب کی مشتاق دیدار شعاعین اسکے حسین چہرہ کو بدر کامل سمجھ کر بے چین ہو ہو کر آڑی ترچھی پڑ رہی ہین اور اس سے جدا ہونا نہین چاہتین' اس تصویر کے دیکھنے سے اسکے سینہ مین گرمی حسن نے شعلہ عشق کو بھڑکا دیا کیونکہ تصویر کے نیچے "غروب آفتاب اور بلقیس بعمر تیرہ سال" لکھا تھا، اب تیسری تصویر دیکھی، یہ موسم سرما کا نظارہ تھا، شب چہاردہم کا آئینہ چمکا کر چیکا رچاندنی کو چھٹکا یا تھا، جسمین ایک چودہ سالی کی حسینہ سر سے پیر تک اوڑھے چہرہ پر نقاب ڈالے، ہاتھ مین لوٹا لیے کہین جا رہی ہے' ہوا کے

ٹھنڈے جھونکون کی آمد اور سردی کی زیادتی کو ایک نازک جسم کے سمٹنے والی ادا سے اسطرح ظاہر کیا ہے کہ دیکھنے والے کا کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے، یہ تصویر بھی ملقیس کی تھی اور جس کی پوشیدگی نے مشتاق کے دل پر گہرا اثر کیا وہ بے خود ہو کر تصویر مین چہرہ پر سے نقاب ہٹانے لگا، پھر خیال آیا کہ یہ تو تصویر ہے کاغذ ہے، اب چوتھی تصویر پندرہ برس کی ایک دوشیزہ کی تھی جو جوانی کی اُمنگون اور شباب کے جوش کو اُبھار کر بے حجاب دروازہ کی چوکھٹ پکڑے کھڑی تھی، مشتاق نے اس تصویر کو دیکھا اور مصداق۔

حسن کھلتا ہے حسینون کا جے جتنی نگاہ
جسقدر دیکھو ابھرتا ہے بدن تصویر کا

اسکی رعنائی و زیبائی پر عش عش کرنے لگا، ملقیس نے بھی اپنی فسون ساز نگاہون کو اسکے چہرہ پر جما دیا، اور ایسا جمایا کہ اسکے ہاتھ کانپے، دل بیٹھا، اُف کی اور تصویر کو سینہ سے لگا لیا، پھر خیال آیا کہ صاحب تصویر زندان بلا مین قید ہے اس کا وصال محال ہے، بس رو دیا، اور فرط یاس سے چیخ اُٹھا۔

تم کو ہمارے پاس سے لیجائینگے رقیب
ہم بھی تو آج دیکھینگے وہ ایسے کہان کے ہین

غصہ مین تصویرون کو لپیٹ دیا، اور نوشتون کو دیکھنا شروع کیا، جلدی جلدی ہر ایک تحریر کو پڑھ رہا تھا اور رکھ رہا تھا، یہ نسخے تھے، کچھ تجربے کی باتین تھین، کچھ نو ایجاد اشیا کی ترکیبین تھین، کچھ پرانی دستاویزین تھین، کہ اسکی نظر ایک بادامی کاغذ پر پڑی، اس پر ایک ہزارہ کا پھول بنا تھا، جس کے نیچے تحریر تھا "ملقیس بہ عمر سولہ سال، پاپش کے زندان بلا مین" یہ تحریر پڑھکر اسکے ہوش جاتے رہے، آنکھون مین آنسو بھرے تھے یا اب جھڑی لگ گئی، دل اُلجھنے لگا، بخار سا چڑھنے لگا، اب اُسنے ڈبیا اُٹھائی مگر وہ چاندی سی منڈھی ہوئی، کسی طرف نشان تک نہ تھا، سوتے کا کام بنا تھا، دونون طرف سے زور کیا، ٹھونکا مگر نہ کھلی، ہاتھ سے دبایا، انگلیون سے ٹٹولا کہ شاید کوئی اسپرنگ یا پین ہو جس کے جھٹکے سے یہ کھلتی ہو، لیکن کچھ بھی نہ پایا، آخر اسکو جیب مین ڈال لیا، اور کاغذون اور تصویرون کا بنڈل باندھکر کمرہ مین قفل ڈالکر نیچے اُترا، کوٹھریون کو بند کیا، ہر چیز اُٹھا کر شستہ تنین مین بند کردی اسمین گہرا قفل لگا دیا، باہر آیا، ملازم کو چند ہدایتین کین اور سائیکل پر سوار ہو کر اپنے مکان پہنچا، اسکا پرائیویٹ کمرہ مکان کی پشت پر باغ کی جانب سے تھا، آفتاب

غروب ہوچکا تھا اور اندھیرا ہوگیا تھا، باغ کے درختوں پر چڑیاں بسیرا لے رہی تھیں، کچھ چہچہا رہی تھیں وہ اچکن کے بٹن کھولے، سائیکل ہاتھ میں لیے کمرہ کے قریب آیا، چلمن اٹھائی کر دروازہ کھلا پایا، حیرت و تعجب سے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک تنومند آدمی کرسی پر بیٹھا ہے، مشتاق اسکی خوفناک صورت دیکھ کر جھجکا، لیکن وہ آدمی اٹھکر تعظیم بجا لایا اور اس طرز سے سلام علیک کی کہ مشتاق کے اخلاق نے گوارا نہ کیا کہ فوراً اس سے مداخلت بیجا کی بابت سوال کرتا، سائیکل اسٹینڈ پر رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا، وہ آدمی بھی دروازہ کی چٹخنی چڑھا کر اسکے سامنے کھڑا ہو گیا، یہ کام اتنی پھرتی سے ہوا کہ مشتاق کو کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑا وہ آنکھیں پھاڑ کر اجنبی کو دیکھنے لگا، اجنبی نے اپنے فرغل کے نیچے سے ایک پستول نکالا اور اسکا رخ مشتاق کی جانب کیا جو حیرت اور خوف سے بت بن گیا تھا اور اجنبی کی ڈراونی صورت کے اثر سے مرعوب تھا، قریب تھا کہ وہ چیخ اٹھے کہ اجنبی نے کہا "بس خبردار، اگر ایک حرف بھی زبان سے نکالا تو خاتمہ ہوجائیگا"

مشتاق "تم کون ہو؟"
اجنبی "سنو میرا نام پاٹن ہے"۔

اس نام کا لینا تھا کہ اسکے خون کی روانی کے ساتھ خوف دوڑ گیا، ہاتھ پیروں میں سنسنی پیدا ہو گئی، کیونکہ پاٹن بارہ بنکی کا رہنے والا ایک مشہور ظالم قزاق تھا، اور ایک ظلم پیشہ گروہ کا سردار تھا، نہایت قوی ہیکل، تنومند، بہادر اور چالاک تھا، اسکی ڈکیتیاں نفرت سے بھری اور حیرت سے پر ہوتیں، اسنے اپنے گروہ کو مسلح اور باقاعدہ تیار کیا تھا، اور اسکے نام سے اطراف کے اضلاع کے باشندے ہی صرف واقف نہیں تھے بلکہ اس نے پنجاب و بنگال تک اپنی سائی کرلی تھی، کلکتہ میں جملہ سوداگر اس سے خائف رہتے، دہلی کے پنجابی اس کے نام سے گھبراتے، اس گروہ کا اس قدر خوف اور رعب کا سکہ بیٹھا تھا کہ باوجود متواتر ڈکیتیاں اور قتل کی وارداتیں ہونے کی بھی تھانہ یا پولیس میں رپورٹ بہت کم ہوتی، زیادہ تر پاٹن کا قیام لکھنؤ میں رہتا اور یہاں ہی سے وہ اپنی ڈکیتیوں کے مارشل لا کے احکام جاری کرتا، ڈاکخانہ کے ملازم اسکے اشاروں پر کام کرتے، پولیس کے اکثر سپاہی اس سے انعام و اکرام پاتے، اس چشم پوشی نے اسے اور دلیر کر دیا تھا، ہر شہر میں اسکے ایجنٹ موجود رہتے ہر جگہ اس کے جاسوس پائے جاتے جو دم دم کی خبریں اسکو پہنچاتے، موٹر اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے اس کے پاس موجود،

گھوڑے عربی النسل اسکے ویران رہتے۔
مشتاق۔"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
پاٹن۔"جو چاندی کی ڈبیا تمھاری جیب مین ہے وہ مجھے دیدو۔"
مشتاق۔"میری جیب مین تو کوئی ڈبیا نہین ہے"
پاٹن۔"(دھمکا کر) تم جھوٹ کہتے ہو، میرے جاسوس مجھ سے غلط نہین کہتے ہین کیونکہ اپنی موت کا خیال ہر وقت رہتا ہے، اوسنے اپنی آنکھ سے تمھاری جیب مین ڈبیا دیکھی ہے"
مشتاق۔"یہ محض جھوٹ ہے مین نے کوئی ڈبیا نہین رکھی ہے"
پاٹن۔(گرجکر) تم ابھی بچے ہو، تم مجھ سے اچھی طرح واقف نہین ہو، کیا تم اسوقت خواجہ کے مکان سے نہین آرہے ہو، کیا تم بلقیس کے کمرہ مین نہین بیٹھے رہے، کیا تم نے الماری سے کاغذ کا ایک بنڈل اور چاندی کی ایک مطلا نگار ڈبیہ نہین نکالی"
مشتاق۔"(حیرت زدہ ہوکر) تم کو یہ سب باتین کیسے معلوم ہوئین؟"
پاٹن۔"میرا جاسوس وہان پر موجود تھا اور وہ کھڑا دیکھ رہا تھا"
مشتاق۔"وہ کون جاسوس تھا، مین نے وہان کسی غیر آدمی کو نہین دیکھا"
پاٹن۔"وہی ملازم جسکو تم نے چند ہدایات کیے تھے"
مشتاق۔"افسوس، تم اس ڈبیہ کا کیا کروگے"
پاٹن۔"تم کو اس سے بحث نہین، تم مجھے فوراً ڈبیہ دیدو، (گھڑی دیکھکر) پس چار منٹ ہین"
مشتاق۔"مین تو ہرگز نہین دونگا"
پاٹن۔"خوب یاد رکھو کہ مین اپنے حکم کو ٹالنا کبھی بھی گوارا نہین کرسکتا"
مشتاق۔"مین تمھارے حکم کو نہین مانتا"
پاٹن۔"صرف تین منٹ اور قیام کرون، لاؤ ڈبیہ جلدی نکالو"
مشتاق۔"تم بیوقوف ہو، مجکو پستول دکھاکر دھمکاتے ہو، مین تمھارے ڈرانے مین نہین آونگا تم نے بلقیس کو قید کرکے جو ظلم کیا ہے اسکا بدلہ لونگا"
پاٹن۔(گھبراکر) مین نے بلقیس کو قید نہین کیا"
مشتاق۔"قطعی جھوٹ، مجھے خبر مل گئی ہے کہ وہ دکھ زدہ ہزارہ مین گرفتار ہے"
پاٹن۔"اس سے تمھارا کیا منشا ہے"

مشتاق "مین اپنا راز کسی کو نہین بتلاتا، لیکن اتنا کہے دیتا ہون کہ عنقریب اس ہزارہ کا شیرازہ بکھر جائیگا، اور عندلیب اس قفس سے رہائی پائے گی"

پاٹن "افسوس تم کو کسی بیوقوف نے اس نادر مقام کا پتہ دیکر ہلاکت کی جانب روانہ کیا ہنچ اگر تم ایسا کروگے تو پچھتاؤ گے"

مشتاق "دکیونکر؟"

پاٹن "میرا مقابلہ کرنا ہاتھیون سے گنے کھانا ہے"

مشتاق "دھنکر، ہر فرعونے را موسیٰ تم کو غرور نکرنا چاہیے"

پاٹن "نیر وقت پر دیکھا جائیگا، لاؤ اسوقت ڈبیہ تو دو"

مشتاق "یہ بچون کی گفتگو ہے"

پاٹن (غضبناک ہوکر) "تم مجھے بچہ بناتے ہو"

مشتاق ۔(اسی لہجہ مین) بیشک، تم ایک کمزور لڑکے سے بھی بدتر ہو۔

پاٹن "اچھا، دیکھو میری کمزوری" یہ کہکر پستول کا گھوڑا دبا دیا، دنا ٹا ہوا اور کمرہ مین بارود گندھک کی بو پھیل گئی، جس کے ساتھ ہی ایک طرف تو مشتاق بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا اور دوسری طرف پاٹن، مگر مشتاق کی بیہوشی محض خوف کی زیادتی سے ہوئی تھی ورنہ اسپر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی تھی جو جب پاٹن بیہوش ہوکر گرا تو جاتی رہی وہ جلدی سے آگے بڑھا اور دروازہ کی چٹخنی کھولدی، اور پھر پاٹن کا فرغل ہٹا کر اسکے کوٹ کی جیبون کو ٹٹولا، مگر امین سوائے چند روپیون کے اور کچھ نہین نکلا، البتہ فرغل کی جیب مین ایک ریشمی رومال تھا، جسپر سنہرے ڈورے سے نہایت خوبصورت کام کڑھا ہوا تھا، اسنے اس رومال کو جیب مین رکھ لیا، اور دروازہ کھولکر دور سے ملازم کو آواز دی، مگر اس عرصہ مین پاٹن بھی ہوشیار ہوگیا، مشتاق نے اسکے ہاتھ پیر بھی اپنے رومال سے باندھ دیے تھے اور ارادہ تھا کہ ملازم کی مدد سے اسکو اچھی طرح مقید کرکے پولیس چوکی پہنچا دے، ناتجربہ کار تھا، اور نیز ان اصول سے واقف نہ تھا، یہان جبتک ملازم آئے وہ اٹھ بیٹھا اور ایک جھٹکا دیکر پیرون کی بندش توڑ دی، بھلا جس شخص کے روبرو ہتکڑیان بیڑیان کچھ اصل نہ رکھتی ہون وہ ان معمولی کپڑے کی بندشون کو کب خیال مین لاتا، شیر کی طرح تڑپ کر اٹھا اور پستول کو دیکھا وہ مشتاق کے ہاتھ مین فوراً ایک پوشیدہ مقام سے جسکو مشتاق کی نظرین نہ دیکھ سکی تھین ایک چمکتی تلوار نکالی، اور چاہتا تھا

کو وار کرے کہ مشتاق نے ایک جست کی اور پیچھے کو ہٹ گیا اور تلوار لازم پر جو دور جاکر درمیان میں آگیا تھا، پڑی وہ توہاے کہکر زمین پر گرا اُدھر تو مشتاق نے پستول کا فیر کر دیا، پاٹن لے نشانہ خالی دیا آدمی کی چیخ، پستولوں کے چلنے کی آواز جو ہوئی تو چاروں طرف سے آدمی دوڑ پڑے، اور باغ میں گھس آئے، پاٹن نے مشتاق کو دانت کٹکٹا کر دیکھا اور یہ کہکر "دیکھا جائیگا" عشق پیچاں کی بیل میں گھس گیا، مشتاق اسکی اس حرکت پر بہت ہنسا، اور یہ سمجھکر کہ وہ عنقریب اسکو گرفتار کر لیگا، وہ آگے بڑھا، لیکن اسپر نشہ سوار تھا اور وہ بیہوش ہو رہا تھا، آدمی جو باغ میں گھس آئے تھے انھوں نے یہ معرکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مشتاق نے کسی پر پستول داغدیا اور وہ آدمی عشق پیچاں میں غائب ہو گیا اور اسطرف مشتاق بیہوش ہو گیا کچھ تو جھپٹ کر عشق پیچاں کی جھاڑی میں آئے مگر وہ کچھ نہ تھا اور چند آدمیوں نے مشتاق پر پانی چھڑکا، جب اُسے ہوش آیا تو اُسے پاٹن کو دریافت کیا، لیکن یہ معلوم کر کے کہ وہ جھاڑی سے غائب ہو گیا اسکو حیرت ہو گئی۔

تھانہ وزیر گنج پر اطلاع دی گئی، سب انسپکٹر نیاز الحسن تحقیقات کو آئے، مشتاق کا بیان سنکر باغ کا چپہ چپہ ڈھونڈھ ڈالا، لیکن کچھ پتہ نہ چلا، مقتول کی لاش، ریوالور اور کارتوس ڈاکٹری معائنہ کو روانہ کیے گئے، نیاز الحسن صاحب اس تھانہ میں نئے تبدیل ہو کر آئے تھے اور افسر انچارج اسٹیشن تھے، مرد جہاندیدہ اور نامی گرامی سراغرسانوں میں تھے، پاٹن کے ظلم کی داستانیں بہت سنی تھیں، لیکن کبھی تحقیقات کرنے کا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا، اس مقدمہ کا ہاتھ میں آنا تھا کہ انھوں نے اپنی پوری توجہ اس طرف مبذول کر دی،

باب (۶)

جسوقت مس صاحبہ عالیشان کوٹھی کی سب سے اوپر کی منزل پر پہونچیں تو انکو معلوم ہوا کہ یہ منزل اسقدر اونچی ہے کہ دریا کی سطح صاف نظر آ رہی ہے، وہ جلدی سے ایک کمرہ میں داخل ہو گئیں جس کے دروازہ کو اُسکے ساتھیوں نے کھولا تھا، وہ دونوں بھی کمرہ میں آ گئے اور ان میں سے ایک نے کہا "مس برکت، برقعہ اُتار ڈالیے"

مگر میم صاحبہ نے برقعہ سے ہاتھ نکال کر ایک رومال نکالا اور اسکو ہوا مین زور سے جھٹکا دیا
طویل القامت ساتھی کرسی سے اٹھکر قریب آیا اور پوچھا کیا ہے؟" میم صاحبہ نے رومال اسکے
منہ پر ڈالدیا اور وہ ہائے کہکر زمین پر گر پڑا، اب میم صاحبہ نے برقعہ اتار کر پھینکدیا اور جست
لگا کر دروازہ کے قریب پشت کرکے کھڑی ہوگئین، دوسرا آدمی پہلے تو حیرت سے کھڑا رہا پھر وہ
مس صاحبہ پر جھپٹا، لیکن مس صاحبہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"اگر تم نے ایک انچ قدم بڑھایا تو گولی تمھارے سر کو توڑ ڈالیگی"

اس آدمی نے بھی اپنی جیب مین ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا، اور نہایت غضبناک
لہجہ مین کہا۔

"تم کون ہو، اور مس برکت کہان ہین؟"

"مجکو خبر نہین، مگر مین تمھاری گرفتاری کو آئی ہون"

(ہنسکر) استغفراللہ، کیا تم یہ نہین دیکھ رہی ہو کہ مین بھی تمھاری طرح مسلح ہون۔ اور
تم کو ترکی بترکی جواب دینے کو تیار ہون"

"مجھے تمھارے پستول سے کچھ خوف نہین ہے، اسواسطے کہ تم بزدل ہو اور مرد ہوکر ایک
عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہو"

"مگر جو عورت ایک کے بجاے دو مردون کی قاتل ہو اسپر ہاتھ اٹھانا جائز ہو"

"تم لغو کہتے ہو، مین نے صرف دھمکی سے کام لیا ہے"

"یہ دھمکی تم کیون دیتی ہو؟"

"تاکہ ظالمون کو انکے کرتوت کی کافی سزا ملے"

اتنے مین ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور وہ آدمی ٹیلیفون کی طرف جانے لگا، مس صاحبہ
نے ڈانٹ کر کہا، "خبردار، مین حکم دیتی ہون کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹو"

اس آدمی کو غصہ آیا اور گھبرا کر پستول داغدیا، مگر مس صاحبہ بجلی کی مانند تڑپ گئین
اور اپنے پستول کا بھی فیر کردیا کمرہ مین دھوان پھیل گیا اور آدمی دھم سے فرش پر گر پڑا، اب
اسنے نہایت پھرتی سے اپنی جیب سے ریشم کی ڈوریان نکال کر ہاتھ پیر نہایت مضبوطی سے
باندھ دیے، اتنے مین ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بجی، وہ اطمینان سے ٹیلیفون کے قریب گئی اور آلۂ
گفتگو اٹھا کر پوچھا "بولو"

کان مین لگاکر۔۔۔۔ ہان" "ابھی آدھ گھنٹہ ہوا ہے"
"مین نیا ملازم ہون"
"دونون صاحب ابھی کمرہ مین موجود تھے"
"ڈلرنی اسکوائر گئے ہین"
"تو صرف اتنا کہدون کہ میم صاحبہ کو گرفتار کرلین"
"مگر آپ کس جگہ سے ٹیلیفون دے رہے ہین؟"
"(جھلاکر) لکھنؤ) بہت اچھا، میم صاحبہ اب کمرہ سے باہر نہین نکل سکتین۔
ٹیلیفون پر گفتگو ختم کرکے وہ نہایت اطمینان سے پلنگ پر بیٹھی اور پورٹ منیٹو کھول کر اسمین سے نوٹ بک نکالی اور اسکو دیکھنا شروع کیا، کچھ مسکراہٹ آگئی، خود ہی کہنے لگی "خوب میرا مقابلہ یاٹن جی سے ہے، لیکن یاد وہی تو کرین گے، مین نے بھی خوب دھوکہ دیا، میم صاحبہ کو گرفتار کرکے کلکتہ بہنچا، شاید وہ میم صاحبہ کی خبر کو پہنچا ہوگا اور ان کو بیہوش پاکر اصل معاملہ سے مطلع ہوگیا ہوگا، اونہہ مجھے کیا، مجھے جس چیز کی ضرورت تھی وہ مین پاگیا، یعنی یہ کہ یاٹن میرے والدین کا قاتل، اور میرے کنبہ کی تباہی کا باعث ہے، لیکن اتنو پر! وہ بھی قیامت کا پتلہ ہے، سرنگ کے اندر پہچان لیا، کم بخت کو کیسے خبر ہوگئی، یہان کلکتہ تک ظالم نے ٹیلیفون لگا رکھا ہے، اگر مین ان لوگون کو اپنی چالاکی سے بیہوش نکردیتا تو یقیناً مجھے گرفتار کرلیتے اور پھر قتل کرڈالتے، خیر اب مجھے اپنا کام کرنا چاہیے میم صاحبہ کی نوٹ بک مین سوائے چند باتون کے اور کچھ نہین معلوم ہوسکا، ٹیلیفون کے آنے سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ اب وہ میری مان کو یہان نہین روانہ کرے گا، اب مجھے کیا کرنا چاہیے، اپنا کام، ہان پہلے اس کمرہ کی تلاشی لون، اور اگر کوئی مشتبہ شئے برآمد ہوجائے تو ان کمبختون کو تو گرفتار کرادون، پھر یہان دو چار روز رہکر لکھنؤ روانہ ہون، اس دوران مین مجھے اپنے مامون سے بھی ملاقات کرنا چاہیے۔"
وہ پلنگ سے کمرہ کی ہر چیز کو دیکھنے لگا، کپڑے، برتن، کتابین، خطوط" ہان یہ کام کی چیز ہے" خطون کا بنڈل جیب مین رکھا، یہ۔۔۔۔۔۔ اونہہ سب فضول چیزین ہین، مگر یہ دروازہ کس طرف کا ہے، اسکو کھولا تو ایک دوسرا کمرہ تھا، اندر داخل ہوا، صندوق رکھا تھا مگر نہ قفل نہ کنجی، نہ ڈھکنا کھلنے کی کوئی علامت اور نہ خود ڈھکنے کا نشان، تمام کمرہ مین صرف یہی ایک

صندوق، یہ ضرور کچھ نہ کچھ بھید ہے، اسکو دریافت کرنا چاہیئے، مگر اسکو کسطرح کھولنا چاہیئے، پستول کے ذریعہ سے، ہان یہ ٹھیک ہے، مجھے کیا ضرورت ہے کہ مین اسکی ترکیبون کو ڈھونڈتا پھرون، وقت تنگ اور کام زیادہ ہے، لیکن میرے پاس تو مصنوعی بیہوشی کے کارتوس ہین، دو ادہو، ان کم بختون کے پاس ہونگے۔ وہ یہ کہکر پھر واپس آیا اور بیہوش آدمیون کی جیبین ٹٹولین، ایک کی جیب سے چار کارتوس برآمد ہوے، جلدی سے پستول مین چڑھا، صندوق کے تختہ پر داغدیا، ایک دناٹا ہوا اور صندوق مین سوراخ ہوگیا، اب جو انگلیان ڈال کر دیکھا تو لوہے کا صندوق تھا، حیرت ہوگئی، اور مایوسی آگئی، کمرہ دیوارون کو دیکھا فرش کو دیکھا کہین بھی کچھ علامت کسی قسم کی بھی نہ پائی، آخر تھک کر بیٹھ رہا، پھر کچھ خیال آیا، دروازہ کے قریب آیا اور کواڑ کے پٹ کھولے بند کئے، صندوق کو بھی حرکت ہونے لگی، جیون ہی پورے پٹ بند کر دئے، صندوق کھل گیا، اس چالاکی پر عش عش کرنے لگا، دروازہ مضبوطی سے بند کرکے صندوق کے پاس آیا، برقی لمپ جیب سے نکالکر اندر دار کو جو دیکھا تو ایک کنوان نظر آیا، جسمین لوہے کے چند تار پڑے تھے، اوہو یہ ٹیلیفون کے تار ہین، مین ان کو کاٹ دیتا مگر نہین پہلے تحقیق کرنا چاہیے، اُسنے تار پکڑ کر کھینچا تو معلوم ہوا کہ اسمین کوئی بھاری چیز بندھی اور جو اوپر کو اُٹھتی ہے، اُسنے ذرا فراست سے کام لیا اور صندوق کی دیوارون کی درازون کو ٹٹول کر دیکھا، ایک مقام پر ایک چھوٹا سا اسٹیل کا دستہ لگا تھا، اسکو پکڑ کر گھمانا شروع کیا، تار اوپر کو کھنچنے لگے، یہانتک کہ تار لپٹ گئے اور ایک چھوٹی سی چوکی نمودار ہوئی، اُسنے اپنا ساز و سامان درست کیا، پستول مین کارتوس لگایا اور بسم اللہ کہکر چوکی پر بیٹھ گیا، چوکی مین بھی اُسی قسم کا ایک دستہ لگا تھا، جس کو گھمانے سے چوکی نیچے اترنے لگی اور ہوتے ہوتے وہ زمین کی تہ مین پہونچ گئی، یہان پہ کنوان چوڑا ہوگیا تھا اور سامنے ایک کھڑکی تھی، وہ چوکی سے اتر کر کھڑکی مین داخل ہوگیا، اب وہ ایک کشادہ مکان مین تھا، جسمین آدمیون کے رہنے کے علامات پائے جاتے تھے، جیسے ہی اُسنے صحن مین قدم رکھا، دالان سے دو عورتین مسکراتی ہوئین اسکے قریب آئین اور کہا۔

”آپ ہی لکھنؤ سے بیمار کے علاج کیواسطے تشریف لائی ہین“

تنویر نے دیکھا کہ یہ مجھ پر مس صاحبہ کا دھوکہ کھا رہی ہین اور انھون نے اصلی مس پیرکت کو نہین دیکھا ہے، فوراً پُر اطمینان لہجہ مین جواب دیا، ”ہان، بیمار کہان ہے“

دونون عورتین مسکراتی ہوئین آگے بڑہین اور ایک کمرہ کی طرف جسکا دروازہ بند تھا، اشارہ کیا تنویر نے دروازہ کھولا، کمرہ کے اندر ایک مسہری پر کوئی سر سے پیر تک چادر اوڑھے لیٹا تھا، تنویر کمرہ مین داخل ہو کر مریض کے بستر کے قریب پہنچا ہوگا کہ دروازہ بند ہو گیا، باہر سے قفل لگانے کی آواز آئی، مریض کی طرف پلٹا تو آواز آئی "میان تنویر شاباش عیاری اسی کا نام ہے!"

باب (۷)

ڈیوڑھی آغا میر کے چوراہے پر بائین جانب ایک بلندی پر آصف منزل تعمیر تھی، جسمین عالیجناب ہز ہائنس ملکہ جہان صاحبہ مرحومہ انار اللہ برہانہ کے معتمد خاص نواب رہا کرتے تھے، لکھنؤ کا تغیر عظیم مشاہدہ کرنے والے حضرات اور تاریخ شاہان اودھ کے مطالعہ کرنے والے ناظرین خوب واقف ہین کہ جس مقام پر آج ٹریننگ کالج اور جوبلی کالج بنے ہین، اس جگہ کبھی امرا کے محلات تھے اور کسی زمانہ مین یہان بادشاہ امجد علی شاہ قدس سرہٗ کی بیگمات مع اپنی پری چہرہ حکیم و وزیر زادیون اور حور لقاء خواصون کے گلگشت فرمایا کرتی تھین یہی بارہ دری جسمین آج طلبا دھما چوکڑی مچاتے ہین، اپنے زمانہ شباب مین نئی نویلی دلہن کیطرح سجی ہوئی ملکہ جہان کی نشست گاہ تھی اور جس کے گرد امرا اور متعلقین کے مکانات ستارون کی مانند درخشان تھے، آج گردش فلک نے ان کی بیخ و بن کو ہلا کر سطح زمین سے ملا دیا اور ایسا تباہ و برباد کیا کہ نشان تک ڈھونڈے نہین ملتا، آصف منزل بھی ان ہی عمارات مین ایک چھوٹی سی کوٹھی تھی اور جب کہ [illegible] عروج پر دیکھ کر سپہر [illegible] نے باہمہ گردون سے نواب [illegible] کا پتھر گرا کر خاک مین ملا دیا، ایک ٹیلہ ہو گیا اور کوٹھی کا نشان تک غائب، کچھ زمین پر [illegible] نکل گئی، کچھ سڑک مین دب گئی، باقی حصہ پر میان سید رضا احمد صاحب [illegible] نے اپنا مکان تعمیر کرا لیا، مکان کی پشت پر ایک باغ بھی تھا جس کے گرد ۳ گز اونچی دیوار کھنچی تھی [illegible] کو پاٹن غائب ہوا تھا، اسی کے دوسرے دن مشتاق احمد عشقی میان کی بیل صاف کروا رہا تھا، جب بیل کٹ کر صاف ہو گئی تو اسی مقام پر کچھ صورت واقعہ پر غور کرنے لگا "پاٹن اسی مقام

غائب ہوا ہے، کیونکہ اگر وہ دیوار پھاندتا تو یقیناً کوئی اسکو ضرور دیکھتا، باغ کے دروازہ پر آدمیون کا ہجوم تھا، اُدھر سے وہ گیا نہین، پھر فوراً ہی تلاش ہونے لگی جستجو مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین ہوا، سب انسپکٹر صاحب نے اچھی طرح جستجو کی، باغ کا کونہ کونہ، چپہ چپہ دیکھ ڈالا، پھر کم بخت کہان غائب ہوگیا" ابھی وہ اسی خیال مین بیٹھا تھا کہ نیاز الحسن صاحب ایک معمولی لباس پہنے تشریف لائے، مشتاق نے پہلے تو نہ پہچانا، لیکن جب آواز سنی تو کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا،

"جناب کیسے تشریف لائے"

"بھائی، کیا کہون، آج دو دن سے اسی کی تلاش مین تھا"

"پھر کچھ پتہ چلا"

"ہان صرف اسقدر معلوم ہوا ہے کہ وہ اکثر لچھمی کے یہان آیا جاتا کرتا ہے"

"یہ لچھمی کون ہے؟"

"گھسیاری منڈی مین رہتی ہے، ایک آوارہ اور بدقماش عورت ہے"

"آپ وہان تشریف لیگئے تھے"

"ابھی وہین سے آرہا ہون، مگر کچھ ٹھیک پتہ نہین معلوم ہوا"

نیاز الحسن "آپ یہان بیٹھے کیا کر رہے تھے"

مشتاق "مین بھی اسی مسئلہ پر غور کر رہا تھا"

نیاز "پھر کچھ نتیجہ نکالا"

مشتاق "بہت کچھ، اول تو مین نے خواجہ صاحب کی چوری پر غور کیا، مین نے اس مکان کو خود دیکھا اور ہر چیز جو مشتبہ نظر آئی تھی نظر مین ڈالین، کتابون کی چوری اور کتابین بھی صرف شاہان اودھ کی سوانح عمریان اسمین ضرور کچھ نہ کچھ راز ہے، وہ راز صرف یہی ہوسکتا ہے کہ اب اسنے رعایا کیساتھ مظالم کرنے والے بادشاہون کی روح کو ستانا شروع کیا ہے، آپ نے شاید سنا ہو کہ ایک زمانہ مین لکھنؤ مین شاہی خزانہ تلاش کرنے کی فکر لوگون کو لاحق تھی، اور بہت سے بفکرون نے تو یہ افواہ اڑادی تھی کہ درگاہ کی طرف اتیلچ خان کے میدان مین دیگ بولا کرتی ہے، یا اُن کو بھی خزانہ تلاش کرنے کی دھن ہے، اور میرے قیاس کو اسوجہ سے اور تقویت ہوتی ہے کہ جس نے خواجہ مرحوم سے کے بیان چھیڑا کی کیونکہ نواب ممتاز جہان بیگم ملکہ جہان کی خاص پر نواسی تھین اور قران کے شاہی

کی بہت سی نایاب چیزون کا ذخیرہ موجود تھا، خیر، بلقیس کی گرفتاری میرے قیاس کے مدلل ہونے کا بین ثبوت ہے کیونکہ گھر بھر مین صرف بلقیس ہی تھی جوان تمام چیزون پر قابض تھی، غرضکہ خواجہ مرحوم کے یہان کے واقعات اس امر پر شاہد ہین کہ باٹن کو ضرور کسی نہ کسی پوشیدہ خزانہ کی تلاش ہے اور شاید اس خزانہ کی تکمیل اس ڈبیا پر منحصر ہے جو مجھ کو بلقیس کے کمرہ مین ملی اور جو بلقیس کی گرفتاری کا باعث ہوئی، اب رہا اسکا یہان سے غائب ہو جانا یہ بھی بہت آسان امر ہے کیونکہ کل مجھے اباجان کی زبانی معلوم ہوا کہ پہلے یہان آصف منزل تعمیر تھی اور رجو ملکہ جہان کے یہان کے خزانہ دار تھے، بلکہ کل ہی کاروبار ؤن کے ہاتھ مین تھا، وہ اسی محل مین رہا کرتے تھے، ایسی حالت مین ضرور اس جگہ کوئی تہ خانہ یا سرنگ ہے جو باٹن کو معلوم ہے اور ہم اس سے ناواقف ہین، مین اتنی دیر سے یہی سوچ رہا تھا اور اس زمین کو دیکھ رہا تھا۔"

نیاز الحسن"قسم خدا کی آپ کا خیال بالکل درست ہے"

مشتاق"اچھا آپ تو چھمی کے یہان پتہ لگائیے، اور مین اس جگہ سرنگ دریافت کرتا ہون

نیاز"بہتر ہے لیکن آپ کو یہ معلوم ہے کہ تموز پرشکوہ کہان ہے؟"

مشتاق" مجھے صرف اسی قدر علم کہ وہ گھر بار والد صاحب کے سپرد کرکے اپنی بہن کی تلاش مین کہین چلدیا ہے"

نیاز" بھلا بارہ برس کی جان، وہ کیا دریافت کرے گا"

مشتاق"اجی وہ بلاے بید رمان ہے، اسکے سن پر نہ جائیگا، خوب یاد رکھئے کہ اس کامیابی کا سہرا اسی کے سر رہیگا، یہ دونون بہن بھائی قیامت کے بنے ہوے ہین"

نیاز"اچھا اب مین جاتا ہون، لیکن مشتاق احمد صاحب آجکل بہت ہوشیار رہا کیجیے، کیونکہ ڈبیہ ابھی تک آپ کے قبضہ مین ہے اور باٹن اسکی فکر مین گھوم رہا ہے"

مشتاق" اجی اب مین اپنے سایہ تک سے بھڑکتا ہون"

نیاز" ذرا لاؤ تو مین بھی تو اس ڈبیا کو دیکھون، آخر اسمین بھی کیا بات ہے"

مشتاق" خدا معلوم، کم بخت کھلتی ہی نہین ہے"

یہ کہکر اونسے قمیص کے اندر ہاتھ ڈالا اور ایک موٹی سی برج کی واسکٹ کی جو رجیب سے ڈبیا نکالی اور نیاز الحسن کو دیدی، نیاز الحسن کرسی سے اوٹھکر ڈبیہ کو دیکھنے مین مصروف ہوا

کہ مشتاق احمد نے قمیض کی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور نیاز الحسن کی طرف داغ دیا، دنا ٹا ہوا اور دھواں چاروں طرف پھیل گیا، نیاز الحسن ارے کہکر دھم سے گر پڑا، اور بیہوش ہوگیا، مشتاق نے فوراً ملازم کو آواز دی اور نیاز الحسن کے ہاتھ پیر مضبوط باندھ لیے، ڈبیہ ہاتھ سے لے لی، اور جیب میں رکھ لی، ایک نوکر پولیس چوکی پر دوڑایا کہ داروغہ یا ہیڈ کو بلا لاوے، جب ہر طرح اطمینان کر چکا تو نیاز الحسن کے منھ پر پانی کے چھینٹے دیے، نیاز الحسن نے گھبرا کر آنکھ کھولدی،

مشتاق "(ہنسکر) کہو حضرت، کیسے پھنسے!"

نیاز "اجی تم نے یہ کیا کیا، میرے ہاتھ پیر تو کھولدو"

مشتاق "ہاتھ پیر کھولنے کی ایک ہی کہی، اب میں تمھیں حوالات بھیجنے کی فکر میں ہوں"

نیاز "آخر تم نے مجھے کس جرم پر قید کیا"

مشتاق "اجی اب زیادہ باتیں نہ بنائیے، آپ اپنا حال صاف صاف بتا دیجیے"

نیاز "میں حال کیا بتاؤں، کیا تمھیں نہیں معلوم ہے، کہ میں سب انسپکٹر ہوں"

مشتاق "سب انسپکٹری بھی خوب کہی یہ نہ کہو کہ پاٹن کے یہاں کے چھوکرے ہو"

نیاز "(آنکھیں نکالکر) خیر اب تو میں پھنس گیا، مگر تم اپنی بھی خیر نہ سمجھو اگر میرے دم میں دم ہے تو چوبیس گھنٹے کے اندر اس کا انتقام لیلوں گا"

مشتاق "بشرطیکہ تم شیر کے پنجے سے رہا ہو جاؤ"

نیاز "اونہہ گرفتار ہونا تو ہم لوگوں کا شیوہ ہے ہمیشہ گرفتار ہوے اور پھر رہا ہو گئے"

مشتاق "مگر یار نہ کہو گے کہ کیسا پہچانا، پیشتر تو تمھاری شکل ہی سے دھوکہ ہوا تھا، پھر تم نے لچھی کے بیان کا قصہ گڑھکر میرے شکوک دور کرنا چاہے مگر یار تمھارا ڈبیہ مانگنا ستم ہو گیا اگر تم ڈبیا نہ مانگتے اور خاموش چلے جاتے تو میں تو دھوکہ کھا گیا تھا"

نیاز "اجی مجھے ذرا بھی پروا نہیں ہے"

مشتاق "تم پاٹن کے کون ہو، اب تو صاف صاف کہدو، چھپانے سے کیا فائدہ؟"

نیاز "ہاں، جب میری تمھاری چھڑ گئی ہے تو نام پوشیدہ رکھنے سے کیا فائدہ، سچ ہے سنو میرا نام شیخ اسمٰعیل ہے اور میں پاٹن کا معتمد علیہ ہوں، بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں بتا سکتا"

مشتاق "میرے لیے اسی قدر کافی ہے"

پولس چوکی سے ہیڈ کانسٹبل معہ دو کانسٹبلون کے آموجود ہوئے اور اسمٰعیل کو ہتکڑیان پہنا کر تھانہ لیگئے، جہان سے داروغہ نیاز الحسن صاحب نے فی الفور اسکا چالان عدالت بالا کو کردیا بعد تحقیقات معلوم ہوا کہ وہ ایک زبردست ملزم کی حیثیت رکھتا ہے اور ضلع جالون سے دفعہ ۴۲۰ کا ارتکاب کرکے حوالات سے بھاگا پھر کانپور سے ۳۶۸ کا جرم کرکے سزایاب ہوا مگر جیلخانہ سے بھاگا، آگرہ مین اُسنے ڈکیتیون کی دھوم مچادی تھی اور مختلف قتل کا مرتکب ہوا، صاحب جج بہادر نے ۷ سال قید سخت اور ۳ سال کی کال کوٹھری کی سزا دی۔

اس ملزم اور مشہور ڈاکو کی گرفتاری پر ڈپٹی کمشنر کی سفارش پر لوکل گورنمنٹ نے مشتاق احمد کو ایک پستول سے مستثنیٰ کردیا اور مبلغ ۵۰۰ روپیہ انعام ملا، جو مشتاق احمد نے حلقہ کے کانسٹبلون اور سب انسپکٹر صاحبان کو دیدیا، اس دوران مین اُسے کئی مرتبہ پارٹی کی جانب سے دھمکی آمیز خطوط ملے لیکن اس نے کسی دھمکی کی پرواہ نہ کی اور اپنا کام کرتا رہا، جو آیندہ ظاہر ہوگا،

باب (۸)

زندان بلا

قفس مین مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

آنکھین بند کیجیے، سر جھکائیے، خیال کا جن بازو پکڑ کر ایک ایسے باغ مین لیگیا جس کے اندر داخل ہونیکا راستہ معلوم نہین، کہنے کو یہ باغ ہے، اور اجڑے ہوے چمن کے آثار بھی موجود ہین لیکن حقیقت مین یہ بیکسی کی چار دیواری سے گھرا ہوا ایک وحشت کدہ ہے جس کے وسط مین ایک پتھر کی چھوٹی سی عمارت بنی ہے، یہ مکان ہشت پہلو ہے اور ہر پہلو ایک کمرہ ہے، درمیان مین ایک وسیع ہال تھا، جس کے اندر کیا تھا، ابھی نہین معلوم، ہم کو ہمارا خیال انھین آنکھ کردن

مین سے ایک کمرہ مین لے گیا، جو نہایت ہی آراستہ پیراستہ تھا جس کے فرش کا ایرانی قالین بقدر نرم اور موٹا تھا کہ پیر اسکے اندر دھنستے تھے، اس کمرہ مین ایک چھپر کھٹ پڑا تھا اسکے پردے اطلس کے تھے، اور مقیش و بادلہ کی جھالرین چارون طرف لٹک رہی تھین، چھپر کھٹ کے قریب نہایت نفیس اور اعلیٰ قسم کے پتھر کی ایک میز بچھی تھی، جس پر دو تین بوتلین مئے ارغوانی کی اور چند بلوری گلاس رکھے تھے، کھڑکی کے قریب دیوار پر سونے کی کھونٹیون پر لباس فاخرہ لٹکا تھا اور اس کے پاس ہی تلوارین خنجر اور نیزے لٹک رہے تھے اندر گوشے مین ایک دوسری میز رکھی تھی جسپر حلب کا آئینہ مطلا چوکھٹے مین جڑا ہوا رکھا تھا اور بالون کی آرائش کرنے کا سامان اسکے نیچے تھا، اس کمرہ مین دو کھڑکیان اور ایک دروازہ تھا، دروازہ تو عمارت کے اندر وا رکو تھا اور کھڑکیون مین سے ایک کھڑکی زمین سے ایک گز اور دوسری ۲ گز بلند تھی، یہ دونون کھڑکیان بند رہا کرتین اور انمین سیاہ مخمل کے پردے لٹکے رہتے، اسوقت ایک خوبصورت ہاتھ پیرون کا قوی الجثہ چالیس سال کا آدمی شکاری لباس پہنے کمرہ مین داخل ہوا اور لاپرواہی سے چھپر کھٹ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا، پہلے تو اُسنے مئے ارغوانی کا ایک جام چڑھایا پھر زور سے "وبنچی" کہکر پکارا، فوراً ایک سپاہی وضع آدمی حضور کہتا ہوا کمرہ مین آیا۔

"جاؤ اور ستم شعار سرکش لڑکی کو لاؤ"

پندرہ منٹ کے وقفہ کے بعد ایک نحیف و لاغر زرد رو لڑکی، ہتھکڑیان بیڑیان پہنے دو سپاہیون کے حلقہ مین مقید، اس آدمی کے روبرو لائی گئی،

"بلقیس! تم کو معلوم ہے کہ تمھارے ساتھ ایسا برتاؤ کیون کیا گیا"

بلقیس "مجھے نہین خبر ہے"

سردار "تمنے اپنی آزادی کی قدر نہ کی، بلکہ میری جان لینے کے درپے ہوئین"

بلقیس "وہ کسطرح ؟"

سردار "تمنے میرے کارتوس بدل لئے، اور بہیدہ تنی کے کارتوس میری جیب اور پیٹی مین رکھدیئے تم نے ایک رومال کاڑھکر میری جیب مین رکھدیا، اور یہ وہ ترکیبین جن سے مین ڈبیا لینے مین ناکامیاب رہا، مشتاق کا کل حال معلوم ہو گیا"

بلقیس "(ہنسکر) یہ تو مین خدا سے چاہتی تھی"

سردار "لیکن تم کو یہ خبر نہین تھی کہ اس کام کا انجام برا ہے"

بلقیس "مجکو اپنے انجام کا خیال نہین ہے، مجھے تو صرف یہ فکر ہے کہ تو گرفتار ہو جا"
سردار "(اکڑ کر) بد تہذیب لڑکی۔
بلقیس" (غصہ سے لرز کر) ظالم بد معاش۔
سردار" افسوس، تیرے شباب پر رحم آتا ہے، ورنہ ان لفظون کی معقول سزا ملتی"
بلقیس "مین تیرے رحم کی خواستگار نہین ہون"
سردار" مجھے بھی اب رحم کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے، مین نے آج فیصلہ کرنے کی غرض سے تم کو بلایا، جو مین کہون اسکا صاف صاف جواب دو"
بلقیس" افسوس مین تجکو اس قابل ہی نہین سمجھتی کہ کسی معاملہ پر تجھ سے گفتگو کرون، تو نے میرے باپ کو بے خطا قتل کیا، میری مان کو خدا معلوم کہان پہنچایا، میرا آباد گھر تباہ کر دیا، اب مجھ سے گفتگو کرے گا"
سردار" تمھارا باپ خود اپنے قتل کا باعث ہوا، اگر وہ کتابین دیدیتا تو یہ نوبت نہ آتی"
بلقیس" تو جھوٹا اور مکار ہے، تو نے میرے باپ کو محض اس الزام پر مارا کہ وہ اس مکان کی اصلیت سے واقف تھا اور اسکو اس خزانہ کا خفیہ راستہ معلوم تھا"
سردار" (گھبرا کر) تم کو ان باتون کا کیسے علم ہوا"
بلقیس" مجکو فرشتے بتا گئے"
سردار" تم لوگ بہت سرکش اور منہ زور ہو"
بلقیس" مگر تیری طرح ظالم اور خونی نہین ہین"
سردار" خیر، یہ معلوم ہو جائیگا، اب مین یہ پوچھتا ہون کہ تم مشتاق کو خط لکھو گی"
بلقیس" ہرگز نہین، ہرگز نہین"
سردار" مین تم کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرون گا"
بلقیس" مجھے اپنی موت کی پرواہ نہین ہے، مگر یہ نہین چاہتی کہ میری وجہ سے کوئی برباد ہو"
سردار" کون برباد ہو گا"
بلقیس" (زور سے) ملکہ جہان کا خاندان"
سردار" (زانو پر ہاتھ مار کر) ہاے ان کم بختون کو سب حال معلوم ہو گیا"

بلقیس "خوب یاد رکھ کر ظالم کی رسی دراز ہے لیکن اسکی سزا ضرور ہے اور عذاب الیم کے ساتھ"
سردار "(نرم ہو کر) بلقیس اپنی جوانی پر رحم کرو"
بلقیس "(چونک کر) تو ایک بیکس، مظلوم قیدی پر رحم کر جسکو تو نے عمر بھر قیدخانہ میں رکھا ہے"
سردار "(کھڑے ہو کر) تمھارا منشا کس شخص سے ہے"
بلقیس "(پیچھے ہٹ کر) شہزادہ دارا جاہ سے"
سردار "اف" وہ کمرہ میں بیتابی سے ٹہلنے لگا، اسکے جوش کی عجیب حالت تھی، کبھی وہ اپنا کوٹ اتارتا، کبھی وہ پیروں کو زمین پر دے مارتا، گاہے تلوار کی طرف بڑھتا، اور گاہے بلقیس کو خونی نظروں سے دیکھتا، پھر وہ مٹھیاں باندھے ہوے بلقیس کی طرف جھپٹا اور کہا "تم بیوقوف ہو، تم جھوٹی ہو"
بلقیس "(لرز کر، مگر اطمینان سے) "وہ اسکا خدا عالم الغیب ہے"
سردار "اچھا تم بتاؤ کہ تم کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں"
بلقیس "اگر میں یہ کہدوں تو گویا دیدۂ دانستہ ایک بیگناہ شخص کا خون اپنی گردن پر لوں"
سردار "(دانت کٹکٹا کر، سپاہیوں سے) اس بدبخت لڑکی کو زندان بلا میں لیجاؤ"
بلقیس "(کانپ کر) خدا کیواسطے رحم کر، اتنا ظلم نکر"
سردار "نہیں، لیجاؤ، میری نظروں سے دور دور کرو، لیجاؤ"
سپاہی کشاں کشاں بلقیس کو کمرہ سے باہر لیگئے، سردار کچھ دیر تو خاموش کھڑا رہا، پھر خود جوش میں بکنے لگا "یہ لڑکی قیامت کا پرکالہ ہے، میں ایسا نہیں سمجھتا تھا، کمبخت کو دو ہفتہ کی آزادی دنیا قیامت ہو گیا، وہ یہاں کے تمام رازوں سے واقف ہو گئی، افسوس، اب مجھے کیا کرنا چاہیے، اسمٰعیل بڑے دعوی سے گیا تھا، وہ بھی ناکامیاب رہا، ہائے ایک ڈبیا کے نہ ملنے سے میری تمام امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں، برسوں کی محنت رائیگاں ہو رہی ہے، ......
اس ڈبیا کی خاطر سیٹھ گوردت کے یہاں ڈاکہ ڈالا، لیکن بے سود، پرنس سلیمان بہادر کے یہاں تن تنہا گیا، تمام خزانہ ڈھونڈھ ڈالا، نہ ملی، ہٹیا برج میں کوشش کی، ناکامیاب رہا، نواب منیش محل بہادر کا توشہ خانہ دیکھا، وہاں بھی نہیں تھی، غرضکہ ہر جگہ ممکن سے ممکن کوشش کی اور اس سلسلہ میں مجھکو بہت سی نادر اشیاء دیکھنے کو ملیں، مگر میں نے کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا، مجھے تو صرف اسی ڈبیا کی ضرورت تھی، وہ نہ ملنا تھی نہ ملی، اب کمبخت

نکلی بھی تو کہان، ہائے مین نے اس مکان کو بھی خوب اچھی طرح ڈھونڈھا تھا، کاش کہ پہلے سے خبر ہوتی، تو کاہے کو اسقدر دقتین اُٹھانا پڑتین، خواجہ سے مین نے کسقدر کہا کہ بتادے مگر اسکے سر پر موت سوار تھی، نہ بتایا، بیوی اسکی بے خطا زندان مین مقید ہوئی، اس کم بخت لڑکی کو بہت کچھ معلوم ہے، لیکن کچھ نہین بتلاتی، اشارہ تک تو دیتی نہین، مگر اب عقل درست ہو جائے گی، زندان بلا ایسی جگہ جہان ایک سنٹ تو آدمی نہین رہ سکتا، اگرچہ وہ ضدی ہے اور اپنی بات پر جان دینے کو آمادہ ہے، لیکن پھر بھی لڑکی ہے، یقیناً گھبرا کر بتادیگی، ہان اب مجھے بھی کچھ ملائم پڑنا چاہیے، اسکی مان کو کلکتہ روانہ کردون،....... قہقہہ لگاکر یہ میان تنویر بھی زکام اور مینڈکی کی مثل کر رہے ہین، چارون طرف ہاتھ مار رہے ہین، بیلی گارد پہونچے، ظالم پتہ خوب لگاتے ہین، سندر اگر پہرہ پر نہ ہوتا تو ایک راستہ تو معلوم ہی ہو گیا تھا، لیجئے وہان سے بھاگے تو مس برکت پر ہاتھ صاف کیا، بیہوش کرکے کلکتہ پہنچے وہان گردھاری اور سنجل کو بے ہوش کر دیا، بھئی ستم کا لڑکا ہے، اور پھر حضرت ٹیلیفون پر گفتگو کر رہے ہین، اگر مین انتظام نکر دیتا تو ضرور وہ پولس کو یہان کھڑا کر دیتا، مین جانتا تھا کہ وہ یوسف دار گنوئین مین ضرور جائے گا، اس لیے مین نے پیشتر ہی سے جمیلہ اور نوری کو اطلاع دیدی، لیجئے اب گرفتار ہوگئے اور اب چھوٹنا محال ہے، لیکن یہ ٹھیک نہین وہ وہان کچھ نہ کچھ ضرور رنگ لائیگا، اسلیے مرضیہ کو وہان روانہ کردون اور اسیر سے قید سخت اٹھالون اس ترکیب سے وہ اپنی مان کو پائے گا، پھر سیکا ہو کر بیٹھ رہے گا، اتنے دنون مین مین یہان میان مشتاق کی خبر لیتا ہون، اب مجھکو خود نکلنا چاہیئے، نوکرون سے کام نہین چلے گا، مراد میری شکل بنکر گیا، کام بگاڑ دیا، جیب مین ڈبیا پڑی رہی اور نہ نکال سکا" اسمٰعیل نے جلدی مین اسکو بھڑکا دیا، خیر، اب مین خود قسمت آزمائی کرتا ہون" اُسنے پھر گھنٹی کو آواز دی اور وہی سنتری حاضر ہوا" فرخ کو حاضر کرو"!

ایک جوان العمر شخص سفید زین کا انگریزی سوٹ پہنے کمرہ مین آیا اور سلام کرکے کھڑا ہو گیا" کوئی نیا تار" ٹیلیفون، خط"!

فرخ" کوئی نہین، وہی تنویر قید مین ہے، اسٹیا برج مین تلاش جاری ہے، آگرہ مین دو ڈاکہ پڑے، چالیس ہزار کا مال دستیاب ہوا"!

سردار" (غصہ مین) یہ مین نہین سننا چاہتا۔

فرخ "جی حضور....

سردار "حضور کا بچہ، جو مین کہون وہ کرو"

فرخ "فرمائیے۔

سردار "بس خاموش......... نواب بیگم کہان ہے"

فرخ "لاہور گنج مین عالیجاہ کے یہان....."

سردار "بدمعاش، اسقدر زور سے کیون کہتا ہے"..... جاؤ اسکو کلکتہ لیجاؤ، اور جو مین خط دون، اسکو جمیلہ کو دیدینا، راستہ مین ہوشیاری سے کام لینا کسی کو شبہ نہو، دور دراز کا سفر ہے، ہر چیز کی احتیاط رکھنا، اپنی روانگی کی اطلاع دیدو"

باب (۹)

عیش منزل

لوہے والے پل سے اتر کر ایک چھ راہا ہے، ایک راستہ حسین گنج کو گیا، دوسرا بلند باغ کو تیسرا دریا کے محاذی شاہ نجف کی طرف، چوتھا بارہ دری کو، پانچوان بندہ شاہ جی کیجانب چھٹا راستہ لاہور گنج کو جاتا ہے، اس چھ راہے سے ہمارے ناول کو اسی قدر تعلق ہے کہ اسپر سردار پاشن کی آمد و رفت بہت رہی ہے سب سے پہلے جو وہ لکھنؤ مین قیام کرنے آیا تو اسی علاقہ حسن گنج مین گھوما کرتا تھا، جب لاہور گنج پہنچا تو وہان ایک گری ہوئی عمارت کے کھنڈرات اُسے بہت پسند آئے، یہ عالی جاہ بہادر کا جو شاہی مین اس علاقہ کے عامل تھے، محل تھا، اور عیش منزل کے نام سے مشہور تھا، عمارت تو گر کر بالکل منہدم ہو گئی تھی اور بعض جگہ تو نشان تک نہین تھا مگر عمارت کے نیچے کا تہ خانہ بالکل محفوظ تھا، پاشن نے اس تہ خانہ کا دروازہ دریافت کر لیا تھا اور اسکو صاف کرا کے اسمین رہنے لگا، اسی تہ خانہ مین اسے ایک کتاب ملی جو عامل کی سوانح عمری تھی، کتاب دیمک چاٹ گئی تھی، کچھ ورق گل گئے تھے، پھر بھی اسمین ایسی باتین درج تھین جنھون نے پاشن کی قسمت کا ستارہ عروج پر چمکا دیا یعنی اس کتاب مین ملکہ جہان کے خزانہ

کی سیر کا حال لکھا تھا جسکی عبارت ہم ناظرین کی آگاہی کیواسطے ذیل مین درج کرتے ہین "

الحمد للہ المنت کہ حضور بند...... عالی ...... بادشاہ غاز..... مجد..... علیہ.... کا

...غریب را بالقدوم میمنت لز........ فرمودہ .... دستم گرفتہ بدولت ...

...ملکہ .... (سطر غائب)

ازانجا بہ سمت شرق مراجعت نمودہ بلب جوئے ...... بر قلہ .... کہ رخ
بجانب جنوب بود .... یک تایۂ آہن نمودار شد، بادشاہ غازی دین پناہ ور آن
فقر تاریک .... یک تختہ سنگ مرمر را دیدم کہ در وسط آن حجرہ ...... برکندم ..
...... استادیم دیدیم کہ گنبد زرد .... مثل خورشید خاوری بر گنبد نیلو فری در حلقہ
نظر می آید، حیرت و تعجب برمن .... حضرت ظل سبحانی قبئی نقرہ را ....
ازان پارۂ سنگ مس کرد، فی الفور باز شد .... یک نقش کہ کلید در گنج بود ......
...... سبحان اللہ عمارتیست کہ مہندسان کامل .... بر قطعہ ہشت پہل .... در آن
مدور .... دیدیم کہ بقول ملا واعظ علیہ الرحمہ ایسی زیور از گوہر شاہوار. بسے خاتم
..... گوشوار ایسی درج .... باقفل زر .... لعل و یاقوت ..... گہر، ....
.... بعد ازان سلطان عزیمت رفتن نمودہ مرا حکم فرمود
کہ ہیچ .... قیامت ست واللہ کہ .... دعا .... بارالہا ..
...... درخشان باد .... "

پاٹن نے اس نوشتہ پر مہینون غور کیا اور آخر کار وہ اس عمارت پر قابض ہو گیا، لیکن ڈبیہ کے نہ ملنے سے خزانہ نہ پا سکا، اسی کی تلاش مین حیران تھا، المختصر وہ اس تہ خانہ سے اُٹھ گیا اور اب یہان اسکے مجرم رکھے جاتے تھے،

مشتاق احمد فقیرون کا لباس پہنے، ڈاڑھی لگائے، باحال پریشان اس چبوترے پر رات کے نیچے بیٹھا تھا، آفتاب غروب ہو چکا تھا، اور تاریکی پھیل رہی کہ ایک آدمی سائیکل پر سوار اسکے پاس سے گذرا، یہ شخص اسقدر زور سے جا رہا تھا کہ مشتاق قطعی نہ دیکھ سکا لیکن وہ بھی جلدی سے اٹھا اور اس آدمی کے پیچھے ہو لیا، اگرچہ اسکی رفتار سائیکل کا مقابلہ نہین کر سکتی تھی مگر وہ اس آدمی کو دیکھ ضرور رہا تھا، ۳ فرلانگ تک سائیکل گئی اور اب اسکو بھی ایک فرلانگ کی مسافت طے کرنا تھی کہ اُسنے دیکھا وہ آدمی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے قریب غائب ہو گیا

مشتاق بھی اس دیوار کے پاس آیا اور اسکے گرد چکر لگائے، اینٹوں کے ڈھیر کو ادھر ادھر سے ہٹایا مگر کوئی راستہ نہ پایا، وہ خاموش وہین آڑ پکر بیٹھ رہا، مگر اسنے اپنا پستول کارتوس چڑھا کر ہاتھ مین لے لیا، قریب نصف گھنٹہ گذرنے پر وہی آدمی پھر نکلا، اس مرتبہ اسکے ہمراہ ایک عورت تھی جو سر سے پیر تک برقعہ اوڑھے تھی، آدمی کے پاس سائیکل نہین تھی، وہ عورت کو سہارا دئے ہوئے سڑک کے کنارے آیا اور کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد ایک بند گاڑی جو کرایہ پر چلتی تھی آئی اور اسمین وہ آدمی اور عورت دونوں سوار ہوگئے۔ مشتاق بھی اُچک کر گاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا، گاڑی پل سے گذر کر بلند باغ روڈ سے ہوتی ہوئی کیننگ اسٹریٹ پر آئی اور وہان سے چار باغ اسٹیشن پر جاؤگی، وہ چپکے سے اُتر کر ایک طرف فقیر دن کی مانند کھڑا ہو گیا۔

ایک قلی "حضور اسباب لیچلون؟"

نوجوان "کلکتہ کب گاڑی جائے گی؟"

قلی "حضور آٹھ بجے ابھی ایک گھنٹہ کی دیر ہے، چلئے پلیٹ فارم پر لیچلون"

نوجوان "اچھا چلئے"

مشتاق اس نوجوان کو چھوڑ کر ایک تانگہ والے کے پاس آیا، اور اسکے ہاتھ مین ۵ روپیہ رکھدیے ۸ بجے کے پیشتر پیشتر مجھے یہان لے آؤ"

تانگہ والے نے "بہت اچھا حضور" کہکر گھوڑا چھوڑ دیا، وہ اپنے مکان پر آیا، کپڑے بدلے روپیہ رکھا، پستول لیا، کارتوس لئے، اور چند ضروری چیزین لیکر ایک پورٹ منیٹو مین بند کین، پھر تانگہ پر سوار ہو کر اسٹیشن چلدیا، جب وہ آیا تو ۸ بجنے مین ۱۰ منٹ باقی ہے، اُسنے تانگہ والے کو ۲ روپیہ اور انعام دیا اور کہا کہ کسی سے اسکا ذکر نہ کرے، سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیکر وہ بھی کلکتہ روانہ ہو گیا۔

اتفاق سے او، آر، آر کی گاڑی لیٹ تھی، ای، آئی آر میل روانہ ہو گیا تھا، اب اسکو مغلسرائے پر اکسپریس کا انتظار کرنا پڑا جس کے آنے مین ابھی تین گھنٹہ باقی تھے، وہ اپنا سامان ویٹنگ روم مین رکھکر ادھر اُدھر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا، کہ اسکی نظر اسی نوجوان پر پڑی جو لاہور گنج مین ملا تھا یہ نوجوان جس کو اب ہم پہلی ہی نظر مین پہچان گئے ہین کہ فرخ تھا، خاموش سر جھکائے، انٹر کلاس ویٹنگ روم مین ایک تپائی پر بیٹھا تھا، اُسکے چہرہ کی سیاہی اور اسکی

پیشانی کی شکنین بتا رہی تھین کہ اسکے دل کو کوئی بھاری بوجھ دبا رہا ہے "
"افسوس، آج سردار نے وہ وہ باتین مجھ سے کہین ہین کہ مجھکو سخت صدمہ ہے، آج معلوم ہوگیا کہ سفلہ اور کمینہ آدمی عروج کے زینے پر چڑھ کر بھی کمینہ ہی رہتا ہے؛ اسکو شریفون کی کچھ قدر نہین، مجھکو تو اسنے زرخرید غلام سمجھ لیا ہے، کیا مین اسکا عوض لون، ضرور، وہ میرا کیا کریگا، زیادہ سے زیادہ میرے راز کو کھولدیگا اور مجھکو سال دو سال کو جیلخانہ ہو جائیگا، لیکن اب بھی تو قید ہی مین رہتا ہون، بلکہ جیلخانہ سے بدتر، جب عزت ہی گئی، آبرو نہ رہی تو ایسا آرام و عیش کس کام کا، تف ہے ایسی زندگی پر، آدمی کی حقیقت ہی کیا، پانی کا ایک بلبلہ ہے، جو ادھر اٹھا اور ادھر فنا ہوگیا۔ ایسی زندگی مین انسان کیسے کیسے مظالم کرتا ہے، ہزارون گناہون کا مرتکب ہوتا ہے، پھر نتیجہ وہی موت، نمرود شداد، فرعون و حجاج، اللہ اکبر تیمور نے کیا نہین کیا، نادرشاہ نے کون سا ظلم باقی رکھ چھوڑا، پھر ایسی بیکسی سے مارے گئے کہ اب کوئی ان کی قبر پر چراغ تک نہین جلاتا، بعض کی تو قبرون کا نشان تک نہین، ہائے ہزارون لاکھون من مٹی کے نیچے دبے پڑے ہین، استخوان تک مٹی ہوگئے، خدا معلوم قبر مین کیا کیا عذاب اٹھا رہا ہو، بعد مرنے کے چین سے رہے کہ تکلیف مین، ظلم کی داستانین باقی رہ گئین، منتقم حقیقی نے وہ انتقام لیا، اور بیکسون کی آہین، مظلومون کی فریادین وہ رنگ لائین کہ انجام ذلیل ہوا کتے کی موت مارے گئے، بکرے کی ماں کبتک خیر منائے گی۔ ہمیشہ تو رہنا نہین، ایک نہ ایکدن ضرور بھانڈا پھوٹیگا، بیگناہون کا خون بالا بالا نچیگا، پھر پھانسی کا تختہ ہو اور گھر کا ٹیلہ، مرغان ہوا غل مچائینگے، جانوران آبی اس عبرتخیز موت پر آنسو بہائینگے، دولت عمر بھر کسکے پاس رہی ہو؛ یہ تو اندھی ہو، جدھر سینگ سمایا چلدی، نہ اچھے سے مطلب نہ برے سے کام، پاشن کو اب بہت غرور ہوگیا ہو، اسکا انجام بُرا نظر آتا ہے اسکے ساتھ رہنا خطرے سے خالی نہین، گیہون کیساتھ گھن بھی پسے وہ مثل ہو جائے گی، اب کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے، ...... قسمت اس غریب عورت کے دل پر کیا گذرتی ہوگی شوہر مارا گیا، خود زخم اٹھائے، اولاد سے چھوٹی، اب شکستہ دل کیجا رہی ہو، وطن کی آب و ہوا زندگی برقرار رہنے کی باعث تھی وہ بھی چھوٹی، ہائے جسوقت مین نے اسکو جنون انگیز عرق پلایا اسوقت اسکی مایوس نظرین دیکھ کر کلیجہ پانی پانی ہوگیا، مینے جو کہا چلئے آپ کا لڑکا تو یہ آیا ہے، تو کیسی خوش ہوئی اور کسقدر جلد اٹھ کھڑی ہوئی، مگر پیالہ دوا پیتے ہی خاموش ہوگئی، وہ خوشیان سب غائب ہوگئین، کیسی بت بنی بیٹھی ہو کسی کی بات اسکی سمجھ ہی

مین نہین آتی .... لاؤ پانی کو تو پوچھ دیکھون، شاید پیاس لگی ہو .... یہ آدمی مجھے غور سے کیون دیکھ رہا ہے، مجھے خیال پڑتا ہے کہ مین نے اُسے کہین دیکھا ہے ..... مگر کہان دیکھا ہے .... اوہو تو مشتاق ہے، ٹھیک اب یاد آیا، جبلی اسکول مین یہ میرے ساتھ انٹرنس مین تھا، مین نے اور اُسنے ساتھ ساتھ پاس کیا تھا، یہ یہان کہان کہین مجھے پہچان نہ لے، تو آفت آجائے، دیکھ تو بڑے غور سے رہا ہے۔ ہان مین پانی لینے کے بہانے یہان سے اٹھ جاؤن ......"

وہ تپائی سے اوٹھا اور لوٹا ہاتھ مین لیکر مسافر خانہ کے باہر آیا، ابھی مشکل سے چند قدم بڑھا ہوگا کہ مشتاق نے پیچھے سے ہاتھ پکڑ کر کہا "فرخ"

فرخ کا چہرہ زرد پڑ گیا، اسکے ہاتھ پیر کانپنے لگے، اسکا دل اسقدر زور سے دھڑکنے لگا کہ اسکی ناگوار آواز اسکے کانون مین جارہی تھی"

مشتاق "تم کہان جارہے ہو؟"

فرخ "(گھبرا کر) جی، مین پٹنہ عظیم آباد جارہا ہون"

مشتاق "تم نے مجھے پہچانا"

فرخ "کچھ مجھے خیال نہین، ممکن ہے کہین دیکھا ہو"

مشتاق "مین تمھارا قدیم دوست، مشتاق احمد ہون

فرخ "آپ کہان تشریف لیے جارہے ہین"

مشتاق "اسوقت مین ایک ضرورت سے کلکتہ جارہا ہون"

فرخ "(کلکتہ کا نام سنکر اور گھبرا کر) کیون وہان کیا کام ہے"

مشتاق "وہان ایک دوست سے ملنا ہے"

فرخ "کون صاحب ہین؟"

مشتاق "میرے پیارے دوست مجھے معاف کرنا اگر مین یہ کہون کہ مین تم سے ملنے جارہا ہون"

فرخ "خدا کے لیے صاف صاف کہو، تمھارا اس سے کیا منشا ہے"

مشتاق "مظلومون کی رہائی (کان مین جھک کر) پاٹن کی گرفتاری۔

یہ وہ چلتے ہوے جادو خیز جملے تھے جن کے سنتے ہی فرخ بدحواس ہوگیا، لوٹا ہاتھ سے چھوٹ [illegible] وہ مبہوت تھا، وہ کہ مشتاق کا چہرہ تکنے لگا، جو ابھی وہ پاٹن کے انجام پر غور کر رہا تھا

اسلیے اسکی نظرون مین پھانسی کا تختہ اپنی ہیبتناک صورت لیکر سما گیا، وہ ہاتھ جوڑ کر مشتاق کے قدمون پر گر پڑا "و للہ مجھ پر رحم کرو"

مشتاق" اگر تم مجھے امداد دینے کا وعدہ کرو، اور ساتھ ہی اسکے پاشن کے کل حالات سے مطلع کر دو تو مین تم سے وعدہ کرتا ہون کہ تم کو رہا کروا لون گا"

فرخ" مین خدا کو ضامن دیکر کہتا ہون کہ مین پاشن کی گرفتاری مین جان توڑ کر کوشش کرونگا، وہ اسوقت لکھنؤ مین ہے اور مین کلکتہ تنویر شکوہ کی والدہ کو لیکر جا رہا ہون" "تنویر کلکتہ مین ڈاکٹر ا، ب، م کی کوٹھی مین قید ہے"

مشتاق" کلکتہ کس غرض سے لیے جا رہے ہو؟"

فرخ" مجھے خبر نہین، (لفافہ نکالکر) یہ خط جمیلہ کے نام ہے اسمین سب حال تحریر ہے"

مشتاق" لکھنؤ مین پاشن اسی مقام پر ہے جہان سے تم آ رہے ہو"

فرخ" (حیرت زدہ ہو کر) کیا تم نے مجھے لکھنؤ مین دیکھا تھا؟"

مشتاق" مین آج رات کو ایک فقیر بنا ہوا تمھاری سب کارروائی دیکھتا رہا، تم ٹوٹی دیوار کے پاس سے کیسے غائب ہو گئے"

فرخ" دیوار کی تہ مین ایک سبز.............."

آگے کچھ نہ کہہ سکا، پستول چلنے کی آواز آئی، گولی سینہ توڑتی ہوئی نکل گئی اور فرخ بغیر ایک لفظ ادا کیے زمین پر گر کر سرد ہو گیا، مشتاق نے پلٹ کر دیکھا تو ایک پستہ قد آدمی ہاتھ مین پستول لیے اسکا نشانہ بنانا چاہتا ہے، یہ ایسا نازک موقعہ تھا کہ وہ گھبرا جاتا لیکن اس کے حواس قائم رہے، اُسنے اپنے بدن کو حرکت دینا شروع کی، اور اپنی جیب سے بھی پستول نکالکر مقابلہ پر کھڑا ہو گیا، رات کے ۳ بجے تھے، اور اندھیرا اسطرح کا تھا کہ درد کی چیز مشکل سے نظر آتی تھی، لیکن قاتل صرف اتنے فاصلہ پر تھا کہ اسکے تمام حرکات کو وہ دیکھ رہا تھا، اسکی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ گیس کی روشنی درختون سے چھن کر اسپر پڑ رہی تھی، اور مشتاق پر دیوار کا سایہ تھا، مشتاق نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور قاتل کی طرف داغ دیا، یہ سب کام چند سکنڈ مین ادا ہوئے تھے، قاتل کا بھی پستول چل گیا تھا اور جو مشتاق کے بائین بازو کو زخمی کر گیا، پولیس کے سپاہی جو مسافرخانہ مین پہرہ دے رہے تھے، پستولون کی آواز سنکر دوڑ پڑے اور نرغہ کر کے دونوں کو حلقہ مین لے لیا، مشتاق نے فوراً قاتل کی گرفتاری کا حکم دیا، انسپکٹر رشید سے پولیس اطلاع پاتے ہی

آموجود ہوئے، قاتل اور مقتول دونوں مشتاق کی ہمراہی میں پولیس کی چوکی لائے گئے۔

مشتاق نے کل واقعہ بیان کر دیا، ایک سپاہی ایک ڈاکٹر کی تلاش میں دوڑا گیا اور دوسرا سپاہی ایک برقعہ پوش عورت کو مع ایک بکس کے مسافر خانہ سے بلا لایا۔ قریب ۴ بجے کے ایک ڈاکٹر صاحب تشریف لائے، مریضہ کی کیفیت ملاحظہ کی کہنے لگا اسکا علاج کلکتہ میں ہوسکتا ہے، کوئی بہت تیز جنون پیدا کرنے والی دوا اسکو پلائی گئی ہے۔

صبح ۸ بجے مقدمہ کا چالان باضابطہ عدالت بالا کو کیا گیا، چونکہ قاتل بھی زخمی ہوگیا تھا اسواسطے مقدمہ کی سماعت تاصحت ملزم ملتوی رکھی گئی، مشتاق اپنے بیانات عدالت میں دینے کے بعد مع نواب بیگم صاحبہ کے کلکتہ روانہ ہوگیا، اسنے دوران بیان میں مصلحتاً اس خط کا ذکر نہیں کیا تھا جو فرخ نے اُسے دیا تھا، کیونکہ اسی کے ذریعہ سے وہ تنویر کا سُراغ لگانا چاہتا تھا۔

باب (۱۴)

تنویر غائب

ابھی وہ بھی بارہ برس کی تھی، اس کا حسن عالم آشوب تھا اور وہ خوبصورتی کے جسقدر بے عیب صفات ہیں ان کا مجموعہ تھی، اُس کی ماں کا نام تو جمیلہ تھا مگر حق یہ ہے کہ یہ نام اس پر زیادہ زیب دیتا تھا کیونکہ زنانہ حسن و جمال جسقدر اسکو عطا ہوا تھا اسکی ماں کو اسکا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا تھا، اسکے چہرہ پر بے تکلفی اور تبسم برستا تھا اور اگرچہ یہ تبسم خفیف سا تھا لیکن کیف ودشیزگی سے مگر خندہ جام دو آتشہ سے کہیں بالاتر ہوگیا تھا۔ ہاں ہاں میں سچ کہوں گا کہ وہ ایک ہُد ہُد کہنے والی دلکش مینا تھی جسکی دوڑ دھوپ کو دل کی وسعت کم تھی اور خیال میدان تنگ تھا، ضرور وہ ایسی بھولی اور نیک لڑکی تھی جس کی تصویر تختۂ خیال پر نہیں کھنچ سکتی، اسکے بال سیاہ اور ملائم تھے اور جو نہایت خوبصورتی سے پشت پر لاجوردی ریشم کے فیتہ میں بندھے پڑے رہتے، اسکی موہنی آنکھ نہ بہت بڑی تھی اور نہ بالکل چھوٹی بلکہ ایسی تھی کہ اچھی سے اچھی آنکھ سے اگر مقابلہ کرتی ہو حریف کو نظر لگ جاتی، دیوانہ ہوکر

صحرا کو نکلتا تا ان پیاری پیاری آنکھوں سے مزاج کی عمدگی اور دل کی پاکیزگی پائی جاتی گویا وہ اسکے قدرتی اوصاف کا آئینہ تھیں، یا اُس دکھے ہوئے مصیبت زدہ دل کیواسطے جس کے دکھ درد کا کوئی علاج نہو یہ چشمۂ حیات کا منبع تھیں، اسکے لب یاقوت احمر اور دانت موتی کی لڑیاں کہے جا سکتے ہیں مگر میں یہ کہوں گا کہ وہ کسی قدر بھرے ہوئے تھے اور ان میں حیات بخش شیرینی اور شبنم کی تری موجود تھی، اور وہ عالم طفلی کی ہنسی سے ایسے بھلے معلوم ہوتے کہ دل بس جاتا، اسکے دبلے پتلے گداز جسم میں غضب کی پھرتی تھی، چھوٹے چھوٹے پیروں پر، نازک نازک پنڈلیاں وہ تیزی دکھاتیں کہ دل ہل جاتے، نمود حسن تھی اور ضرور تھی مگر اس طرح جیسے طوفان کی آمد پر سمندر کی لہروں سے حباب نمودار ہوتے ہیں، ہاں اسکے بحر حسن کی امڈتی ہوئی موجیں بھی قیامت پیدا کرنیوالے جمال کی آمد پر کچھ پیدا کر رہی تھیں، اور جس کے دیکھنے کے واسطے ایک عالم کی نظریں اسطرف لگی تھیں۔

خیر وہ حسین تھی یا جمیل، لیکن تھی بارہ برس کی اور انگریزی بھورے رنگ کی ہلکی گون پہنے تھی، سفید موزے ریشمی اور سیاہ بوٹ تھے اور ہاتھ میں ٹائمز کی نکالی ہوئی تصویریں، ہنس کیطرح اس کوٹھری سے برآمد ہوئی، چکور کی مانند اس دالان میں داخل ہو گئی۔ مینا کی پھدک کر مسہری پر جا لیٹی اور بجلی کی مانند چمک کر صحن میں آ رہی، اس اُلھڑ پنے سے دن گذر رہے تھے، بیٹھے بیٹھے قہقہہ مار کر ہنس دی، کسی کی شکل دی اور غنچہ کی مانند کھل کھلا اٹھی اللہ اللہ

شوخی سے ہر شگوفہ کے ٹکڑے اڑا دئے

جس غنچہ پر نگاہ پڑی گل بنا دیا

تنویر کو قید ہوئے دو دن گذرے تھے کہ اس کے حسن کی شعاعیں اس کنج عزلت میں بھی چمکنے لگیں، تنویر حیران ہو کر اس لڑکی کی سحر آفرین صورت دیکھنے لگا۔

لڑکی "تم کون ہو؟ آہا ہا تمھاری پوشاک بہت اچھی ہے"

تنویر نے قید ہونے کے بعد زنانی پوشاک نہیں اتاری تھی، بلکہ وہ اسی لباس میں تھا، لڑکی اپنی شوخ طبیعت کے تقاضہ سے مجبور ہو کر تنویر کی پوشاک دیکھنے لگی، پھر سر پر ہاتھ پھیر "آہا تمھارے بال بالکل خراب ہیں" اور گندھی ہوئی چوٹی کو دیکھا، بالوں کے دیکھتے دیکھتے نہیں ہاتھ کا جھٹکا جو پہنچا تو چوٹی صاف علیحدہ ہو گئی، تنویر اسکی پیاری پیاری ادائیں دیکھنے میں ایسا محو تھا کہ اُسے کچھ خیال بھی نہیں ہوا۔

لڑکی "تمھارے بال تو سب گر گئے"
اب وہ چونکا، کچھ خیال آیا، بال علٰحدہ کر دئے، زنانی پوشاک اتار ڈالی، اب وہ بھی ایک خوبرو لڑکا تھا، چست پاجامہ پہنے، مہین ململ کی ریشمی قمیص زیب بدن کیے،
"وائے ہے تم مرد ہو؟"
"تنویر" بیشک میں تمھاری طرح عورت نہیں ہوں "
"تم نے عورتوں کا لباس کیوں پہنا تھا؟" تنویر نے اپنی داستان شروع سے آخر تک سب سنادی اور اپنی ہمشیرہ کو یاد کرکے زار زار رونے لگا،
یہ قدرتی بات ہے کہ بچے بہت جلد آپس میں بے تکلف ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے لگتے ہیں، لڑکی نے جو تنویر کو روتے ہوئے دیکھا اور اسکی داستان غم سنی اور اسکو یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنی ماں بہن کی رہائی کیواسطے مصیبت میں پڑا ہے تو اسکے سینہ میں ہمدردی اور غمگساری کا جوش پیدا ہو گیا، اسنے اپنے رومال سے تنویر کے اشک پاک کیے اور نہایت تسلی آمیز لہجہ میں کہا وہ تم گھبراؤ نہیں، میں تم کو یہاں سے رہا کرا دونگی"
تنویر "تم مجھے کیسے رہائی دلواؤ گی"
لڑکی "میں اپنی امی سے کہونگی، ضد کرونگی، روؤں گی، کھانا نہیں کھاؤں گی، وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتیں، میری ہر جائز و ناجائز ضد کو پوری کرتی ہیں، تم کو ضرور چھوڑ دیگی"
تنویر "تمھاری امی کا کیا نام ہے اور تمھارا کیا نام ہے"
"میری امی کا نام جمیلہ بیگم ہے، وہی اس جگہ کی مالک ہیں، میرا نام بنت الناصر ہے۔
تنویر "اور تمھارا اصلی نام کیا ہے، تو تمھارے باپ کا نام ہے؟"
لڑکی "واہ، ہم اپنا اصلی نام کیوں بتائیں، آپ ہمارے رشتہ دار تو ہیں نہیں"
تنویر "تو بس رہنے دو، میں تمھارا احسان لینا نہیں چاہتا"
لڑکی "یہ کیوں، اگر میں نام نہ بتاؤں تو تم میرے ذریعہ سے رہائی پسند نہیں کرتے"
تنویر "جب تم اسقدر غیریت برتتی ہو تو میں تمھارا احسان کیوں لوں"
لڑکی "(ٹھنک کر) اے ہوگا، کچھ میں تو قید کی مصیبتیں اٹھاتی نہیں ہوں"
تنویر "(آبدیدہ ہو کر) اجی قید تو میری قسمت میں لکھی ہے، نوشتہ قسمت ازل ہی کا ایسا ہے تم کیا کوئی بھی تقدیر کا لکھا نہیں بدل سکتا"

لڑکی" (کچھ متاثر ہو کر) اجی تم تو خواہ مخواہ کی ضد کرتے ہو، تو میں جاتی ہوں، ابھی امی سے کہتی ہوں، دیکھوں تو وہ کیا کہتی ہیں"

تنویر" (ا ٹھکر) نہیں نہیں، تمھیں میری قسم،

لڑکی" تو یہ آپ تو بڑے ضدی معلوم ہوتے ہیں"

تنویر" آخر تم اپنا نام مجھ سے کیوں چھپاتی ہو"

لڑکی" (شرم سے آنکھیں نیچی کر کے) کوئی بھی اپنا نام یوں بتاتا پھرتا ہے۔

تنویر" تنویر" تو جاؤ ہم نہیں بولتے"

لڑکی" تم ہمارا نام دریافت کر کے کیا کرو گے؟"

تنویر" جب ہماری باجی، امی دریافت کرینگی تو ہم کہینگے کہ ..... نے ہمکو رہائی دلوائی، وہ تمھارا نام لیکر تمھارے واسطے دعائے خیر کرینگی"

لڑکی کچھ دیر تو خاموش بیٹھی تنویر کی صورت دیکھا کی پھر خدا معلوم کیا خیال آیا کہ تنویر کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی "اچھا تم اس وقت مان جاؤ" ہم پھر اپنا نام بتا دینگے"

تنویر" اجی مجھے اب رہائی نہیں منظور ہے، میں خدا سے چاہتا ہوں کہ یہاں سے نجاؤں"

لڑکی" کیوں؟"

تنویر" اب میں رہا ہو کر کیا کروں گا۔

سنا ہے آتشِ گل نے جلا دیا گلشن
بچا کہ خاک ہوا آشیان نہیں معلوم

لڑکی" (ہنسکر) " واہ، تم کو شعر خوب پڑھنا آتے ہیں"

تنویر" ہاں، سچ ہے ہم تو درد دل کہیں اور آپ ہنسیں"

لڑکی" ہبی ہو گا، تم کو تو باتیں آتی ہیں"

تنویر" خیر یوں ہی سہی"

لڑکی" اچھا سنو، ابھی مجھے ایک خیال آیا ہے، آج رات کو تم میرے ہمراہ چلے چلنا، میں تم کو بڑے بازار تک پہنچا دوں گی اور پھر.....

تنویر" اور پھر تم واپس چلی آؤ گی؟"

لڑکی" ہاں میں واپس چلی آؤں گی"

تنویر: "تو بس رہنے دیجئے، یہاں نام نہیں معلوم تو تم کو دیکھ تو لیتا ہوں اور پھر تو خدا معلوم ہم کہاں اور تم کہاں"

لڑکی: "آخر سیر کیا کروگے" "میں اپنی امی کو کیسے چھوڑ دوں گی"

تنویر "اس سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم دونوں ایک جگہ، اسی مقام پر رہیں"

لڑکی "نہیں، میری ایسی دس لڑکیاں، بہت سے دوست مل جاوینگے"

تنویر "دوست تو زمانہ میں ملتا ہی نہیں"

اتنے میں باہر سے "شمی شمی" کے پکارنے کی آواز آئی، لڑکی نے تنویر کے چہرہ کو دیکھا اور کہا "لو اب ہم جاتے ہیں۔ بوا پکار رہی ہے، بولو رہائی منظور ہے؟"

تنویر "یہ کیوں، اب کیا ہوا؟"

لڑکی "(مسکرا کر) اب تو میرا نام معلوم ہو گیا"

یہ کہا اور دروازہ کھول تنویر کی نظروں سے غائب، تنویر بھی اسکو پکڑنے دوڑا، مگر وہ بجلی تھی، فوراً باہر دروازہ کی کنڈی چڑھا قفل ڈالدیا، پھر اپنی اس حرکت پر خود پشیمان ہو گئی کان لگا کر سنا تو سسکیوں کی آواز سنائی دی، چپکے سے دراز سے ہونٹ ملا کر کہا، "تنویر آج رات کو جاگتے رہنا" اور خاموشی سے اپنی ماں کی نشستگاہ کیجانب چلدی،

شمی نے تنویر سے ملاقات کرنے کا کوئی تذکرہ اپنی ماں سے نہیں کیا، بلکہ خاموش کھیلتی رہی، اس کھیلنے میں بھی اسکا دھیان تنویر کیطرف لگا رہا، جرمن کی بیوی، اسکی گڑیا کا نام تھا، اُسنے اُسے اُٹھا کر پھینکدیا، فرانس کا ایک گڈا نہایت خوبصورت بازار سے خرید کر لائی تھی، اسکو الماری میں بند کر دیا، کتابیں جو رکھی تھیں ان پر کپڑا ڈالدیا، گھبرا کر کہنے لگی "توبہ، مجھے آج کیا ہو گیا ہے، کسی کھیل میں دل ہی نہیں لگتا، تنویر کی مصیبت سنکر پریشان ہوں، سچ بھی تو ہے، اگر میں ذرا سی دیر کو بھی امی سے جدا ہو جاتی ہوں تو اتنی دیر برابر رویا کرتی ہوں بھلا تنویر کو تو ایک مہینہ ہوتا آتا ہے، اس کا دل ضرور اپنی ماں کے دیکھنے کو چاہتا ہو گا، میں آج رات کو ضرور اسکو نکالدونگی، امی میرا کیا کرلینگی، بگڑینگی، جھڑکینگی، پھر چپ ہو کر بیٹھ رہیں گی،

ان ہی خیالات میں محو رہی، یہانتک کہ اُسے نیند نہ آئی، بارہ بجے جب تمام گھر پڑا سو رہا تھا، وہ خاموشی سے اٹھی اور ماں کی جیب سے کنجیوں کا گچھا نکال کر اس کمرہ میں آئی جسمیں تنویر مقید تھا، قفل کھولا اور تنویر سے کہا "دو سوتے ہو" یہ وہ پیارے پیارے الفاظ تھے جن کو سننے کیواسطے تنویر

بیتاب تھا، وہ جلدی سے چارپائی سے اٹھ بیٹھا اور کہا وہ نہیں، بھلا دکھ زدوں کو نیند کہاں؟
شمی "اے سچ کہتے ہو! اچھا جلدی چلو، ایسے میں سب پڑے سو رہے ہیں"
تنویر اپنا سامان لیکر شمی کے ساتھ ہولیا، دونوں باہر نکلے، شمی نے بدستور قفل لگا دیا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو، پھر تنویر کو لیکر ایک تیرہ و تار کوٹھری میں آئی، یہاں اسنے ہاتھ سے ٹٹول کر دروازہ کھولا، اب وہ ایک برآمدے میں تھے، شمی جلدی جلدی قدم رکھتی برآمدہ کے مغربی سمت آئی اور ایک چھوٹا سا دروازہ کھولا، یہ زینہ تھا، دونوں اسپر چڑھنے لگے، قریب تیس سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ایک چھوٹے سے برآمدہ میں پہونچے جسمیں دو دروازہ لگے تھے، شمی نے ان میں سے ایک دروازہ کھولا، اور اب وہ دونوں لورچیت پور روڈ پر کھڑے تھے، شمی نے کہا "یہ سڑک سیدھی چوراہے کو جاتی ہے، آگے بڑھکر خانقاہ شریف ہے اور وہیں ایک ہوٹل ہے، لو یہ روپیہ، تم سیدھے ہوٹل جاؤ، پھر صبح جہاں دل چاہے چلدینا"
تنویر "نہیں یہ کبھی نہوگا، میں تنہا نہ جاؤں گا"
شمی "ارے چلے جاؤ، ایسا نہو گھر میں کوئی جاگ پڑے تو مشکل ہو جاوے"
تنویر "اچھا پھر تم مجھ سے ملوگی"
شمی "(جلدی سے) ہاں میں وعدہ کرتی ہوں، میں ضرور ملونگی، مگر تم کہاں رہوگے"
تنویر "مجھے راستے نہیں معلوم ہیں، مگر میرے نانا پرنس کامیاب مرزا مٹیا برج میں رہتے ہیں، انکے یہاں گاڑی پر جاؤں گا، تم وہاں ضرور آنا"
شمی "اچھا میں ضرور آؤں گی، کل ہی صبح ۹ بجے آؤں گی، خدا حافظ"
تنویر "خدا حافظ" وہ تیزی سے قدم بڑھاتا خانقاہ شریف آیا، اور یہاں ہوٹل میں جاکر رات بسر کی، شمی آنکھوں میں آنسو بھرے اپنے گھر واپس آئی اور اپنے بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگی، کبھی وہ خود بخود رو رہی تھی اور گاہے تنویر کی سلامتی کی دعائیں خدا سے مانگتی یہانتک کہ اُسے نیند آگئی، چونکہ رات بھر کی جاگی تھی، اسپر آنے جانے کی محنت ایسی سوئی کہ جب تک ماں نے نہ اٹھایا نہ جاگی۔
ماں "شمی، یہ تو نے کیا غضب کیا"
شمی نے دیکھا کہ ماں گنجیوں کا گچھا لئے غصہ میں چہرہ سرخ کئے تھر تھر کانپ رہی ہیں، بچی سہم گئی اور آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی، ماں نے جو روتے دیکھا تو غصہ اور تیز ہو گیا اور ڈانٹ کر

یہ تو بجھے کیا لگی تھی، تو نے تنویر کو کیوں بھگا دیا، بیوقوف بولتی نہیں"
شمی" وہ بیچارہ اپنی ماں کو دیکھنا چاہتا تھا، میں نے کیا برا کیا جو راستہ بتا دیا"
ماں" ہاں ایک بیچارہ اور ایک تم، کم بخت، بڑی رحم دل ہیں، تجھ سے کہا کس نے تھا کہ تو اس موذی کے کمرہ میں جاتی"
شمی" میں اپنی خوشی سے گئی تھی"
ماں" (تھپڑ مار کر) دیکھوں تو تیری خوشی۔
جسنے کبھی ٹیڑھی نظر نہ دیکھی ہو، کوئی تیز بات نہ سنی ہو، پھول کی چھڑی سے یہ پھینی پٹی ہو وہ بھلا اتنی مار کیوں برداشت کرنے لگی، چارپائی پر تڑپ گئی، اور بلبلا کر رونے لگی، ماں کی مامتا پھر عود کر آئی مگر مصلحت دیکھکر خاموش ہو گئی اور چپ چپ دوسرے کمرہ میں چلدی" یہاں شمی بڑی دیر تک روتی رہی، پھر خود ہی اٹھی، ہاتھ منہ دھویا، کپڑے نئے تبدیل کئے، اور چپ چاپ صندوقچہ سے کچھ روپیہ نکالکر بازار چلدی، جمیلہ کے غصہ نے نوکروں کو بھی ڈرا دیا تھا سب بیٹھے دیکھا کئے مگر کسی کو اتنی جرات نہ ہوئی کہ بڑھکر پوچھتا "بیٹی کہاں جاتی ہو؟" جمیلہ نے بھی یہ خیال کیا کہ اسوقت رو کر اٹھی ہے، دل بھرا ہے، اگر ذرا چھیڑوں گی تو پھر بھپر جائے گی اور یوں جو ذرا بازار کی سیر کر آوے گی تو دھیان بٹ جاوے گا، غرضکہ شمی چورا ہے پر آئی، ٹرام گاڑی پر بیٹھکر خضرپور پہونچی، وہاں گاڑی کرایہ کرکے مٹیا برج آئی، جسوقت وہ پرنس دلاور جاہ کے یہاں اتری تھی اسوقت دس بج رہے تھے اور تنویر پھاٹک پر کھڑا راستہ دیکھ رہا تھا، جیوں ہی دونوں کی نظریں دو چار ہوئیں اپنی اپنی مصیبتیں بھول گئے، شمی ہنستی ہوئی گاڑی سے اتری اور تنویر کا ہاتھ پکڑ کر کہا "تم خیریت سے اپنے نانا کے یہاں پہونچ گئے میری تو جان لگی تھی، رات بھر دعائیں مانگتے گذرا"
تنویر" مجھے بھی اسوقت تک تمھاری یاد تھی، مگر شکر خدا کا کہ تم اپنے وعدہ کی سچی ہو"
شمی" تو بھلا تمھارے پیچھے تو میں نے مار کھائی، اب بھی نہ آتی"
تنویر" مار کھائی، خدا کرے وہ ہاتھ ٹوٹیں جو تم پر اٹھتے ہوں"
شمی" (جلدی سے) ہاں ہاں یہ نہ کہو، مجھکو امی نے مارا تھا، انکو نہ کوسو"
تنویر نے گاڑی کا کرایہ ادا کیا، اور دونوں پھاٹک میں داخل ہوکر ایک عالیشان محل میں آئے، بڑی نشست گاہ میں حضور شاہزادی صاحبہ تشریف رکھتی تھیں، شمی نے بڑے ادب سے

جھکا کر تسلیم کی، پھر تھوڑی دیر بعد دونون ایک علحدہ کمرے مین گئے، جہان تنویر نے کہا "تم کو امی نے کیون مارا؟"

شمی "اجی مارا تو کیا کیا، بس معلوم ہو گیا امی کو میری محبت نہین"

تنویر "پھر تم یہان کیسے آئین؟"

شمی "آئی کیونکر، کسی کمبخت نے نہ پوچھا نہ ٹوکا، مین چپ چاپ چلی آئی، اب کبھی تو امی جان کے پاس جاؤن گی نہین"

تنویر "تو کیا میرے ساتھ رہوگی؟"

شمی نے شرما کر سر جھکا لیا اور دزدیدہ نظرون سے تنویر کو دیکھا"

باب (۱۱)

سراغرسان

مشتاق احمد جب کلکتہ پہنچا تو وہ سندریہ پٹی مین ایک مکان کرایہ پر لیکر رہنے لگا، سب سے پہلے تو اُسنے نواب بیگم صاحبہ کا علاج میڈیکل کالج مین کرایا، ایک ہفتہ بیگم صاحبہ کی طبیعت درست اور گئے ہوے حواس واپس آگئے۔

بیگم "مشتاق! تم مجکو لیکر کہان آئے ہو؟"

مشتاق "(نہایت تعظیمانہ لہجہ مین) حضور آپ کلکتہ مین تشریف رکھتی ہین"

بیگم "اوہو! کلکتہ مین، ہائے ان ظالمون نے جلاوطن بھی کر دیا، تم کیسے پھنسے"

مشتاق "حضور اب ان ظالمون کے قبضہ مین نہین ہین"

بیگم "(خوش ہو کر) کیا کہا"

مشتاق "ہان حضور، مین نے آپ کو رہا کرا لیا، انشاء اللہ عنقریب وہ ظالم بھی گرفتار ہو جائین گے"

بیگم "تو تم مجھے میرے مامون جان کے یہان لے چلو"

مشتاق "ہان مین بھی یہ خیال کر رہا تھا کہ آپ کی طرف سے اطمینان ہو جائے تو تنویر و بلقیس کی

فکر مین ہکادن"

بیگم" (آہ سرد بھر کر) ”خدا معلوم ان بیچارون پر کیا گذری“

مشتاق" یہ تو مجھے معلوم نہین"

بیگم"حضور کے ماموں جان کہان تشریف رکھتے ہین۔

مشتاق"حضور، اسم مبارک معلوم ہے"

بیگم" ہان، پرنس کامیاب مرزا مظفر قدر بہادر"

مشتاق" بس، بس، اب پتہ معلوم ہوجائیگا، مین گاڑی لاتا ہون، مٹیا برج چلتے ہین کیونکہ شاہزادگان بالعموم وہین رہتے ہین"

بیگم"جیسی مرضی ہو، بیٹا تم نے میری خاطر بہت تکلیف اٹھائی، داروغہ جی اب کیسے ہین؟"

مشتاق" حضور کی دعا شامل حال ہو، تکلیف کیا، ہمارا تو یہ فرض تھا"

بیگم" خدا تم لوگون کو تندرست سلامت رکھے، تم نے حق نمک ادا کر دیا"

مشتاق خاموش اٹھا ہوا بازار گیا، ایک فٹن کرایہ پر کی اور بیگم صاحبہ کو لیکر مٹیا برج روانہ ہوا، جسدن تنویر شکوہ اپنے نانا کے دولتکدہ پہ آیا تھا، اسکے دوسرے دن بیگم صاحبہ ۱۰ بجے دن کے پہنچی، گاڑی پرنس دلاور جاہ بین کے پھاٹک پر کھڑی ہوئی، پالکی لگائی گئی بیگم صاحبہ ایکمرتبہ پھر اپنے میکے مین رونق افروز ہوئین،

بچھڑے ہوے ماں بیٹے کی ملاقات ایک دردناک نظارہ تھا، بیگم صاحبہ نے تنویر کو سینہ سے لگا لیا، کسی طرح علحدہ نہ کرتی تھین، آنسوؤن کی جھڑی لگی، اسوقت بلقیس کی یاد بھی آرہی تھی، اور اسکی صورت نظرون کے نیچے پھر رہی تھی، شاہزادی صاحبہ بہادر نے فورا صدقہ اتارنیکا حکم دیا، امام باڑہ شاہی مین مجلس ہوئی،

بیگم صاحبہ نے شمی کو گود مین لیا، پیار کرتی رہین، کبھی اسکی بھولی صورت کو دیکھتین گلا سے اسپر صدقہ نثار ہوتین، محبت تھی کہ امنڈی چلی آتی تھی،

تنویر شکوہ باہر مشتاق کے پاس آیا، اپنی بیتی سنائی، ان کی رہائی کا قصہ سنا، پاٹن کے ظلم کی داستان سُنی، ڈچیا کی ماہیت، فرخ کا قتل، اسمعیل کی عیاری بڑے غور سے سنتا رہا،

مشتاق" میری تو یہ راے ہے کہ ہم اس معاملہ کو باقاعدہ کرنا تھ گورنمنٹ کے ہاتھ مین دیدین"

تنویر "یہ کون صاحب ہین"
مشتاق "سی، آئی، ڈی کے انسپکٹر اور بہت مشہور اور تجربہ کار ہین"
تنویر "ان کا پتہ آپ کو معلوم ہے"
مشتاق "اگر نہین معلوم ہے تو معلوم ہو جائیگا، مین آج ہی انگلشمین مین اعلانی اشتہار دئے دیتا ہون"
تنویر "اسمین کیا لکھئے گا"
مشتاق "یہی کہ ہم لوگون سے ایک سنگین معاملہ کی بابت مع پتا برنج مین ملاقات کرین"
تنویر "اچھا تو ہے، آپ آج ہی اشتہار دیدین"

تنویر نے جو کچھ مشتاق سے سنا تھا اسپر رات بھر غور کرتا رہا، اسکو ایک لمحہ کو بھی نیند نہین آئی آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ڈبیا کی ماہیت اور خواص دریافت کرنا چاہیے۔

صبح کو جیسے ہی وہ اٹھا فوراً سیدھے نانی جان کو تسلیم کی

"آپ کے یہان کتب خانہ تھا، وہ کہان ہے؟"

"بیٹا کتب خانہ تو اب بالکل نہین رہا، اگلے سال پرانی کتابین چوری ہوگئین، جو کچھ ابا جانی کے صندوقچہ مین رکھی تھین وہ باقی رہ گئین"

"(اشتیاق سے) میری اچھی نانی، وہ کہان ہین، ذرا مجھے دکھا دیجئے"

شاہزادی صاحبہ نے ایک کمرہ کی کنجی دی اور کہا اس کے اندر سبز صندوق مین رکھی ہین، تنویر کنجی لیکر کوٹھری مین آیا، کھولا، صندوق کھولا، دیکھا کہ بہت سی کھائی ہوئی چند کتابین نہایت بے ترتیبی سے پڑی ہین، ایک مطلا مجلد کشمیری پتا بازار تھا، آخر نامہ محمد حسین کشمیری کا لکھا تھا سنہری جدول کا تھا جسمین جا بجا نہایت دلکش تصاویر بھی تھین، اسی طرح کی چند کتابین اور بھی تھین منجملہ ان کے ایک کتاب موسومہ "نشاط الخمین" تھی جس مین محلات شاہی کی دلچسپ صحبتون کا ذکر بہ عنوان شایستہ تھا، تنویر اس کتاب کو غور سے پڑھ رہا تھا کہ سلطان غازی الدین حیدر کے عصر کا حال نظرون کے روبرو آ گیا، ذیل کی عبارت کا پڑھنا تھا کہ خوشی سے اچھل پڑا"

"... روز سہ حضرت ظل سبحانی خلد اللہ ملکہ قبلہ حقیقی ترول اجلال فرمود، مجھ نشریف آوری جہان پناہ آداب سلام بجا آوردم، چند کہ مرا این شرف ملازمت بار اول اتفاق افتاد

حضرت ظل سبحانی بہ الطاف خسروانہ خزینۂ گنبد زرد ارزانی داشتہ فرمود کہ این عطیۂ شاہی مخصوص بذات شماست، و بعدہ، نواب معتمد الدولہ عماد الملک را حکم فرمود کہ مرا برائے معائنہ این گنج ببرد"

فی الجملہ نواب موصوف الصدر مرا یکہ و تنہا گرفتہ توئے قصر ہمایون فرود آورد، از گوشۂ شمال و مشرق زنجیر آہنی کشیدہ، دریچہ نمود ارشد، داخل شدیم و دیدیم کہ در حجرۂ تاریک ایستادہ ایم، نواب دروازہ اول را پیش کردہ یک تختہ سنگ از فرش حجرہ بالا گرفت، و یک چاہ پیدا شد کہ اندرونش زینۂ چوبی بود، فرود آمدیم، بعد طے کردن مسافت آن چاہ مرغزارے بنظر آمد کہ در وسطش عمارتے لاجواب و بے مثل استادہ بود، این عمارت مثمن بطرز چنان دلکش و دلفریب است کہ چون نظر مردم بر آن می افتد، معلوم میشود کہ گل ہزارہ بہ ہزار طرز خوبی شگفتہ"

اندر دروازہ مغربی در آمدیم ہر حجلہ را معائنہ کردیم، ہمہ از آرائش گوناگون و بے مثل بوقلمون آراستہ بودند، بعد از آن نواب در تالار آمد، اینجا یک پارہ سنگ ابلق کہ عوام سنگ سماق میگویند، بود، نواب از جیبش قفلی نقرہ بر آورد، مطلا بنگار بود، آنرا از پارۂ سنگ مس کرد، فی الفور آن قفل باز شد، و از درونش دو آئینہ مصفا بجلوہ آمد، نواب آئینہ بالا را مقابل شعاع آفتاب کرد، چون عکس آئینہ بر دیوار افتاد، صدائے مہیب برانگیختہ دوری ہو ہو، از دیدن این طلسمات بر من حیرت و تعجب طاری شد"

چون در آمدیم دیدیم تالار گنبد نما، کہ با آب سیم و زر .... در ہر مقامے در آنجا صندوقچہا بر منبرہائے بلوری ترتیب یافتہ بود، نواب ہر یک را از این صندوقچہا باز کرد، و دیدیم یاقوت رمانی و لعل بدخشانی بہ بسیار خوش اسلوبی نہادہ شدہ اند، نیلم و پکھراج ہم بودند، خلاصہ این صندوقچہا از در شاہوار بحرین و از گوہر ابدار سیلانی پر بودند، بمجرد مشاہدہ کردن این جواہرات چشمہائے من خیرہ شد، بعدہ،

ہمان ترکیب کہ بیان کردم مراجعت نمودیم، برائے یافتن این گنج و میسر کردن این گنبد زرد وجود قفل لابدی است، و یاد داشتن این نقش بزرگ کہ بر پارۂ سنگ کہ در فرش حجرۂ تاریک چسپیدہ است، منقش است ضروریست"

تنویر نے اس نوشتہ کو کتاب سے نکال لیا اور نہایت احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا۔

ادھر مشتاق نے بذریعہ اخبار انسپکٹر گھوش کو طلب کیا، اور صورت واقعہ بیان کی، انسپکٹر بڑے غور سے اس مسئلہ کو سنتا رہا، بعد ازاں وہ لفافہ لیکر روانہ ہو گیا،

اب ہم ناظرین کو ایک بار پھر جمیلہ کے مکان پر لیے چلتے ہیں، تنویر کے غائب ہو جانے سے اسکو ایک قسم کا تردد پیدا ہو گیا، پہلے تو وہ چاہ مخفی کے ذریعہ سے اس کمرہ میں آئی جہاں تنویر نے پہلی مرتبہ دو آدمیوں کو بیہوش کیا تھا، کمرہ اندر سے بند تھا، اور وہ دونوں آدمی بدستور بیہوش پڑے تھے، لیکن انکے چہروں کا رنگ زرد پڑ گیا تھا، نبض کی روانی میں سستی پیدا ہو گئی تھی، دل کی حرکت میں کمی محسوس ہوتی تھی، شکم پشت کو لگا تھا، دماغ خراب ہو چلا تھا، چہرہ پسینہ کے قطرے ڈھلک رہے تھے، صورت سے بدحواسی اور دہشت ٹپک رہی تھی،

جمیلہ نے فوراً ہوش آور دوائیں حلق میں ٹپکائیں، کپڑے اتارے، برانڈی کا جام پلایا، مولی کے بیج جوش کر کے نمک ملا کر گرم گرم پلائے، خدا خدا کر کے دونوں کو استفراغ ہوا، دماغ کی گرمی کم ہوئی، پھر بھی حواس گم رہے، جمیلہ تو اپنا قصہ بیان کرے اور وہ دونوں لامعنی جواب دیں، آخر وہ دونوں کو نیچے کے مکان میں لیگئی، اور علاج کرنے لگی، اس واقعہ کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون مسٹر پاٹن کو دیدی،

ٹیلیفون دیکر، مریضوں کو کمرہ میں لٹا کر وہ دالان میں بیٹھی ہے کہ بیٹی کا دھیان آیا،

"نوری، شمی کہاں ہے؟"

"ابھی تک تو بازار سے واپس نہیں آئی ہے"

جمیلہ "ہائیں، واپس نہیں آئی، اور تم بیٹھی بیٹھی رہیں"

نوری "جی میں نے دو آدمی تلاش کرنے کو روانہ کیے، دونوں ناکام واپس آئے، اب پھر گئے ہیں بھلا اتنے بڑے شہر میں کیسے پتہ لگ جائیگا۔

جمیلہ، ہے ہے، میری شمی، میری بیٹی، میری جان"

رونے لگی، نوری سمجھا رہی تھی مگر مامتا کی آنچ کہیں کم ہوتی ہے، ضبط نہو سکا، رو دھو کر خود لباس بدل تلاش کرنے نکلی، دن بھر شہر کا گشت لگایا کی، رات بھر دیوانوں کی طرح پھرا کی، جہاں جہاں گمان تھا، وہاں پہنچی مگر شمی گل بجا دی تھی، اسکا پتہ نہ لگنا تھا نہ لگا،

دو دن گذر گئے، تیسرا روز تھا بارہ بجے وہ شمی پور میں ایک پارک کے اندر بیٹھی پریشان

جمیلہ" (جھلکر) شمی شمی اور تمہارے یہان"
نوجوان "بیشک، وہ بہت بھولی لڑکی ہے اور مجھے اس سے انسیت ہوگئی ہے، کیونکہ اس نے مجھے دو اور آدمیون کا پتہ بھی دیا ہے جو کلکتہ کے مشہور بدمعاشون مین سے ہین"
جمیلہ "وہ کون ہین اور کہان ہین؟"
نوجوان "گردھاری اور ہمنیل، آپ کے مکان کے اندر ہین اور جنھون نے پچھلے سال مال گودام سے اسی ہزار کا مال غائب کیا تھا"
جمیلہ (چین بجبین ہوکر) مین بالکل ان سے ناواقف ہون، میرے یہان اس نام کا کوئی آدمی نہین ہے"
نوجوان "ممکن ہے کہ کبھی آپ کے یہان آئے ہون اور آپ بھول گئی ہون"
یہ کہکر اسنے دو فوٹوگراف نکالے اور جمیلہ کے سامنے کردئے جونہی جمیلہ کی نظر تصویرون پر پڑی وہ حیرت زدہ ہوکر ادھر ادھر تکنے لگی، اسکے چہرہ کا رنگ سفید پڑگیا تھا اسکی نظرین مایوس تھین،
نوجوان "بس اب راز افشا ہوگیا ہے، تم کو خاموشی سے چلی چلنا چاہیے"
جمیلہ بغیر ایک حرف کہے نوجوان کے ہمراہ ہولی، نوجوان نہر کے کنارے تک پیدل آیا، وہان سے گاڑی کرایہ کرکے لورچیت پور روڈ آئے، جمیلہ نوجوان کو لیکر ایک دوکان مین داخل ہوئی جس کے اوپر ایک تختہ لگا تھا اور جس پر جی جی اینڈ کو لکھا تھا۔ نوجوان نے اول ہی نظر مین ان حرفون کے معنی معلوم کرلئے، وہ مسکراتا ہوا داخل ہوا اور رہتا ہوا زینہ پر چڑھ گیا، جمیلہ خفیہ راستہ سے نوجوان کو ایک آراستہ کمرہ مین لائی،
جمیلہ "اب تم کیا چاہتے ہو؟"
نوجوان "وہ دونون بدمعاش کہان ہین؟"
جمیلہ (منت آمیز لہجہ مین) اگر تم مجکو ایک گھنٹہ کی مہلت دو تو مین دونون کو حاضر کردون"
نوجوان "مین تم کو ایک سکنڈ کو تنہا نہین چھوڑ سکتا"
جمیلہ "تو ان آدمیون کا ملنا محال ہے"
نوجوان "نہین تمہارا نقصان ہے، اول تو مجھے اس مکان کے دو راستہ معلوم ہین ایک تو مجھے شمی نے بتایا ہے اور دوسرا تنویر نے"
جمیلہ "اُف غضب ہوگیا"

نوجوان "سنو، مین ان دونون بدمعاشون کو یقیناً گرفتار کرلونگا، کیونکہ وہ بیہوش ہین اور اگر نہ بھی بیہوش ہون تو بھی دو ہفتہ تک بھاگنے کے قابل نہین ہوسکتے، غرضکہ وہ میرے قبضہ مین ہین، اس صورت مین اگر تم نے ان کو پوشیدہ کرنے یا کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کی تو تم خود بھی ماخوذ ہوگی اور پھر تمھاری شمی بھی تم کو تاعمر نہین ملیگی، بولو، تمنے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

جمیلہ "تم مجھ پر بہت ظلم کررہے ہو؟"

نوجوان "جو کچھ بھی ہو، پھر بھی یہ ان ظلمون سے کم ہے جو ابھی تک ہوچکے ہین"

جمیلہ "وہ ظلم کیا ہین، مین نے تو کسی پر ظلم نہین کیا"

نوجوان "درست ہے، شمی تمھارے بیان سے غائب ہوگئی، کلیجہ پکڑے پکڑے بیٹھی ہو، بھلا خیال کرو اور غور کیجے دل پر کیا گذرتی ہوگی جسکی دونون اولادین زبردستی چھین کر مصیبت کے حوالہ کردی گئی ہون"

جمیلہ "خوب، مجھے شمی کی محبت ہے، لیکن نہ اسطرح کہ بغیر اسکے زندگی ہی بسر نہ کرسکون، وہ میری لڑکی نہین محض پرورش کی محبت، اگر خدانخواستہ وہ مرجاتی، تو مین کیا کرتی، اسوقت تو اتنا بھی بیقرار نہ ہوتی"

نوجوان "شمی تمھاری لڑکی نہین ہے، اسکے کیا معنی؟"

جمیلہ (ٹھہر کر) "اگر تم مجھے دو منٹ تنہائی کی اجازت دو تو مین اس راز کو افشا کردون"

نوجوان "اور تم دو منٹ کیواسطے کہان جاؤگی"

جمیلہ "کہین نہین، تم اسی کرسی پر بیٹھے رہنا، مین اس کرہ مین ٹہلونگی، تاکہ سنبھل اور ...ری کی بابت کوئی رائے قائم کرلون"

نوجوان "مگر پہلے شمی کا حال سنادو"

جمیلہ "سنئے، شمی کا اصل نام شہزادی شمس النہار بیگم ہے، وہ پرنس داراجاہ کی سب سے چھوٹی لڑکی ہے، پاشن نے جب گنبد زرد پر قبضہ کیا، تو اس عمارت سے صرف دو شخص واقف تھے، ایک تو پرنس داراجاہ اور دوسرے خواجہ محمد عقیل، پاشن نے اس عمارت کا خزانہ حاصل کرنے کے واسطے پرنس داراجاہ کو گرفتار کیا، مگر بیسود، کیونکہ جو ذریعہ خزانہ کا دروازہ کھلنے کا تھا وہ شاہزادہ بہادر کے پاس نہین تھا، انھون نے اسکے بتانے سے قطعی انکار کیا، پاشن نے انکو یہ دھمکی دی کہ وہ انکی معظمہ شاہزادی صاحبہ کو قتل کردیگا، غرضکہ نتیجہ یہی ہوا، داراجاہ قید مین رہا، مگر ڈبیا نہ بتائی، اور مظلوم شاہزادی قتل کی گئی، کیونکہ وہ ڈبیا اسکے پاس تھی، جسوقت شاہزادی کو مارا ہے اسوقت شمی کی عمر ۹ مہینے کی تھی، اسکا رونا اور تڑپنا دیکھکر پاشن کو رحم آگیا، وہ اُس کو لیے ہوے میرے پاس آیا،

تاریکی کے آہستہ آہستہ پھیل جانے والی سیاہی نے میلی شب کے چہرہ سے گھونگھٹ اٹھایا، اور سفیدی مین تبدیل ہونے والے نورانی متحرک وجود چاند کی تسلی بخش، تسکین دہ شعاعون نے باغ عالم مین اپنا سکہ جمایا، سردی سے تنگ آکر دنیا کی مخلوق عالیشان محلون کے آرام دہ گرم کمرون مین، پختہ مکانون کی بند کوٹھریون مین، مخملی بسترون پر، گرم بچھونون پر، پیال کے مجموعہ پر، جھونپڑیون کے اندر آرام سے خواب ناز کے مزے لے رہی ہے،

چپہ چپہ خاموش، ذرہ ذرہ ساکت ہے، سکون مطلق کا اثر ہر چیز پر چھایا ہے، مگر عالم محویت مین، حالت استغراق مین، دریا کے کنارے، سبزہ کے اوپر، چاندنی رات مین ایک بارہ برس کی ذات ہے جو پلکون پر ٹھہرے ہوئے قطرون کو ستارون اور تارون کے مقابل لا رہی ہے، کیف بیخودی کی ایک زندہ، حسرت آلود تصویر ہے جو زیر آسمان سرنگون، پریشان کھڑی ہے،

اللہ اللہ موسم سرما کے یہ ٹھنڈے جھونکے، جاڑے کی یہ سرد ہوا، شبنم کی سرد مہری، کہرہ کی آبپاشی ابنائے نوع انسان کے لیے دراز دست قاتل کا کام کر رہی ہے، صاف ستھری چاندنی مین، تارون کے جھرمٹ مین، ماہ فلک کا چاند سا چہرہ اپنے مطلع پر متبسم ہے، اپنی دلربا اداؤن سے اپنی یکتائی پر ناز کر رہا ہے، اسکی پیاری پیاری کرنین، دریا کی ہلکی ہلکی موجون سے ہمکنار ہو کر ہزارون عشوے اور نخرے دکھا رہی ہین، فطرت کا یہ دلفریب منظر، نیچر کی یہ کرشمہ سازیان، کائنات کی یہ پرسکون اٹھکھیلیان، صانع حقیقی کی یہ دلکش ادائین کون دیکھے، البتہ چکور ہے جو فضائے کوہ مین، دامن جبل پر لوٹنے والی چاندنی کی بہار سے متاثر ہو کر اپنی بے چین صدائے اعتراف سے، اپنے نغمۂ دلفریب پر وجد کر رہا ہے، یا ایک غمزدہ طائر خوش نوا ہے جو با دل بریان، خلائے بادیہ مین، تلاش محبوب مین، جستجوئے یار مین "پی کہان؟" "پی کہان؟" کہتا پرواز کر رہا ہے، ذی ستم رسیدہ لڑکا ہے جو لب ساحل دریا کی روانی اور رات کی خاموشی پر غور کر رہا ہے، خدا معلوم اسکے چہرہ کی افسردگی مین، اسکے جذبات باطنی کے شورش انگیز اثر مین کونسا دلگداز نغمہ، کونسا درد بھرا پیام موجزن ہے کہ بیچین قلب کی لذت آمیز کیفیت گو ہزارون، ہر دل مین تبدیل کر کے دریا بھی اُس کے قدمون پر بوس رہا ہے،

ابھی یہ لڑکا لب ساحل کھڑا تھا کہ دو آدمی خاموشی سے اسکی طرف بڑھے اور کان مین جھک کر کہا، لڑکا مسکراتا ہوا ایک طرف کو چلدیا اور آدمی دوسری جانب روانہ ہوگئے اب

منظر میں پھر خاموشی چھاگئی، اور ہوا کے جھونکے سنسناتے ہوئے دریا کی سطح پر سے گذرے
کر ایک کشتی پکے پل سے نکل کر جھاڑی کی چھاؤں میں کھڑی ہو گئی، اسمیں سے وہی لڑکا
اترا اور نہایت تیزی سے سڑک پر آیا، یہاں پل کے اوپر ایک آدمی سائیکل لیے کھڑا تھا
وہ لڑکا سائیکل پر سوار ہو کر مشرق کی طرف چلا، اور بلند باغ روڈ پر ہوتا ہوا رزیڈنسی
کے شمالی ٹیلہ کے قریب آیا وہاں وہ سائیکل سے اترا اور ایک مہین سی سیٹی بجائی، فوراً
ایک آدمی درخت پر سے کود پڑا، لڑکے نے اس آدمی کو کھڑا کیا اور جیب سے ایک پرچہ نکالا،
اور اسکو زمین پر رکھ کر کہا، "تم گز لائے ہو" "ہاں" ایک ڈبیا فیتے کی نکالی، لڑکے نے
اس درخت کی جڑ سے شمالی رُخ ۱۰ گز گز ناپا وہاں پر ایک نشان دے کر ۳ فیٹ جنوب و مغرب
کو جھکا، وہاں پھاوڑہ لیکر اس آدمی نے گڑھا کھودا، ایک گز گہرا گڑھا کھدنے کے بعد پختہ
زمین نمودار ہوئی لڑکے نے سائیکل سے بارود کی ایک تھیلی نکالی اور اس سرنگ میں بارود رکھکر
آگ لگادی ایک دھماکا ہوا اور زمین کا طبقہ ہوا میں اڑ گیا، ایک غار نمودار ہوا، چند منٹ کے
وقفہ کے بعد لڑکا اور وہ آدمی دونوں اسکے اندر کود پڑے!

یہ ایک سرنگ تھی جو درمیان سے توڑی گئی تھی لڑکا اور وہ آدمی دونوں اس سرنگ
میں روانہ ہو گئے، برقی لمپ ہاتھوں میں لے لیا تھا، اور نقشہ دیکھتے ہوئے جنوب کی طرف بڑھتے
چلے جارہے تھے یہاں تک کہ سرنگ ختم ہو گیا اور دروازہ نمودار ہوا، لڑکے نے نہایت آسانی سے
اس دروازہ کے قفل کو کھول لیا کیونکہ اسکی جیب میں شاہی کنجیوں کا گچھا تھا جس کو وہ بیا برج
سے اپنی نانی کے یہاں سے اپنے ہمراہ لایا تھا، دروازہ کھلنے پر وہ ایک حجرہ میں داخل ہوئے یہ
وہی کمرہ تھا جسمیں نواب اعتماد الملک اول مرتبہ ملکہ جہاں کو خزانہ کی سیر کراتے وقت لایا تھا
یہاں لڑکے نے آدمی کی مدد سے ایک پتھر کی چٹان کو اوپر اٹھایا، جو حجرہ کے فرش میں اسطرح جڑی
تھی کہ اجنبی اسکو محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ اسکے نیچے کوئی زینہ ہے، جب تک وہ اس چٹان کے
نقش پر غور نہ کرے، برآمد نہیں ہو سکتا چنانچہ جیسے ہی چٹان اٹھی، ایک گنوے کا منہ پیدا
ہوا، اسکے اندر ایک چوبی زینہ تھا، دونوں اس زینہ میں اترے اور نہایت اطمینان سے
راستہ طے کرنے لگے، زینہ کے خاتمہ پر کوئی مرغزار تو نہیں ملا البتہ چند جرذون کی ہڈیاں
کھوپڑیاں، خس و خاشاک کے ڈھیر نظر آئے، سامنے گنبد زرد کی عمارت دکھائی دے رہی
تھی، جس کے اوپر پختہ اور نہایت مضبوط چھت کھڑی تھی جو آہنی شہتیروں اور پتھر کی لاٹوں پر

سدباہی تھی اگرچہ نوشتے مین اسکا ذکر تین تھا، لیکن لڑکا اس جھت کو دیکھکر متعجب نہین ہوا کیونکہ وہ اپنی فراست کی تیزی سے جانتا تھا کہ اسمین بھی ایک خاص مصلحت تھی،

اب ہم لڑکے اور اس نوجوان آدمی کو گنبد زرد کے سامنے کھڑا ہوا چھوڑ کر اس گنبد کے رہنے والون کا ذکر کرتے ہین۔

اسی کمرہ مین جسمین ہم ایک مرتبہ نقیس اور سردار کو دیکھ چکے ہین، اسوقت وہی سردار خونی صورت تلوار ہاتھ مین لئے کھڑا ہے، پہلو مین جمیلہ سرخ چہرہ کئے کھڑی ہے، انکے سامنے ایک ضعیف العمر آدمی سر جھکائے بیٹھا ہے، یہ آدمی اگرچہ ضعیف العمر معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت اسکی عمر چالیس سال سے زیادہ کسی طرح نہین ہے، اسکی آنکھون سے مایوسی اور دکھون سے آنسو ٹپک رہے ہین، مگر چہرہ پر ایک خاص قسم کا رعب اور وجاہت برس رہا ہے، اسکی گھونگر والی کاکلین اس عالم غربت مین بھی بل کھاتی شانون پر پیچ و تاب کھا رہی تھین،

سردار "شاہزادہ صاحب یہ آخری حکم ہے"

شاہزادہ "مکار دغاباز، میرے سامنے سے دور ہو، اس کمبخت ناشدنی کو میری نظرون کے روبرو سے ہٹا دو، اسوقت تجھ سے گفتگو کرنا،

جمیلہ خاموشی سے کمرہ سے باہر چلی جاتی ہے، اور سردار پھر مخاطب ہوتا ہے "فرمائیے"

"میرے واسطے موت بہتر ہے، مین مرتے دم تکبھی اس راز سے آگاہ نہین کرونگا، تو خود بھاگ کر اپنا قید ہونا گوارا کر لیا، شاہزادی مرحومہ کا قتل ہونا منظور کر لیا، مگر

"اس راز کو نہ بتایا، تو اب کیونکر بتا دونگا اور پھر ایسی حالت مین کہ وہ کمبخت تیرے پہلو مین ہے، یہ بھی کیا تھا کہ اس نے مجھ سے معلوم بھی کر لیا کہ مین اس راز سے آگاہ ہون، مگر افسوس سچ کہا ہے کہ کم اصل سے وفا نہین، اور اصل سے خطا نہین، وہ بیچاری مجھ پر قربان ہو گئی، اور اس کمبخت نے میری جان لی،"

سردار "اس فضول گفتگو سے کیا فائدہ ہے"

شاہزادہ "فائدہ، اے کمبخت تو بھی آگاہ ہوجا، خوب یاد رکھ کہ یہ رذیل اور کم اصل ہے ایک دن تجھے بھی دغا دیگی"

ایک سنسنی چلا اور سب افسر ہی ایسے شاہزادہ صاحب دوہائے کھکر فرش پر لیٹ گئے، سردار حیران ہوکر دیکھنے لگا تو جمیلہ کو غصہ مین تھر تھر کانپتا ہوا سامنے کھڑے پایا۔

سردار" یہ کیا کیا؟"
جمیلہ" جو کرنا چاہئے تھا خوب ہوا، اچھا ہوا، جلدی فکر کرو۔"
سردار" کاہے کی، تم کیوں گھبراتی ہو؟"
جمیلہ" تنویر گنبد کے سامنے کھڑا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اسکو راستہ معلوم ہو گیا ہے۔
سردار" (ہنسکر) کچھ فکر نہیں، ہم کو اس کا دوسرا راستہ معلوم ہے۔
جمیلہ" کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت گذر جائے اور ہم گرفتار ہو جائیں۔"
سردار" ہرگز نہیں"
جمیلہ" آخر اب کیا کرو گے؟"
سردار" آؤ نہ، تم نے شاہزادہ کو بیگناہ قتل کر کے معاملہ کو طول دیدیا؟"
جمیلہ" میں اپنی نسبت ایسے ہتک آمیز الفاظ سننا گوارا نہیں کر سکتی تھی"
سردار" اچھا اس ناشدنی لڑکی کو لاؤ۔"

جمیلہ وہاں سے چلدی اور سردار کمرہ میں ٹہلنے لگا، پھر اس نے کھڑکیوں پر سے پردے کھینچ لئے، ان کھڑکیوں میں آئینہ لگے تھے، نیچے کی الماری کے آئینہ سے تین کمروں کا حال روشن ہوتا تھا اور اوپر کی کھڑکی سے باقی چار کمروں کا،

پندرہ منٹ بعد جمیلہ بلقیس کو لیے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئی، بلقیس کی نظر جیسے ہی پرنس دارا قدر کی لاش پر پڑی ایک چیخ مار کر گر پڑی، ساتھ ہی اسکے سردار نے ہنسکر کہا "جمیلہ تنویر پہلے کمرہ میں آگیا ہے، تم ادھر آؤ، مجھکو بتاتی جانا، میں اس لڑکی سے کچھ گفتگو کرلوں، جمیلہ کھڑکی کے قریب کھڑی ہو گئی۔

سردار" بلقیس! تم نے دیکھا کہ جو میرے ساتھ ضد کرتا ہے، اسکا یہی انجام ہوتا ہے؟"
بلقیس" افسوس، یہ خبر نہ تھی کہ تیرے ظلم کی حد نہیں"
سردار" بیشک، اگر تم نے تنویر کے آتے آتے مجھکو اس راز سے آگاہ نہ کر دیا تو یقیناً اس پستول کی گولی تمھارے سر کو توڑ دیگی۔"
بلقیس" اچھا میں تجھکو راز بتا دوں گی بشرطیکہ تو میرے ہاتھ پیر کھولدے۔"
سردار" (ہنسکر) اوہ میں نے تمھارے ہاتھ پیروں میں ہتکڑیاں بیڑیاں اس واسطے نہیں ڈالی تھیں کہ مجھے تم سے کچھ خوف ہے، یا تمھارے بھاگ جانے کا ڈر ہے، تو میں ابھی

کاٹے دیتا ہون" اسنے یہ کہکر اسکو آزاد کر دیا"

بلقیس وہان سے اُٹھکر بلوری میز کے قریب آئی اور اس کے ایک گوشے پر ہاتھ رکھکر کھڑی ہوئی اور کہا" افسوس کہ اگر کچھ دیر قبل آزاد ہو جاتی تو اس شاہزادہ کا خون نہونے پاتا افسوس مجھے کیا خبر ہے کہ مرحوم نے مجھے اس غرض سے اس راز سے آگاہ کیا تھا کہ مین اپنی جان بچاؤن"

جمیلہ" اوہو، جلدی کرو، دوسرا، تیسرا، اب وہ چوتھے کمرہ مین داخل ہوا چاہتا ہے"

بلقیس" ہان، ہان مین جلدی کرتی ہون"

اسنے اپنے اس ہاتھ کو جو میز پر رکھا تھا زور سے دبایا، اور تمام بوجھ میز پر ڈالدیا، اسقدر جھکی کہ پیر زمین سے اُٹھ گئے، بوجھ کا پڑنا تھا کہ بلوری تختہ نیچے دبا، کمرہ کی عمارت مین زلزلہ پیدا ہوا، دیوارین ہلین، چھت لرزکر گرنے لگی، سردار نے یہ دیکھکر بلقیس پر پستول داغدیا مگر وہ پیشتر ہی سے غائب ہو چکی تھی اور بجائے اسکے جمیلہ خاک پر اپنے خون مین لوٹ رہی تھی"

"ہائے ظالم یہ تو نے کیا کیا؟"

سردار" (جمیلہ پر جھک کر) اُف سخت دھوکہ، میری جان مین نے قصداً تجھ پر پستول نہین چلایا تھا، بلکہ مین نے بلقیس کو نشانہ بنانا چاہا تھا"

جمیلہ" (تڑپتے ہوئے) ہائے میری موت بھی تیرے ہاتھ سے... اُف تیرے ہاتھ سے، ہائے تیرے کس کے واسطے مین نے اپنی آزادی قربان کی، اپنی حشمت و شوکت نثار کی،........ ہائے...... اوئے...... ہائے

اور وہ دم توڑ کر مرگئی، عمارت مین بدستور لرزہ موجود تھا، زمین مین اسی طرح حرکت پائی جاتی تھی، دیوارین ہل رہی تھین، سردار گھبرا کر اُٹھا اور بلند کھڑکی مین کود کر بیٹھا اور غائب ہو گیا وہ بلقیس! مین آگیا، (کمرہ دیکھکر) ہا مین یاش کدھر گیا"

اس آواز کے ساتھ ہی بلوری میز کا اوپری تختہ گھوما اور اسکی گردش کے ساتھ بلقیس باہر نکلتی ہوئی دکھلائی دی، جیسے ہی تنویر نے بلقیس کو میز کے باہر کھڑے پایا، وہ دوڑکر گلے سے لگ گیا، میری پیاری بہن" اور "میرے بھائی" دونون شل ابر نوبہار رونے لگے، جب رونے سے دل کی بھڑاس نکل گئی، تو بلقیس نے پوچھا" یہ کون صاحب ہین"

تنویر" یہ مشتاق احمد ہین، داروغہ جی کے لڑکے ہین"

بلقیس نے شکریہ آمیز نظرون سے مشتاق کو دیکھا اور پھر تنویر کا ہاتھ پکڑکر کمرہ سے باہر

بلقیس یہاں کے ہر دور استون سے واقف ہو گئی تھی، مگر وہ بھولتا آئی اسی رستہ سے باہر آئی اور تینوں آدمی وہاں سے روانہ ہوئے، آئی جس کے ذریعہ سے تنویر اور مشتاق گنبد زرد میں داخل ہوئے تھے، ابھی وجیہ ویرانے تک پہنچے تھے کہ ایک نحیف الجثہ پستہ قد آدمی نے مٹی کے ڈھیر سے نکلکر اپنا پستول داغ دیا، بلقیس نے کہا "یہی پاٹن ہے اور وہ کمرہ میں جو سردار تھا، اسکا نام وو خاقان" تھا، مشتاق یہ جانے نہ پائے اللہ بہتر جانتا ہے، یا سننے والوں کے دل کہ اس حکم میں کیا اثر تھا جس نے مشتاق کو پاٹن ایسے دلاور مشہور ڈکیٹ کے روبرو کھڑا کر دیا، چونکہ دونوں بالکل قریب تھے اور پستول بیکار ہو چکے تھے، پاٹن نے تلوار نکال کر چوہٹی کا ہاتھ لگا تو مشتاق نے خالی دیکر ٹھیکی دی، اتفاق سے وہ کلائی نہ پکڑ سکا اور پاٹن کی تلوار ایسے سر پہ پڑا چاہتی تھی کہ پاٹن کے چہرہ پہ ڈوپٹہ پڑا، اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا، اب جو دیکھا تو بلقیس دوپٹہ کا آنچل پکڑے چاہتی ہے کہ جھٹکا دے اور پاٹن کی گردن کھینچی مگر پاٹن نے بیٹھک ماری اور جست لگا کر نسائی کیطرح بھاگا بلقیس اور تنویر نے قہقہہ مارا اور تنویر نے کہا "اب گھوش بابو دریا میں نہیں چھوڑینگے" تینوں خوش و خرم زینے پر چڑھے حجرہ سے باہر آئے، اور سرنگ کے ذریعہ سے بلی گارڈ کے پاس نکلے یہاں سے لوہے والے پل پر پہونچے دیکھا تو گھوش بابو قیدی کو لیے کشتی سے اتر رہے ہیں،

باب (۱۴)

ہمارے قصہ کو شروع ہوئے ۲ مہینہ گذر چکے تھے، اس سے ایک مدت دراز قبل تک پاٹن نے جو ظلم رعایا پر کئے تھے اسکا نعم البدل یہ ہوا کوشش سے اس مشہور ظالم ڈکیٹ کو پھانسی دیے جانے کا حکم موت صادر ہوا،

چنانچہ...... علی الصباح جیلخانہ کے باہر ایک مجمع کثیر نظر آتا تھا اور لوگ جوق جوق اس ظالم کے آخری انجام دیکھنے کی غرض سے چلے آرہے تھے، ٹھیک ۸ بجے پھانسی گھر کا دروازہ کھلا اور ہر طرف خاموشی کا عالم طاری ہو گیا گویا اس جگہ کوئی متنفس ہے ہی نہیں، جیلخانہ پہ دہشت برسنے لگی، ہوا بھی رک رک کر چلنے لگی کہ قید خانہ کے دروازہ سے جیل سول سرجن نہایت آہستگی سے برآمد ہوئے انکے پیچھے پاٹن اور ہنی تھے، ساتھ ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ اور جلاد آرہا تھا،

مجرموں کے چہرہ کا رنگ فق تھا، ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور اس قدر وحشت و خوف
ان پر طاری تھا کہ وہ بمشکل سے قدم اٹھاتے تھے پیر لڑکھڑاتے تھے، اعضاء جسمی میں ضعف پیدا
ہوگیا ہوش و حواس گم تھے، اتنے میں جلاد نے انھیں تختے پر کھڑا کیا اور ریشمی ڈوری کے
پھندے اُن دونوں کے گلے میں ڈال دیئے، اب انھیں تختے پر کھڑا کیا اور ریشمی ڈوری
کے پھندے اُن دونوں کے گلے میں ڈال دیئے، اب انھیں معلوم ہوا کہ ہم پر کیا گذرنے والا ہے،
ایک حسرت بھری نظر چاروں طرف ڈالی اور ابھی نگاہ واپس بھی نہ آکر حسرت آمیز جبر نہیں ہی
تھی کہ جلاد نے انھیں ٹوپیاں پہنا دیں کیونکہ اب ان کی آنکھیں دیکھنے کے قابل نہیں
رہ سکتی نہیں، ان کی رہی سہی جرأت کافور ہوگئی، اور وہ ابھی ہوش و حواس میں نہ آنے
پائے تھے کہ گھنٹی بجی اور جلاد نے تختے کو جھٹکا دیا، جو علیحدہ زمین پر جا پڑا اور بدنصیب مجرم
بھی تختے کیساتھ نیچے آئے مگر رسی نے انھیں لٹکائے رکھا، یہ نظارہ نہایت دردناک تھا،
مجرم بحالت نزع میں مرغ بسمل کی مانند تڑپ رہے تھے اور ہاتھ پیر مار رہے تھے اور دیکھنے
والوں پر سکتہ کا عالم چھایا ہوا تھا، کوئی کوئی تو رونے لگا تھا، ٹھیک ۸ بجے لاشیں اتاری
گئیں اور سپرد خاک کر دی گئیں۔

مسٹر گھوش اور مشتاق احمد کلکتہ روانہ ہوگئے، گھوش بابو نے نواب بیگم صاحبہ سے
شمی کی اصلی سوانح عمری بیان کر دی اور جو شاہی ہیکل جمشید کے مکان سے بجد تلاشی برآمد
ہوئی تھی، وہ ثبوت میں پیش کر دی، پانچویں دن دردمند دلوں کا قافلہ خوشی خوشی لکھنؤ روانہ
ہوا اور ایک مرتبہ پھر شمی اور لکھنؤ میں طنطنہ نوک جھونک ہونے لگی، جو بعد کو ترقی میں تبدیل
ہو کر شادی ہونے کا باعث تھی، مشتاق احمد نے چونکہ حق خدمت ادا کر دیا تھا لہذا اس کی شادی
بلقیس کیساتھ کر دی گئی اور اگرچہ ظاہرا وہ شاہی خاندان سے نہیں تھا پھر بھی اس کے اصل نسب
اور صحیح النسب ہونے میں کسی کو کلام تھا،

سید انوار حسین رضوی المشہدی بہار

(ختم شد)

Gulam Mohamad.
Nehru Park.
M.A. 2nd Semester (History)
1983 Batch.
P. G. Deptt. of History
University of Kashmir
Srinagar.
190001

بڑی فہرست مفت

امین و مامون - خلافت عظمیٰ بنی عباس کے جلیل القدر کیرکٹر کا خاکہ درباریون کے جوڑ توڑ عربون اور ایرانیون کی سیاسی کشمکش ہارون رشید کے فرزند امین و مامون کا مجادلہ ایرانی پولیٹیکل خفیہ اور پر اسرار انجمنون کی انقلابی جد و جہد معلومات کے خزانے کو مالا مال کرنے والے تاریخی واقعات فراق و وصال۔

شریف زادہ - دنیا مین بہشت کے مزے پاک محبت کی تصویر۔

خونی شہزادہ - سائنس کے کرشمہ حسن عشق کے مناظر شاطرانہ چالین۔

ابن طولون تیسری ہجری صدی کے مصری اسلامی کارنامے۔ دلگداز مناظر مذاق سلیم اردو کی محلاتی زبان قبطیون کا طرز معاشرت اسلام کا انصاف۔

عروس فرغانہ خلیفہ معتصم باللہ کی عہد حکومت کے واقعات۔

فاتح یورپ - یا اسرار دربار نپولین (کانن ڈائل کا ترجمہ) فاتح اعظم نپولین بوناپارٹ کی تحیر خیز کامیابی کا راز اس کی شخصی زندگی کے رنگین اور دلچسپ واقعات دماغی قابلیت حیرت انگیز تذکرے ملکہ جوزفائن اور نامور مدبرون کی قلمی تصویرین۔

فتنہ - پیارے پیارے جھنڈے بالون والے بچے کے کارنامے بھولے پن کی تصویرین بلا ارادہ شرارتون کا مرقع ایک خطا پر پشیمانی دوسری کا ارتکاب ماں باپ اور بہنون کی محبت حسن عشق عاشقون کا جھرمٹ۔

مجبور عاشق - ایک بہت بڑے خاندان کی تباہی کا راز۔

خوش نصیب لڑکی روزافزون کے المناک مصائب، زندگی مین نیک و بد مرقعون کا انکشاف مساعدت دنا مساعدت روزگار کے عبرت آگین و سبق آموز مناظر۔

امریکن نازنین - جذبات قلبیہ و حسیات شباب کا آئینہ بادہ حسن عشق کا لبریز پیمانہ سوز نہاں ربط و ضبط ہجر و وصل کی نظر کش نمائش مذاق سلیم و خیالات عالی کا مرقع۔

طرحدار بنگالن - دانشور بنگالی عورت کے حیرت دلانے والے کارنامے۔ مسٹر کدارناتھ نہرو مشہور ہندوستانی جاسوس کی بے مثل جاسوسیان کنجوس مارواڑی کے ۔۔۔ میں حیرت انگیز چوری۔

مہادیو پرشاد تاجر کتب لکھنو

پہلا باب

سچی قربانی

شام کا وقت ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی سنہری کرنین رنگین شیشون کی راستے ایک انگریزی وضع پر سجے ہوئے کمرے مین جھانک رہی ہین جس سے تمام کمرہ بوقلمون ہو رہا ہے۔ انگریزی وضع کی خوبصورت تصویرین جو دیوارون سے لٹک رہی ہین۔ اسوقت رنگین لباس پہنکر اور بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہین۔ عین وسط کمرہ مین ایک خوبصورت میز ہے۔ جسکے ادھر اودھر نرم مخملی گدون کی رنگین کرسیان بچھی ہوئی ہین۔ انہین سے ایک پر ایک نوجوان شخص سر نیچا کیے ہوئے بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے۔ نہایت وجیہ و شکیل آدمی ہے جسپر انگریزی تراش کے کپڑون نے غضب کا بھبن پیدا کر دیا ہے۔ اسکے سامنے میز پر ایک کاغذ ہے جسپر وہ بار بار نگاہ ڈالتا ہے۔ اسکے بشرہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسوقت اُسکے خیالات اُسے بے چین کر رہے ہین۔ یکایک وہ اُٹھا اور کمرہ سے باہر نکلکر برآمدہ مین ٹہلنے لگا جسمین خوبصورت پھولون اور پتون کے گملے سجا کر دھرے ہوئے تھے۔ برآمدہ سے پھر کمرہ مین آیا۔ کاغذ کا ٹکڑا اُٹھا لیا اور ایک بدحواسی کے عالم مین بنگلہ کے احاطہ مین ٹہلنے لگا۔ شام کا وقت تھا۔ مالی پھولون کی کیاریون مین پانی دے رہا تھا۔ ایک طرف سائیس گھوڑے ٹہلا رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی اور سہانی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر شفق پھولی ہوئی تھی مگر وہ اپنے خیالات مین ایسا غرق تھا کہ اُسکو ان دلچسپیونکی مطلق خبر نہ تھی۔ ہان اُسکی گردن خود بخود ہلتی تھی اور ہاتھ کچھ اشارے کر رہے تھے گویا وہ کسی سے باتین کر رہا ہے۔ اسی اثناء مین ایک بائیسکل [illegible] کے اندر

داخل ہوئی اور ایک نوجوان کوٹ پتلون پہنے - چشمہ لگائے سگار پیتا - جوتے چرمر کرتا اُتر پڑا اور بولا "گڈ ایوننگ مسٹر امرت رائے!"

امرت رائے نے چونک کر سر اوٹھایا اور بولے "او! آپ ہین مسٹر دان ناتھ! آئیے تشریف لائیے - آپ آج جلسے مین نظر نہ آئے"

دان ناتھ - "کیسا جلسہ! مجھے تو اسکی خبر بھی نہین"

امرت - (حیرت سے) این! آپ کو خبر ہی نہین - آج آگرہ کے لالہ دھنک دھاری لال صاحب نے بڑے معرکے کی تقریر کی - مخالفین کے دانت کھٹے کر دیئے"

دان - "بخدا مجھے ذرا بھی خبر نہ تھی - ورنہ مین ضرور جلسہ مین شریک ہوتا مین تو لالہ صاحب کی تقریرون کے سننے کا مشتاق ہون - میری بدقسمتی تھی کہ ایسا نادر موقع ہاتھ سے نکلگیا - مضمون کیا تھا -؟"

امرت رائے "مضمون سوائے اصلاح معاشرت کے اور کیا ہوتا - لالہ صاحب نے اپنی زندگی اسی کام پر وقف کر دی ہے آج ایسا پر جوش خادم قوم اور با اثر شخص اس صوبہ مین نہین - یہ اور بات ہے کہ لوگون کو انکے اصولون سے اختلاف ہو مگر اُن کی تقریرون مین ایسا جادو ہوتا ہے کہ لوگ خود بخود کھنچے چلے آتے ہین - مجھے لالہ صاحب کی تقریرون کے سننے کا بارہا فخر حاصل ہوا ہے مگر آج کی اسپیچ مین کچھ اور ہی بات تھی اس شخص کی زبان مین جادو ہے جادو الفاظ وہی ہوتے ہین جنکو ہم روزمرہ کی گفتگو مین استعمال کرتے ہین - خیالات وہی ہوتے ہین جنپر ہم لوگ یکجا بیٹھکر اکثر بحث کیا کرتے ہین مگر طرز بیان مین کچھ اس غضب کا اثر ہے کہ دلون کو لبھا لیتا ہے"

دان ناتھ کو ایسی نادر تقریر کے نہ سننے کا سخت افسوس ہوا - بولے یار مین بڑا بدقسمت ہون - افسوس اب ایسا موقع پھر ہاتھ نہ آئیگا - کیا اب کوئی اسپیچ نہوگی -

امرت رائے "امید تو نہین کیونکہ لالہ صاحب آج ہی لکھنؤ تشریف لیجا رہے ہین

دان ناتھ "کمال افسوس ہوا اگر آپنے اس تقریر کا کوئی خلاصہ کیا ہو تو مجھے دیدیجیے - ذرا دیکھکر تسکین کر لون"

امرت رائے نے وہی کاغذ کا ٹکڑا جسکو بار بار پڑھ رہے تھے دان ناتھ کی ہاتھون مین دیدیا اور بولے اثنائے تقریر مین جو جملے مجھے نہایت اچھے معلوم ہوئے اُن کو

نقل کرلیا - ایسی روانی مین لکھا ہی کہ شاید بجز میرے اور کوئی پڑھ بھی نہ سکے -
دیکھیے ہمارے روسا و مقتدایان قوم کی غفلت و بے پروائی کو کیا بیان کیا ہے -
"حضرات! سب خرابیون کی جڑ ہماری لاپروائی ہے - ہماری حالت بالکل
نیمجان مریض کی سی ہی جو دوا کو ہاتھ مین لیکر دیکھتا ہے مگر منھ تک نہین لے جاتا
ہان صاحبو! ہم آنکھین رکھتے ہین مگر اندھے ہین ہم کان رکھتے ہین مگر بہرے ہین ہم
ہم زبان رکھتے ہین مگر گونگے ہین اب وہ زمانہ نہین ہے کہ ہم کو اپنی معاشرت
کے نقائص نظر نہ آتے ہون - ہم تمام اچھی باتون کو جانتے ہین اور مانتے
ہین - مگر جسطرح مسائل اخلاقی پر ایمان رکھکر بھی ہم گمراہ ہوتے ہین خدا کے
وجود کے قائل ہوکر بھی منکر بنتے ہین - اسیطرح اصلاح تمدن کے مسائل سے
اتفاق رکھتے ہین مگر اسپر عمل نہین کرتے"
امرت رائے نے بڑے پرجوش لہجہ مین یہ عبارت پڑھی جب وہ خاموش ہوئے
تو دان ناتھ نے کہا "بیشک خوب فرمایا ہے - بالکل ہمارے حسب حال ہے"
امرت رائے "جناب من مجھکو سخت افسوس ہے کہ مین نے ساری تقریر کیون نہ نقل
کرلی - اردو زبان پر ایسے ہی وقت غصہ آتا ہی کاش انگریزی تقریر ہوتی تو صبح
ہوتے ہی تمام روزانہ اخبارون مین شایع ہو جاتی نہین تو شاید کہین خلاصہ رپورٹ
چھپے تو چھپے (ایک لمحہ کی خموشی کے بعد) کیسے گرم الفاظ مین تحریک کی ہے کہ
جب جلسہ سے آیا ہون وہی صدائین برابر کان مین گونج رہی ہین - بھائی
ڈیردان ناتھ! آپ میرے خیالات سے واقف ہین آج کی اسپیچ نے ان خیالات
کو عملی صورت اختیار کرنے کی جراءت کی ہے مین اپنے کو قوم پر قربان کردونگا
ابتک میرے خیالات مجھ ہی تک تھے اب وہ ظاہر ہونگے - ابتک میرے
ہاتھ سست تھے - مگر مین نے اپنے کام کا قصد مصمم کیا ہے مین بہت با اختیار شخص
نہین ہون - میری جائداد بھی کثیر نہین مگر مین اپنے کو اور اپنی ساری جتھا کو
قوم پر قربان کردونگا (آپ ہی آپ) ہان مین اپنے کو ضرور نثار کردونگا (جوش سے)
اے افتادہ گری ہوئی قوم! تیری حالت پر رونے والون مین ایک اور
اضافہ ہوا - آیا اس سے تجھے کچھ فائدہ ہوگا یا نہین اسکا فیصلہ وقت کریگا" یہ کہکر

امرت راے زمین کیطرف دیکھنے لگے۔ دان ناتھ جو اُن کے بچپن کے ساتھی تھے اُنکے مزاج سے خوب واقف تھے کہ جب انکو کسی بات کی دھن سوار ہو جاتی ہے تو اوسکو بلا پورا کئے نہین چھوڑتے۔ چنانچہ اونکو اوس نے اونچ نیچ سوجھانا شروع کیا۔

"مہربان من! یہ خیال تو کیجیے کہ آپ کیسا خطرناک کام اپنے ذمے لے رہے ہین آپکو ابھی نہین معلوم کہ جو راستہ صاف نظر آرہا ہی وہ کانٹون سے بھرا ہوا ہے۔"

امرت راے "ابتو ہرچہ باداباد! مین خوب جانتا ہون کہ مجھے بڑے بڑے دقتون کا سامنا کرنا ہوگا۔ مگر نہین معلوم کچھ عرصے سے میرے دل مین کہان سے قوت آگئی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مین بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہون۔ اور اُسکو انجام تک پہونچا کر سرخروئی حاصل کر سکتا ہون۔"

دان ناتھ "جی ہان۔ فوری جوشون کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے اب ذرا خیالات سے ہٹکر واقعات پر آئیے آپ جانتے ہین کہ یہ شہر بطالت اور استخوان پرستی کا مرکز ہے۔ نئے خیالات یہان ہرگز نشو و نما نہین پا سکتے۔ علاوہ برین آپ بالکل تنہا ہین۔ جو جوابدہیان آپ اپنے سر لیتے ہین اُنسے جہانتک میرا خیال ہے آپ کے دشمن زیادہ ہو جائینگے۔ اور شاید احباب بھی کنارہ کشی کرین آپ اکیلے کیا بنا لینگے۔"

امرت راے نے دوست کی باتون کو سنکر سر اوٹھایا اور بڑی سنجیدگی سے بولے "دان ناتھ یہ تمکو کیا ہو گیا ہی؟ مرد خدا تم کہتے ہو اکیلے کیا بنالوگے۔ اکیلے آدمیون سلطنتین فتح کی ہین قومون کی بنیادین ڈالی ہین۔ اکیلے آدمیون نے تاریخ کے صفحے پلٹ دیئے ہین۔ گوتم بدھ کیا تھا۔ محض ایک بادیہ گرد فقیر جسکا سارے زمانے مین کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ مگر اُسکی زندگی ہی مین آدھا ہندوستان اُسکا مُرید ہو چکا تھا آپ کو کتنی مثالین دون قومون کے نام تنہا آدمیون سے روشن ہین آپ جانتے ہین کہ افلاطون ایک بڑا آدمی تھا۔ مگر آپ مین کتنے ایسے

ہین جو جانتے ہون کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہی۔
دان ناتھ ذی فہم آدمی تھے۔ سمجھ گئے کہ اسوقت جوش تازہ ہی نشیب و فراز سوجھانا فضول ہے۔ پس اُنھون نے فہمایش کا نیا ڈھنگ اختیار کیا۔ بولے "اچھا مین نے مان لیا کہ اکیلے لوگون نے بڑے بڑے کام کیے ہین اور آپ بھی قوم کی بھلائی کچھ نہ کچھ کرینگے۔ مگر اسکا تو خیال کیجیے کہ آپ ان لوگون کو کتنا بڑا صدمہ پہونچا ئینگے۔ جنکو آپسے کوئی تعلق ہے۔ پریما سے بہت جلد آپکی شادی ہونے والی ہے۔ آپ جانتے ہین کہ اُسکے والدین پرلے سرے کے کٹر ہندو ہین جب اُنکو آپ کے انگریزی وضع و قطع پر اعتراض ہے تو فرمایئے جب آپ قومی اصلاح پر کمر باندھینگے تو اونکا کیا حال ہوگا۔ غالباً آپ کو پریما سے ہاتھ دھونا ہوگا"
یہ تیر کاری لگا۔ دو تین منٹ تک امرت رائے زمین کیطرف تاکتے رہی۔ بعد اسکے اُنھون نے سر اوٹھایا آنکھین سُرخ تھین۔ آنسو نمودار تھے۔ مگر قومی فلاح نے نفس پر قابو پا لیا تھا۔ بولے "حضرت! قوم کی بھلائی کرنا آسان نہین۔ گو مین نے ان وقتون کا خیال پہلے نہین کیا تھا۔ تاہم میرا دل اسوقت ایسا مضبوط ہی کہ قوم کے لیے ہر ایک مصیبت سہنے کو تیار ہون۔ پریما سے بیشک مجھکو غائبانہ محبت تھی مین اُسکا شیدائی تھا۔ اور اگر کوئی وہ زمانہ آتا کہ مجھکو اُسکے شوہر بننے کا فخر حاصل ہوتا تو مین ثابت کرتا کہ محبت اسکو کہتے ہین! مگر اب پریما کی صورت میری نگاہون سے غائب ہوتی جاتی ہی یہ دیکھیے وہ فوٹو ہے جسکی مین اسوقت تک پرستش کیا کرتا تھا۔ آج اُس سے بھی مین کنارہ کش ہوتا ہون۔ یہ کہتے کہتے اُنھون نے تصویر جیب سے نکال لی اور اُسکے پُرزے پرزے کر ڈالے "پریما کو جب معلوم ہوگا کہ امرت رائے اب قوم کا عاشق ہوگیا۔ اور خلق کا فدائی اُسکے دل مین اب کسی نازنین کی جگہ باقی نہین رہی تو وہ میری اس حرکت کو معاف کردیگی۔
دان ناتھ "امرت رائے! مجھکو سخت افسوس ہی کہ تمنے اُس نازنین کی تصویر کی یہ گت کی جسکو تم خوب جانتے ہو کہ تمھاری دلدادہ ہی پریما نے

عہد کر لیا ہو کہ بجز تمھارے کسی اور سے شادی نہ کرے گی۔ اور اگر تمھارا حافظہ کام دیتا ہو تو سوچو تمنے بھی اس قسم کا کوئی وعدہ کیا تھا یا نہین۔ کیا تمکو نہین معلوم کہ اب شادی کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے۔ اسوقت تمھاری یہ حرکت اُس معصوم لڑکی کی کیا حالت کر دیگی؟ ان باتون کو سُنکر امرت راے واقعی کچھ پژمردہ ہو گئے۔ ہان برابر یہی کہتے رہے کہ پریا اس خطا کو ضرور معاف کر دے گی انھین باتون مین آفتاب غروب ہو گیا۔ دان ناتھ نے اپنی بائیسکل سنبھالی اور چلتے وقت بولے "مسٹر راے! خوب سوچ لو ابھی سے بہتر ہے۔ ان پراگندہ خیالات کو چھوڑ دو آؤ آج تمکو دریا کی سیر کرا لاؤن۔ مین نے ایک بجرا لے رکھا ہو چاندنی رات مین بہت لطف آئیگا۔"

امرت راے "اسوقت آپ مجھے معاف کیجیے کل مین آپ سے پھر ملونگا اس گفتگو کے بعد دان ناتھ تو اپنے مکان کیطرف راہی ہوے اور امرت راے اُسی اندھیرے مین بے حس و حرکت کھڑے رہے وہ نہین معلوم کیا سوچ رہے تھے۔ جب اندھیرا زیادہ ہوا تو دفعتہً وہ زمین پر بیٹھ گئے اور اس تصویر کے پریشان پرزے اکٹھا کر لیے انکو اپنے سینے سے لگا لیا اور کچھ سوچتے ہوے اپنے کمرے مین چلے گئے۔

بابو امرت راے شہر کے معزز روسا مین سمجھے جاتے تھے آبائی پیشہ وکالت تھا خود بھی وکالت پاس کر چکے تھے۔ اور گو ابھی وکالت زورون پر نہ تھی مگر خاندانی اقتدار ایسا جما تھا کہ شہر کے بڑے سے بڑے روسا بھی انکے سامنے سر نیاز خم کرتے تھے۔ بچپن ہی سے انگریزی کالجون مین تعلیم پائی اور انگریزی تہذیب اور طرز معاشرت کے دلدادہ تھے۔ جبتک والد بزرگوار زندہ تھے پاس ادب سے انگریزیت سے محترز رہتے تھے مگر اُنکے انتقال کے بعد کھل کھیلے صرف کثیر سے عین دریا کے کنارے پر ایک نفیس بنگلہ تعمیر کرایا تھا اور اسمین رہتے تھے عمارت کے سب سامان موجود تھے کسی چیز کی کمی نہ تھی بچپنے ہی سے علم کے دلدادہ تھے اور مزاج بھی کچھ اس قسم کا واقع ہوا تھا کہ جس چیز کی دُھن سوار ہو جاتی بس اُسی کے ہو رہتے تھے جس زمانے مین بنگلے کی دُھن

دھن سوار تھی - آبائی مکانات کوڑیوں کے مول فروخت کردیئے تھے علاوہ اسکے
کبھی ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ تھا - مگر قسمت اچھی تھی باپ کا جمع کیا ہوا کچھ
روپیہ بنک میں نکل آیا -

مسٹر امرت راے کو کتابوں سے اُلفت تھی - ممکن نہ تھا کہ کوئی نئی تصنیف شایع
ہو اور اسکے کتب خانہ میں نہ پائی جائے علاوہ اسکے فنون لطیفہ سے بھی بےبہرہ
نہ تھے گانے سے طبیعت کو خاص رغبت تھی - گو وکالت پاس کر چکے تھے مگر ابتک
شادی نہیں ہوئی تھی - اُنھوں نے ٹھان لیا تھا کہ تا وقتیکہ وکالت زوروں پر
نہو جاے شادی نہ کرینگے - اُسی شہر کے رئیس اعظم لالہ بدری پرشاد صاحب
انکو کئی برس سے اپنی اکلوتی لڑکی پریما کے واسطے اُچنے بیٹھے تھے اسی خیال
سے کہ امرت راے کو اس شادی کرنے میں کوئی اعتراض نہو پریما کی تعلیم
پر بہت لحاظ رکھا گیا تھا منشی صاحب کی مرضی کے خلاف پریما کی تصویر
امرت راے کے پاس بھجوادی گئی تھی اور وقتاً فوقتاً دونوں میں خط وکتابت
بھی ہوا کرتی تھی کیونکہ پریما انگریزی تعلیم پانے سے ذرا آزاد مزاج ہوگئی تھی -
باوجود ان ناتہ بچپنے ہی سے امرت راے انکے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور دونوں میں
سچی محبت ہوگئی تھی - کوئی ایسی بات نہ تھی جو ایک دوسرے کے لیے اُٹھا رکھتے ان باتوں
غرضے سے پریما کے دلمیں پرستش کرتے تھے مگر چونکہ اسکو معلوم تھا کہ بات
جیت امرت راے سے ہوگئی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو پیار کرتے
ہیں اسلیے خود کبھی اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کیا تھا - اس معشوق کے فراق
میں جسکے ملنے کی مرکر بھی امید نہو اسنے اپنے اطمینان کی گھڑیاں تلخ کر رکھی تھیں
کئی دن ہی بار اسکے نفسانیت نے اُبھارا تھا کہ تو کوئی چال چل کر منشی بدری پرشاد
کو امرت راے سے بدظن کردے مگر ہر بار اسنے اس نفسانیت کو دبانے
میں کامیابی حاصل کی تھی - وہ اعلیٰ درجہ کا با اخلاق آدمی تھا - وہ مرجاتا
پسند کرتا بجاے اسکے کہ امرت راے کی نسبت کوئی غلط بیانی کرکے اپنا مطلب
نکالے - یہ بھی نہ تھا کہ وہ امرت راے سے سچی ہمدردی و دمسازی کا برتاؤ نکرتا ہو
نہیں بلکہ وہ ہر موقع پر امرت راے کو تشفی و دلاسا دیا کرتا تھا - اکثر

اسی کے معرفت دونون شیدائیون مین تحفے تحالف بھیجے گئے تھے خط وکتابت اسی کے معرفت ہوا کرتی ہے - یہ موقع ایسے تھے کہ اگر دان ناتھ چاہتا تو بہت جلد چاہنے والون مین نفاق پیدا کر دیتا - مگر یہ اسکی فطرت سے بعید تھا -

آج بھی جب امرت رائے نے اپنے ارادے ظاہر کیے تو دان ناتھ نے بلا کم وکاست سب دقیقے بیان کر دین - اسکا دل کیسا اُچھلتا تھا جب وہ یہ خیال کرتا کہ اب امرت رائے میرے لیے جگہ خالی کر رہا ہے مگر یہ اسکی شرافت تھی کہ اسنے امرت رائے کو اُنکے ارادے سے باز رکھنا چاہا تھا - اُسنے کہا تھا کہ اگر تم ریفارمر دنکے زمرہ مین شامل ہو گئے تو پریما رو رو کے جان دیدیگی مگر امرت رائے نے ایک نہ سُنی انکا ارادہ مستقل تھا جسکو کوئی ترغیب ڈگا نہین سکتی تھی - دان ناتھ اُنکے مزاج اور دھن سے خوب واقف تھے سمجھ گئے کہ اب یہ اُڑتے ہین اڑے رہین گے - چنانچہ اب اُنکو کوئی وجہ نہ معلوم ہوئی کہ مین اصل واقعہ بیان کرکے کیون نہ پیاری پریما کے شوہر بننے کی کوشش کرون یہان سے روانہ ہوتے ہی وہ اپنے گھر پر آئے اور کوٹ پتلون اُتار کر سیدھے سادھے کپڑے پہن لالہ بدری پرشاد صاحب کے دولتخانے کی طرف روانہ ہوئے - اسوقت اُنکے دل کی جو کیفیت ہو رہی تھی اُسکا بیان کرنا مشکل ہے کبھی تو خیال آتا کہ کہین میری یہ حرکت غلط فہمی کا باعث نہ ہو جائے لوگ مجھکو حاسد و بدخواہ سمجھنے لگین - پھر خیال آتا کہین امرت رائے اپنا ارادہ پلٹ دین اور کیا تعجب ہے کہ ایسا ہو جائے تو پھر میرے لیئے دوبہ ورسنہ کی جا ہوگی گران خیالات کے مقابلے مین جب پریما کی پیاری پیاری صورت نظرون کے سامنے آگئی تو یہ تمام اوہام رفع ہو گئے اور دم کی دم مین وہ لالہ بدری پرشاد کے مکان پر بیٹھے باتین کرتے دکھائی دیے -

---

دوسرا باب
حسد بُری بلا ہے

لالہ بدری پرشاد صاحب امرت رائے کے والد مرحوم کے دوستون مین تھے۔ اور خاندانی اقتدار۔ تمول و اعزاز کے لحاظ سے اگر اُنپر فوقیت نہ رکھتے تھے تو ہیٹے بھی نہ تھے۔ انھون نے اپنے دوست مرحوم کی زندگی ہی مین امرت رائے کو اپنی بیٹی کے لیے منتخب کر لیا تھا اور اگر وہ دو برس بھی زندہ رہتے تو بیٹے کا سہرا دیکھ لیتے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ چل بسے۔ ہان دم مرگ اُنکی آخری نصیحت یہ بھی کہ بیٹا مین نے تمھارے واسطے بیوی تجویز کی ہے اُس سے ضرور شادی کرنا امرت رائے نے بھی اسکا پکا وعدہ کیا تھا مگر اس واقعے کو آج پانچ برس بیت چکے تھے اس اثنا مین انھون نے وکالت بھی پاس کر لی تھی اور اچھے خاصے انگریز بن بیٹھے تھے۔ اسی تبدیل طرز معاشرت نے پبلک کی نظرون مین انکا وقار کم کر دیا تھا۔ برعکس اسکے لالہ بدری پرشاد پکے ہندو تھے سال بھر بارہون ماس اُنکے یہان بھاگوت کی کتھا ہوا کرتی تھی۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا کہ بھنڈارے مین سو پچاس سادھون کا جیونار نہ بنتا ہو۔ ان فیاضیون نے انکو سارے شہر مین ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ ہر روز علی الصباح وہ پیدل گنگاجی کے اشنان کو جایا کرتے۔ اور راستے مین جتنے آدمی ان کی بزرگانہ صورت دیکھتے سر نیاز خم کرتے۔ اور آپسمین کانا پھسکی کرتے وقت دعا کرتے کہ یہ غریبون کا دستگیر ہمیشہ یون ہی سر سبز رہے۔

گو منشی بدری پرشاد امرت رائے کی انگریزیت کو ذلت و حقارت کی نگاہون سے دیکھتے تھے اور کئی بار اُنکو سمجھا کر ہار بھی چکے تھے مگر چونکہ اونکو اپنی جان سے عزیز بیٹی پریما کے لیے منتخب کر چکے تھے اسلیے مجبور تھے۔ کیونکہ انکو اُس شہر مین ایسا ہونہار۔ خوشرو۔ باخبر اور اہل ثروت داماد نہین ملسکتا تھا۔ اور دوسرے شہر مین وہ اپنی لڑکی کی شادی کرنا نہین چاہتے تھے۔ اسی خیال سے کہ لڑکی امرت رائے کے مرضی کے موافق ہو۔ اُسکو انگریزی و فارسی اور ہندی کی تھوڑی تھوڑی تعلیم دی گئی اور ان اکتسابی کمالات

پر فطرتی عطیات گویا سونے مین سہاگہ تھے - سارے شہر کی جہاندیدہ اور نکتہ رس متفق البیان تھین کہ ایسی حسین وخوشرو لڑکی آجتک دیکھنے مین نہین آئی - اور جب کبھی وہ سنگار کر کے کسی تقریب مین جاتی تھی تو حسین عورتین باوجود حسد کے اسکے پیرون تلے آنکھین بچھاتی تھین دولھا دولھن دونون ایک دوسرے کے عاشق زار تھے - اُدھر ایک سال سے دونون مین خط وکتابت بھی ہونے لگی تھی گو منشی بدری پرشاد صاحب اس چھٹاؤ کے سخت برخلاف تھے - مگر اپنی بڑے بیٹے کی سفارش سے مجبور رہتے جو نوجوان ہونے کے باعث ان چاہنے والون کے خیالات کا کچھ اندازہ کر سکتا تھا"

اس شادی کا چرچا عرصے سے سارے شہر مین تھا جب چند بھلے مانس اکٹھا بیٹھتے تو بات چیت ہونے لگتی کہ کیا لالہ صاحب اپنی بیٹی کی شادی اُس عیسائی سے کرینگے کیا دوسرا گھر نہین ہی - جب اُنکے برابر والے گھرانون کو گنتے تو مایوس ہو جاتے اب شادی کے دن بہت قریب آ گئے تھے - لالہ صاحب نے امرت رائے کو مجبور کیا تھا کہ اب مین کچھ دم کا اور مہمان ہون میرے جیتے جی تم اس جواہر کو اپنے قبضے مین کر لو امرت رائے نے بھی مستعدی ظاہر کی تھی - گو یہ وعدہ کرا لیا تھا کہ مین بے معنی رسمیات سے ایک بھی ادا کرونگا لالہ صاحب نے طوعاً وکرہاً اس بات کو بھی منظور کر لیا تھا - تیاریان ہو رہی تھین دفعتہً آج لالہ صاحب کو معتبر خبر ملی کہ امرت رائے عیسائی ہو گیا ہی اور کسی میم سے شادی کیا چاہتا ہے"

جیسے کسی ہرے بھرے درخت پر بجلی گر پڑی یہی حال لالہ صاحب کا ہوا پیرانہ سالی کی وجہ سے اعضا مضمحل ہو رہے تھے یہ خبر ملی تو اُنکے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور پچھاڑ کھا کے گر پڑے اُنکا بیہوش ہونا تھا کہ سارا بھیتر باہر ایک ہو گیا - تمام نوکر چاکر خویش واقارب ادھر اودھر سے آ کر اکھٹے ہو گئے - کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ اب ہر شخص کہتا پھرتا ہی کہ امرت رائے عیسائی ہو گئے ہین - اُسی صدمے سے لالہ صاحب کی یہ حالت ہو گئی ہے باہر سے دم بدم اندر خبر ہو گئی - لالہ بدری پرشاد کی بیوی بیچاری

عرصے سے بیمار تھین اور اُنھین کا اصرار تھا کہ بیٹی کی شادی جہانتک جلد ہو جاے اچھا ہے۔ گو پُرانے خیالات کی عورت تھین اور شادی بیاہ کے تمام مراسم اور بیٹی کے حیا و شرم کے پُرانے خیالات اُنکے دلمین بھرے ہوے تھے مگر جب سے اُنھون نے امرت راے کو ایک بار صحن مین دیکھ لیا تھا اُسی وقت سے اُنکو یہ دھن سوار تھی کہ میری بیٹی کی شادی ہو تو اُنھین سے ہو بیچاری بیٹھی ہوئی اپنی پیاری بیٹی سے باتین کر رہی تھی کہ دفعتہً باہر سے یہ خبر پہونچی۔ سنتے ہی تو ماں کے تو ہوش اُڑ گئے وہ بیچاری امرت راے کو اپنا داماد سمجھنے لگی تھی۔ اور کچھ تو نہو سکا اپنی بیٹی کو گلے لگا کر زار زار رونے لگی اور پریما بھی باوجود ہزار کوشش کے ضبط نہ کر سکی۔ ہاے! اُسکے برسونکے ارمان یکبارگی خاک مین ملگئے اُسکو رونے کی تاب نہ تھی۔ ایک ہول دل سا ہو گیا۔ اپنی ماں کو چھوڑ وہ دوڑی ہوئی اپنے کمرے مین آئی چارپائی پہ گر پڑی اور اُسکے منھ سے صرف اتنا نکلا۔ نارائن کیسے جیونگی۔ یہ کہتے کہتے اُسکے بھی ہوش جاتے رہے۔ تمام گھر کی لونڈیاں اکٹھی ہو گئین۔ پنکھا جھلا جانے لگا۔ امرت راے کے فرضی حماقت پر بہت زیادہ افسوس کیا جا رہا تھا پریما کے بھائی صاحب کو اس بات کا یکبارگی یقین نہ ہوا۔ مگر چونکہ یہ بات بابو دان ناتھ کی زبانی سُنی تھی اور دان کی باتون کو ہمیشہ سے سچ مانتے آئے تھے شک کا کوئی موقع نہ رہگیا۔ ہان اتنا البتہ ہوا کہ ذرا سے واقعے نے ہزارون زبانون پر جاری ہو کر اور ہی صورت اختیار کر لی تھی۔

دان ناتھ نے صرف اتنا کہا تھا کہ بابو امرت راے کی نیت کچھ ڈانواڈول معلوم ہوتی ہے وہ ریفارم کی طرف جھکے ہوے ہین۔ اسی ایک سادی سی بات کو لالہ بدری پرشاد نے عیسائیت سمجھ لیا تھا۔ اور گھر بھر مین اسی پر کہرام مچا ہوا تھا۔

جب اس حادثے کی خبر محلے مین پہونچی تو ہمدردی کے لحاظ سے بہت سی عورتین اکٹھی ہو گئین۔ مگر کسی سے کوئی علاج نہ بن پڑا۔ دفعتہً ایک نوجوان عورت آتی ہوئی دکھائی دی اُسکو دیکھتے ہی ساری عورتون نے غل مچایا لو پورنا آگئی

اب بھی بہت جلد ہوش مین آتی جاتی ہین - پورنا ایک برہمنی تھی - برس بیس ایک کا سن تھا - اُسکی شادی بسنت کمار سے ہوئی تھی - جو کسی انگریزی دفتر مین کلارک تھے - دونون میان بیوی پڑوس ہی مین رہتے تھے - اور دس بجے دن کو جب پنڈت جی دفتر چلے جاتے تو پورنا تنہائی سے گھبراکر پریا کے پاس چلی آتی - اور دونون مین رازونیاز کی باتین شام تک ہوا کرتین - چنانچہ دونون سکھیون مین حد درجے کی محبت ہوگئی تھی - پورنا گو ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی اور شادی بھی ایک معمولی جگہہ ہوئی تھی - مگر فطرتاً نہایت سلیقہ مند زودفہم - سنجیدہ مزاج - اور ہردل عزیز عورت تھی - اُسنے آتے ہی تمام عورتون سے کہا ہٹ جاؤ - ابھی دم کے دم مین ان کو ہوش آیا جاتا ہی مجمع ہٹاکر اُسنے فوراً پریما کو عطریات سُنگھائے - کیوڑے اور گلاب کا چھینٹا منہ پر دلوایا - آہستہ آہستہ اُسکے تلوے سہلائے ساری کھڑکیان کھلوادین - جب دماغ پر سردی پہونچی تو پریما نے آنکھین کھولدین - اور اشارے سے کہا تم لوگ ہٹ جاؤ مین اچھی ہون -

عورتون کے جان مین جان آئی - سب امرت رائے کو کوستی - اور پریما کے سہاگ بڑہنے کی دعا کرتی اپنے اپنے گھر کو سدھارین - صرف پورنا رہ گئی - دونون سہیلیون مین باتین ہونے لگین پورنا "پیاری پریما آنکھین کھولو یہ کیا گت بنا رکھی ہے "

پریما نے نہایت گری ہوئی آواز مین جواب دیا - ہائے اسکھی میرے توسب ارمان خاک مین ملگئے -

پورنا - پیاری ایسی باتین نہ کرو - تم ذرا اُٹھکر بیٹھو - یہ - اب بتاؤ تم کو یہ خبر کیسے ملی "

پریما - کچھ نہ پوچھو سکھی مین بڑی بدقسمت ہون - (روکر) ہائے دل بھرا آتا ہی مین کیسے جیونگی -

پورنا - " پیاری ذرا دل کو ڈھارس دو - مین ابھی سب پتہ لگائے دیتی ہون - بابو امرت رائے کے نسبت جو کچھ کہا گیا ہے - وہ سب جھوٹھ ہی - کسی ان دیکھنے

یہ پاکھنڈ پھیلایا ہے۔
پریما۔" تمھارے منھ مین گھی شکر۔ ایشور کرے تمھاری باتین سب سچ ہون۔ مگر ہاے کوئی مجھکو اس ظالم سے ایک دم کے لیے ملادے۔ ہان سکھی ایکدم کے لیے اُس کٹھ کلیجے کو پاجاؤن تو میری ساری زندگی سہل ہوجائے پھر مجھے مرنے کا افسوس نہ رہے"۔
پورنا۔" یہ کیا پیاری بھکی بھکی باتین کرتی ہو۔ بابو امرت راے نے ہرگز ایسا نہ کیا ہوگا ممکن ہے کہ وہ تمھاری محبت نہ کرین۔ مین انکو خوب جانتی ہون مین نے اپنے گھر کے لوگون کو بار بار کہتے ہوے سُنا ہے کہ امرت راے کو اگر دُنیا مین کسی سے محبت ہے تو پریما سے۔
پریما۔" پیاری اب ان باتو نپر بسواس نہین آتا۔ مین کیسے جانون کہ اُنکو مجھسے محبت ہے آج چار برس ہوگئے۔ ہاے مجھے تو ایک ایک دن کاٹنا دوبھر ہوجاتا ہے اور وہان کچھ خبر ہی نہین ہوتی۔ اگر مین خود مختار ہوتی تو ابتک ہمارا ۔ ۔ ۔ ۔ رچ گیا ہوتا۔ ورنہ انکو دیکھو کہ ساونون سے ٹالتے چلے آتے ہین۔ پیاری پورنا مجھے بعض وقت اُنکے اس ٹال مٹول پر ایسا غصہ آتا ہے کہ تمسے کیا کہون۔ مگر افسوس دل کمبخت بے حیا ہے۔
یہان ابھی یہی باتین ہورہی تھین کہ بابو کملا پرشاد (پریما کے بھائی) کمرے مین داخل ہوے۔ اُنکو دیکھتے ہی پورنا نے بھی گھونگٹ نکال لی اور پریما نے بھی جھٹ آنکھون سے آنسو پونچھ لیے۔ کملا پرشاد نے آتے ہی کہا۔
پریما تم بھی کیسی نادان ہو ایسی باتو نپر تمکو یکایک یقین کیونکر آگیا۔
اتنا سُننا تھا کہ پریما کا چہرہ بشاش ہوگیا۔ فرط خوشی سے آنکھین چمکنے لگین اور پورنا نے بھی آہستہ سے اُسکی ایک اُنگلی دبائی۔ اب دونون منتظر ہوگیئن کہ تازی خبر کیا ملے گی؟!
کملا پرشاد۔ بات صرف اتنی تھی کہ ابھی کوئی دو گھنٹے ہوے بابو دان ناتھ تشریف لائے تھے۔ مجھسے اور انسے باتین ہورہی تھین۔ اثنا سے تقریر مین شادی بیاہ کا ذکر چھڑ گیا تو اُنھون نے کہا کہ مجھے تو بابو امرت راے

کے ارادے اس سال بھی مستقل نہین معلوم ہوتے ہین وہ شاید ریفارمر پارٹی
مین داخل ہونیوالے ہین - بس اتنی سی بات کا لوگون نے تبنگڑ بنا لیا لالہ جی ادھر
بیہوش ہوکر گر پڑے اب جبتک انکو سنبھالون سنبھالون کہ سارے گھر مین
عیسائی ہو گئے عیسائی ہو گئے کا غل مچگیا - عیسائی ہونا کیا کوئی دلگی ہے اور
پھر انکو ضرورت ہی کیا ہے عیسائی ہونے کی - پوجا پاٹ وہ کرتے ہی نہین - شراب و
کباب سے انکو قطعی نفرت نہین ہے تو کچھ یون ہی سی رغبت ہے - بنگلے مین رہتے ہی
ہین باورچی کا پکا یا وہ کھاتے ہی ہین - چھوت بچار مانتے ہی نہین تو اب ان کو
کیا کتے نے کاٹا ہے کہ خواہ مخواہ عیسائی ہوکر نکو بنین - ایسے بے سر پیر کی باتوپر
یقین نہ کرنا چاہیئے - لے اب رنج و کلفت دھو ڈالو - ہنسی خوشی بات چیت کرو -
مجھے تمھارے اس رونے دھونے سے سخت افسوس ہوا - یہ کہکر بابو کملا پرشاد
باہر چلے گئے اور پورنا نے ہنسکر کہا "سنا کچھ - کہتی تھی کہ یہ سب لوگون نے
پاکھنڈ پھیلایا ہے - لے اب منھ میٹھا کراؤ" پریما نے فرط مسرت سے پورنا کو سینے
سے لگاکر خوب دبایا - اسکے رخسارون کے بوسے لیے اور بولی "منھ میٹھا ہوا
یا اور لوگی"

پورنا "ان مٹھائیون سے بابو امرت رائے کا منھ میٹھا ہوگا - مگر سکھی اس منحوس خبر
نے تمکو تھوڑی دیر تک پریشان کیا تو کیا - تمھاری قلعی کھلگئی - سارے محلے مین تمھاری
بیہوش ہوجانے کی خبرین اڑ رہی ہین اور نہین معلوم اسمین کیا کیا کاٹ
چھانٹ کیگئی ہے - کیون ابتو نہ بولیو گی - اب آج ہی مین امرت رائے
کو سب باتین لکھ بھیجتی ہون دیکھو کیسا مزہ آتا ہے"

پریما "(مسکراکر) اچھا رہنے دیجیئے یہ سب دلگی - ایشور جانے اگر تمنے انکی
کوئی بات کہی تو پھر تمسے کبھی نہ بولونگی"

پورنا - بلا سے نہ بولوگی - کچھ مین تمھاری عاشق تو ہون نہین - بس اتنا ہی
لکھ دونگی کہ پریما -

پریما "(بات کاٹکر) اچھا لکھیئے گا تو دیکھون گی - پنڈت جی سے کہکر وہ درگت
کراؤن کہ ساری شرارت بھول جاؤ - پنڈت جی نے تمکو شوخ بنا رکھا ہے - ورنہ تم

میری بہن ہوتین تو خوب ٹھیک بناتی۔
ابھی دونون سکھیان جی بھر کر خوش ہونے پائی تھین کہ آسمان نے پھر بیوفائی کی۔
بابو کملا پرشاد کی بیوی اپنی نند سے خداواسطے کو جلا کرتی ہین۔ اپنے ساس سسر
حتی کہ شوہر سے بھی ناراض رہتین کہ پریما مین ایسے کونسے چاند لگے ہین کہ سارا
کنبہ اُنپر فدا ہونے کو تیار ہی۔ مجھ مین اور انہین فرق ہی کیا ہی؟ یہی نہ کہ وہ
بہت گوری ہین اور مین اُتنی گوری نہین ہون۔ شکل وصورت میری اُنسے
خراب نہین۔ ہان مین پڑھی لکھی نہین ہون۔ کیا مجھ نوکری چاکری کرنا ہی اور نہ
مجھ مین کسبیون کے سے کپڑے پہننے کی عادت ہی۔ ایسی بے غیرت لڑکی ابھی
شادی نہین ہوئی مگر آپس مین چیٹھی پتر ہوتا ہی تصویر بن جاتی ہین۔ تحفے آتے
ہین ہرجائیون مین بھی ایسی بے شرمی نہوگی۔ اور ایسی ہی کلونتی کو سارا کنبہ
پیار کرتا ہی سب اندھے ہو گئے ہین۔ انھین اسباب سے وہ غریب پریما سے
جلا کرتی تھین۔ بولتی تھین تو طنز آمیز۔ مگر پریما اپنی خوش مزاجی سے اُنکی باتون کو
دھیان مین نہین لاتی تھی۔ حتی الوسع اُنکو خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی آج
جب اُسنے سُنا کہ امرت رائے عیسائی ہو گئے ہین تو جامہ مین پھولی نہ سمائی۔
بابو کملا پرشاد جون ہی گھر مین آئے اُسنے اُنسے سچی ہمدردی ظاہر کی۔ بابو
صاحب بیچارے بیوی پر شیدا تھے۔ روز طعنے سُنتے تھے مگر سب برداشت
کرتے تھے۔ بیوی کی زبان سے ہمدردانہ بات چیت سُنی تو کھل گئے۔ تمام واقعہ
جو کچھ دان ناتھ سے سُنا تھا بے کم وکاست بیان کر دیا۔
اُس بیچارے کو معلوم نہ تھا کہ مین اسوقت بڑی غلطی کر رہا ہون۔ چنانچہ
وہ اپنی بہن کی تشفی کر کے باہر آئے تو سب سے پہلا کام جو اُنھون نے کیا وہ یہ تھا
کہ بابو امرت رائے سے ملاقات کر کے اُنکا عندیہ لین۔ وہ تو اُدھر روانہ
ہوئے ادھر اُنکی بیوی صاحبہ خرامان خرامان مُسکراتی ہوئی پریما کے کمرہ مین
آئین اور مسکرا کر بولین "کیون پریما آج تو بات پھوٹ گئی۔"
پریما نے یہ سُنکر شرم کے سر جھکا لیا مگر پورنا بولی "سارا بھانڈا پھوٹ گیا
ایسی بھی کوئی لڑکی مردون پر پھسلے۔"!

پریما نے لجاتے ہوئے جواب دیا "جاؤ تم لوگون کی بلا سے - مجھ سے مت الجھو-
بھاوج - (ذرا سنجیدگی سے) نہین نہین کی بات نہین ہو مرد وے ہمیشہ سے کٹھ کلیجے ہوتے ہین - اُنکے دلمین محبت ہوتی ہی نہین - اُسکا ذرا سر دھکے تو ہم بیچاریان کھانا پینا تیاگ دیتی ہین مگر ہم مرہی کیون نہ جائین اُنکو ذرا بھی پروا نہین ہوتی - سچ ہی مرد کا کلیجہ کاٹھ کا"!
پورنا نے جواب دیا "بھابی تم بہت ٹھیک کہتی ہو - مرد سچ مچ کٹھ کلیجے ہوتے ہین میرے ہی یہان دیکھو مہینہ مین کم سے کم دس بارہ دن اُس موے صاحب کے ساتھ دورے پر رہتے ہین - مین تو اکیلے سنسان گھر مین پڑے پڑے کراہا کرتی ہون - وہان کچھ خبر ہی نہین ہوتی - پوچھتی ہون تو کہتے ہین رونا گانا عورتونکا کام ہی ہم روئین گائین دنیا کا کام کیسے چلے -
بھابھی - "اور کیا گو یا دُنیا اکیلے مردون ہی کے تھامے تو تھمی ہو میرا بس چلے توان مردون کیطرف آنکھ اُٹھاکر بھی نہ دیکھون - اب آج ہی دیکھو بابو امرت رائے کی نسبت ذرا سی بات بھیل گئی تو رانی نے اپنی کیا گت بناڈالی (مسکراکر) اُنکی محبت کا تو یہ حال ہی - اور وہان چار برس سے شادی کے لیے حیلہ حوالہ کرتے چلے آتے ہین - رانی خفا نہو نا - تمھارے خط پر خط جاتے ہین مگر سنتی ہون وہان سے شاید ہی کسی خط کا جواب آتا ہو - ایسے آدمی سے کوئی کیا محبت کرے - میرا تو اُن سے جی جلتا ہی کیا کسی کو اپنی لڑکی بھاری پڑی ہے کہ کنوین مین پھینکدے - بلا سے کوئی بڑا مالدار ہے - بڑا خوبصورت ہے بڑا علم والا ہے - جب ہم سے محبت ہی نہ کرے تو کیا ہم اُسکے دھن دولت کو لیکر چاٹین دُنیا مین ایک سے ایک لال پڑے ہین - اور پریما جیسی دُلھن کے واسطے دولھون کا کال! پریما کو بھابھی کی یہ باتین نہایت ناگوار گذرین مگر پاس ادب سے کچھ بول نہ سکی - ہان پورنا نے جواب دیا - "نہین بھابھی تم امرت رائے پر بڑا ظلم کر رہی ہو - مجھے خوب معلوم ہے کہ اُنکو پریما سے سچی محبت ہی اُنمین اور دوسرے مردون مین بڑا فرق ہی"-
بھابھی - پورنا اب منھ نہ کھلواؤ! محبت نہین سب کرتے ہین - مانا کہ بڑے

انگریزی دان مین کمسنی مین شادی کرنا پسند نہین کرتے - مگر ابتو دونون مین سے کوئی کمسن
نہین - کیا اب بوڑھے ہوکر بیاہ کرینگے اصل بات یہ ہو کہ شادی کرنے کی نیت ہی نہین
ہو ٹال مٹول سے کام نکالنا چاہتے ہین - یہی بیاہ کی الجھن ہین کہ پریما نے جو تصویر بھیجی تھی وہ
کل ایکہ زینے پر زینے کر کے پیرون تلے کچل ڈالی - مین تو ایسے آدمی کا منھ نہ دیکھون -
پریما نے اپنی بھاوج کو مسکرا کر بات کرتے ہی سمجھ لیا تھا کہ خیریت نہین ہو جب یہ مسکراتی
ہین تو ضرور کوئی نہ کوئی آگ لگاتی ہین - وہ انکی گفتگو کا انداز دیکھکر سہمی جاتی تھی کہ
نارائن خیر کیجیو - بھابھی کی بات تیر کی طرح سینہ مین ترازو ہو گئی ہکا بکا ہوکر اسکی
طرف تاکنے لگی - مگر پورنا کو بالکل یقین نہ آیا - بولی یہ کیا کہتی ہو بھابھی ! بھیا ابھی
آئے تھے انھون نے اسکا کچھ بھی ذکر مذکور نہین کیا - پہلے بات کیطرح یہ بھی جھوٹی ہوگی
مجھے تو یقین نہین آتا کہ انھون نے اپنی پریما کی تصویر کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہوگا "
بھابھی " تمھین یقین ہی نہ آئے تو اسکا کیا علاج - یہ بات تمھارے بھیا خود مجھسے
کہہ رہے تھے اور بھی شک رفع کرنے کے لیے وہ بابو امرت رائے کے یہان گئے ہوئے ہین
اگر تکو اب بھی یقین نہ آئے تو اپنی تصویر مانگ بھیجو دیکھو کیا جواب دیتے ہین اگر یہ خبر
جھوٹی ہوگی تو وہ ضرور تصویر بھیج دینگے - یا کم از کم اتنا تو کہین گے کہ یہ بات جھوٹی ہو "
پورنا خاموش ہوگئی - اور پریما کے منھ سے آہستہ سے ایک " آہ " نکلی اور اُس کے
آنکھون سے آنسوؤن کی جھڑیان بہنے لگین - بھابھی صاحبہ کے چہرہ پر نند کی
یہ حالت دیکھکر شگفتگی نمودار ہوئی - وہ وہان سے اُٹھین اور پورنا سے کہکر ذرا
تم یہین رہنا - مین ابھی آئی - اپنے کمرہ مین چلی آئی - آئینہ مین اپنا چہرہ دیکھا " لوگ
کہتے ہین پریما خوبصورت ہو - دیکھون ایک ہفتہ مین وہ خوبصورتی کہان جاتی
ہو جب یہ زخم پھر سے کوئی دوسرا تیر نہ کھولے "

تیسرا باب

ناکامی

بابو امرت رائے رات بھر کروٹین بدلتے رہے - جون جون وہ اپنے نئے ارادون
اور نئے حوصلون پر غور کرتے تون تون انکا دل اور مضبوط ہوتا جاتا - روشنی

پہلوؤن پر غور کرنے کے بعد جب اُنھون نے تاریک پہلوؤن کو سوچنا شروع کیا تو طبیعت ذرا ہچکی - برادری سے تعلق ٹوٹ جانیکا اندیشہ ہوا - مگر قریب اُنھون نے سوچا کہ کیا مین اپنی قوم کے لیے اپنے ارمانون کا خون نہین کر سکتا تو یہ اندیشہ بھی رفع ہوگیا - رات تو کسی طرح کاٹی - صبح ہوتے ہی حاضری کھا - کپڑے پہن اور بائیسکل پر سوار ہو اپنے دوستون کی طرف رخ کیا - پہلے پہل مسٹر ہزاری لال بی - اے - ایل ایل بی کے یہان داخل ہوے - وکیل صاحب نہایت اعلیٰ خیالات کے آدمی تھے اور رفارم کی کوششون سے بڑی ہمدردی رکھتے تھے - اُنھون نے جب امرت رائے کے ارادے اور اُنپر کاربند ہونے کی تجویزین سنین تو بڑے خوش ہوے اور فرمایا آپ میری جانب سے مطمئن رہیئے اور مجھے اپنا سچا ہمدرد سمجھیے - مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ ہمارے شہر مین آپ جیسے قابل شخص نے اس بارگران کو اپنے ذمے لیا - آپ جو خدمت میرے سپرد کرین مجھے اُسکے بجالانے مین مطلق پس وپیش نہوگا بلکہ مین اسکو باعث فخر سمجھونگا امرت رائے وکیل صاحب کی باتون پر لٹو ہوگئے - تہ دل سے اُنکا شکریہ ادا کیا اور خوش ہوکر کہا کہ اچھا شگون ہوا اس شہر مین ایک اصلاحی انجمن قائم کرنیکی خواہش ظاہر کی - وکیل صاحب نے اُسکو پسند کیا اور معاونت کا سچا وعدہ فرمایا اور بابو امرت رائے خوش خوش بابو دان ناتھ کے دولتخانہ پر جا دھمکے - دان ناتھ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہین امرت رائے کے سچے دوستون مین تھے انکو دیکھتے ہی بڑے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور پوچھا کیون جناب کیا ارادے ہین؟"

امرت رائے نے سنجیدگی سے جواب دیا "ارادے مین آپپر سب ظاہر کر چکا ہون اور آپ جانتے ہین کہ مین ڈھلمل یقین آدمی نہین ہون - اسوقت مین آپ کی خدمت مین یہ پوچھنے آیا ہون کہ اس کار خیر مین آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہین یا نہین" دان ناتھ کی امید برآریون کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس تحریک مین شریک ہون ورنہ لالہ بدری پرشاد فوراً اُس سے بدگمان ہوجائین گے کیونکہ اُسکے پاس نہ وہ خاندانی عظمت تھی نہ وہ جاہ و تمول جسپر امرت رائے کو فخر تھا - اس لیئے اُسنے سوچ کر جواب دیا - امرت رائے تم جانتے ہو کہ تمھارے ہر کام سے مجھکو

ہمدردی ہی - مگر بات یہ ہی کہ ابھی میرا شریک ہونا میرے لیے سخت مضر ہوگا مین
روپے اور پیسے سے مدد کرنے کے لیے تیار ہون مگر پوشیدہ طور پر - ابھی اس
تحریک مین علانیہ شریک ہوکر نقصان اوٹھانا مین مناسب نہین سمجھتا خصوصًا
اسوجہ سے کہ میری شرکت سے اس انجمن کو ذرا بھی تقویت پہونچنے کی امید نہین -

بابو امرت راے نے اُنکی مصلحت پسند کی اور اُنسے امداد کا وعدہ لیکر اپنی کامیابی پر
خوش ہوتے ہوے مسٹر آر - بی - شرما کے دولت خانے پر پہونچے - صاحب
موصوف برہمن تھے اور اپنے رتبہ اعلیٰ و عظمت کے اعتبار سے شہر کے معززین
مین سمجھے جاتے تھے - اُنکی مذہبی اور اخلاقی خیالات سے ابھی تک امرت راے
کو ذرا بھی واقفیت نہ تھی - مگر جب انھون نے اس انجمن کی تجویز پیش کی
تو پنڈت جی اُچھل پڑے اور فرمایا مسٹر امرت راے مجھے تمھارے خیالات سے
نہایت مسرت حاصل ہوئی - مین خود اسی طرح کی ایک تجویز بہت جلد پیش کرنے والا تھا
آپ نے مجھکو فرصت دیدی اور مجھے کامل امید ہی کہ آپ اس کار عظیم کو میرے
نسبت مین بہتر طریقہ پر انجام دینگے - مجھے اس انجمن کا ممبر تصور کیجیے !!

بابو امرت راے کو پنڈت جی کے ہان ایسی بارونق کامیابی کی امید نہ تھی -
انھون نے سوچا تھا کہ پنڈت جی اگر اصولاً اختلاف نہ کرینگے تو عدیم الفرصتی
وغیرہ کا ضرور عذر کرینگے مگر پنڈت جی کی گرم ہمدردی و دلچسپی نے اُنکا حوصلہ
اور بھی بڑھایا - امرت راے یہان سے نکلے تو وہ اپنے ہی نظرون مین دو
انچ اونچے معلوم ہوتے تھے - یہان سے سیدھے کامیابی کے زعم مین اینڈے
ہوے - این - بی - اگروالا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوے - مسٹر اگروالا علاوہ
اچھی انگریزی استعداد رکھنے کے زبان سنسکرت کے بھی جید عالم تھے اور خاص و
عام مین اُنکی بڑی عزت تھی اُنھون نے بھی امرت راے کے تجاویز سے سچی
دلسوزی ظاہر کی - الغرض نو بجتے بجتے امرت راے سارے شہر کے سربرآوردہ
و نئی روشنی والے اصحاب سے ملاقات کر آئے - اور کوئی ایسا نہ تھا جسنے اُنکے
اغراض سے دلچسپی نہ جتائی ہو یا مدد دینے کا وعدہ نہ کیا ہو -

تین بجے کے وقت مسٹر امرت راے کے بنگلے پر ایک ایسے جلسے کے انعقاد

کی تیاریاں ہوتے لگیں ہو انجمن کو باقاعدہ طور پر منضبط کرے اُسکے انصرام کے لیے دستور العمل تیار کرے اور اُسکے اغراض اور مقاصد پبلک کے روبرو پیش کرے - کامیابی کے جوش مین خوب تیاریاں ہوئین فرش فروش لگائے گئے شیشہ آلات - میزین و کرسیان سجا کر دھری گئین - حاضرین جلسہ کے خورد و نوش کا بھی انتظام کیا گیا - اور اُن تردوات سے فرصت پا کر امرت راے اُنکے منتظر ہو بیٹھے - دو بج گئے - تین بج گئے - مگر کوئی صاحب تشریف نہ لائے - چار بجے مگر کسی کی سواری نہین آئی ہان انجیر صاحب کے پاس سے ایک نوکر یہ سندیسا لے کر آیا اسوقت مین حاضری سے قاصر ہون - ابتو امرت راے کا انتشار بڑھنے لگا - جیون جیون دیر ہوتی تھی اُنکا دل بیٹھا جاتا تھا کہ کہین کوئی صاحب نہ آئے تو میری سخت تضحیک ہوگی اور چارون طرف نادم ہونا پڑیگا - آخر انتظار کرتے کرتے پانچ بج گئے اور ابھی تک کوئی صاحب نظر نہ آئے - تب تو امرت راے کو یہ کامل ہوگیا کہ حضرات نے مجھے دھوکا دیا - منشی گلزاری لال سے اُنکو بڑی امید تھی چنانچہ اپنا آدمی اُنکے پاس دوڑایا - ایک گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تھیٹر مین پولو کھیلنے تشریف لے گئے - اسوقت تک چھ بجے اور جب اسوقت تک بھی کوئی صاحب نہ آئے تو امرت راے نہایت دل شکستہ ہو گئے - کچھ غصہ - کچھ ناکامی - کچھ اپنی توہین اور کچھ ہمدردونکی سرد مہری نے اُنکو ایسا پریشان کیا کہ سرشام آکر چارپائی پر لیٹ رہے اور لگے سوچنے - کہین مجھکو نادم تو نہ ہونا پڑیگا - افسوس! مجھے ان حضرات سے ایسی امیدین نہ تھین - اگر نہ آنا تھا تو مجھ سے صاف صاف کہدیا ہوتا - اب کل تمام شہر مین یہ بات مشہور ہو جائے گی - کہ امرت راے تمام رئیسون کے گھر دوڑتے پھرے مگر کوئی اُنکے دروازے پر بات پوچھنے کو بھی نہ گیا - مین جلسے کی تجویز نہ کرتا مفت کی ندامت تو نہ اُٹھانا پڑتی - بیچارے اُنھین تفکرات مین غلطان تھے - ابھی نوجوان آدمی تھے - اور گو بات کے دھنی اور دھن کے پورے تھے مگر ابھی تک پبلک کی سرد مہری اور دغا بازیون

کی ناہمدردی کا تجربہ نہوا تھا۔ اور یہ ناتجربہ کاری جو خدا جانے کتنے پرجوش دلون کو سرد کر دیتی ہے اُنکے ارادون کو بھی ڈگمگانے لگی مگر یہ بزدلی کے خیالات محض ایک دم کے لیے آگئے تھے جب ذرا آج کی ناکامی کا افسوس کم ہوا تو ارادون نے اور بھی مستقل صورت پکڑ لی۔ اپنے دلکو سمجھایا امرت رائے تو ان ذرا ذرا سی باتون سے مایوس یا دل شکستہ مت ہو۔ جب تو نے صلیب اُٹھائی تو نہیں معلوم تجھکو کیا کیا قربانیان کرنا پڑینگی۔ اگر تیری ہمت ہار رہے تو تو ہی کام تجھ سے ہو چکے دلکو مضبوط کر اور کمر ہمت کو چست باندھ۔

یہ مصمم ارادہ کر کے امرت رائے اپنے کمرے سے نکلے۔ سگار لیا۔ اور باغ کی روشون میں ٹہلنے لگے۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ ہوا کے دھیمے دھیمے جھونکے آرہے تھے۔ سبزہ کی مخملی فرش پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے ارادون کے پورے ہونے کی ترکیبین سوچنے لگے۔ گو وقت ایسا سہانا تھا اور نظر ایسا تعشق خیز کہ بے اختیار خیال پریما کی طرف جا پہونچا۔ اپنی جیب سے تصویر کے پُرزے نکال لیے اور چاندنی رات میں اُسے بڑی دیر تک غور سے دیکھتے رہے ہائے! او ناکام امرت رائے تو کیونکر ضبط کریگا۔ ! جسکے فراق مین تو نے یہ چار برس رو رو کر کاٹے ہین اُسی کے فراق مین ساری زندگی کیونکر کاٹے گا ہائے! وہ غریب جب تیرے ارادونکا حال سُنے گی تو کیا کہے گی اُسکو تجھ سے محبت ہے کمبخت وہ تجھپر جان دیتی ہے۔ دیکھتا نہین کہ اُسکے خطوط جوشش محبت سے کیسے بھرے ہوتے ہین۔ تب کیا وہ تجھے بیوفا۔ ظالم۔ مکار نہ بنائے گی کیا تو چاہتا ہے کہ امرت رائے اب سے بھی بھلا نہے۔ ابھی کچھ نہین بگڑا۔ ان سب فضول خیالات کو چھوڑ۔ اپنے ارمانون کو خاک مین نہ ملاؤ۔ دُنیا مین تمھارے جیسے بہت سے پرجوش نوجوان موجود ہین۔ اور تمھارا ہونا نہونا دونون برابر ہے۔ لالہ بدری پرشاد منھ کھولے بیٹھے ہین۔ شادی کرلو۔ پیاری پریما کے ساتھ زندگی کے مزے لوٹو۔ (جیغ لا ہوکر) مین بھی کیسا نادان ہون۔ اس تصویر نے کیا بگاڑا تھا جو خوا مخواہ اسکو پھاڑ ڈالا۔ ایشور کرے ابھی پریما یہ بات نہ جانتی ہو۔ بابو صاحب کے دیتین

یہی خیالات آرہے تھے کہ خدمتگار نے ہاتھوں مین ایک خط لاکر دیا۔ گھبراکر پوچھا کسکا خط ہے۔ نوکر نے جواب دیا لالہ بدری پرشاد کا آدمی لایا ہے۔
امرت رائے نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خط لیا تو یہ تحریر تھی۔

بملاحظہ جناب منشی امرت رائے صاحب زاد نوازشہ۔ ہمکو معتبر ذرائع سے خبر ملی ہے کہ اب آپ سناتن دھرم سے منحرف ہوکر اُس عیسائی جماعت مین داخل ہوگئے ہین جسکو غلطی سے اصلاح تمدن سے منسوب کرتے ہین۔ ہمکو ہمیشہ سے یقین ہے کہ ہمارا طرز معاشرت وید مقدس کے احکام پر مبنی ہے اور اسمین ردو بدل۔ تغیر و تبدل کرنے والے اصحاب ہم سے کوئی تعلق نہین پیدا کر سکتے۔

بدری پرشاد

اس مختصر شقے کو امرت رائے نے دوبار پڑھا اور اونکے دل مین اب ایک جنگ شروع ہوگئی۔ نفسانیت کہتی تھی کہ ایسی نازنین کو ہاتھ سے نہ دو۔ ابھی کچھ نہین بگڑا ہے۔ اور جوش قومی کہتا تھا کہ جو ارادہ کیا ہے اُسپر قائم رہو۔ زندگی چندروزہ ہے اُسکو دوسرون پر قربان کردینے سے بہتر کوئی طریقہ اُسکے گذرانے کا نہین ہے۔ کبھی ایک فریق غالب آتا تھا کبھی دوسرا فریق۔ لڑائی کا فیصلہ بھی دو حروف لکھنے پر تھا آخر بہت ردوکد کے بعد امرت رائے نے بکس سے کاغذ نکالا اور اُسکا جواب یون لکھا جب قومی نے نفس پر غلبہ پالیا تھا۔

قبلہ و کعبہ جناب منشی بدری پرشاد صاحب دام اقبالکم

افتخارنامے نے صادر ہوکر ممتاز کیا۔ مجھکو سخت افسوس ہے کہ آپ نے اُس اُمید کو جو مدت سے بندھی ہوئی تھی یکایک منقطع کردیا مگر چونکہ مجھکو یقین ہے کہ ہمارا طرز معاشرت احکام وید سے متناقض ہے اور جسکو غلطی سے سناتن دھرم کہتے ہین وہ اُن پرانے اور بوسیدہ خیال کے لوگون کی جماعت ہے جو مذہب کے پردے مین ذاتی فلاح ڈھونڈھتے ہین اسلیے ہمکو مجبوراً اُس سے کنارہ کش ہونا پڑا۔ اگر اس حیثیت مین آپ مجھکو فرزندی مین قبول فرمادین تو خیر ورنہ مجھے اپنی بدقسمتی پر افسوس بھی نہوگا

نیازمند امرت رائے

قومی خدمات کے جوش میں یہ خط لکھ ڈالا اور ملازم کو دیکر روانہ کیا۔ مگر جب چاندنی میں دیر تک بیٹھے اور اُسکی کشش نے دلمیں جذبۂ محبت بڑھایا تو اس نقصان عظیم کا اندازہ ہوا جو انھوں نے ابھی ابھی اُٹھایا تھا۔ ہائے!! میں نے اپنی زندگی۔ اپنے سارے ارمان اور دُنیا کی سب سے پیاری چیز کو خیرباد کہ دیا۔!!

چوتھا باب

جوانا مرگ

وقت ہوا کی طرح اُڑتا چلا جاتا ہو۔ ایک مہینہ گذر گیا جاڑے نے رخصتی سلام کیا۔ اور گرمی کا پیش خیمہ ہوئی آموجود ہوئی۔ اس اثنا میں امرت رائے نے دو تین جلسے کیے اور گو حاضرین کی تعداد کسی بار دو تین سے زیادہ نہ تھی مگر اب اُنھوں نے عہد کر لیا تھا کہ خواہ کوئی آئے یا نہ آئے میں ہفتہ وار جلسے وقت معینہ پر ضرور کیا کرونگا۔

جلسوں کے علاوہ اُنھوں نے دیہاتوں میں جا جا کے ہندی میں تقریر کرنا شروع کی اور اخباروں میں بھی اصلاح تمدن پر مضامین روانہ کیے انکا تو یہ مشغلہ تھا۔ بیچاری پریما کا حال نہایت ابتر تھا۔ جسدن سے اُنکی آخری چٹھی اُسکے پاس پہونچی تھی اُسی دن سے وہ قیدی بستر ہو رہی تھی۔ ہر گھڑی رونے سے کام تھا۔ بیچاری پورنا سرہانے بیٹھی سمجھایا کرتی مگر پریما کو مطلق چین نہ آتا۔ وہ امرت رائے کی تصویر کو گھنٹوں خاموش دیکھا کرتی۔ کبھی کبھی اُسکے جی میں آتا کہ امرت رائے نے جو گت میری تصویر کی وہی گت میں انکی تصویر کی کروں۔ مگر پھر یہ خیال پلٹا کھا جاتا۔ وہ اُس تصویر کو آنکھوں سے لگا لیتی اُسکا بوسہ لیتی اور اُسے سینے سے چمٹا لیتی۔ اُسکے دماغ میں اب کچھ خلل آ گیا تھا۔ رات کو گھنٹوں پڑے اکیلے عشق و محبت کی باتیں کیا کرتی۔ جتنے خطوط امرت رائے نے پہلے روانہ کیے تھے وہ اُسنے از سر نو رنگین کاغذ پر جلی حرفوں میں نقل کر لیے تھے اور جب طبیعت بہت بے چین ہوتی تو پورنا سے وہ خطوط پڑھوا کر سنتی اور

روتی۔ ہائے! اُسنے اپنے دل پر یہ سب ظلم کیے مگر خودداری بھی ایسی نباہی کہ کہ جو اُسی کا حصہ تھا۔ اُسنے اس آخری خط کے بعد امرت راے کو ایک خط بھی نہ لکھا۔ گھر کے لوگ اُسکے علاج مین روپیہ ٹھیکریون کیطرح اُڑا رہے تھے مگر کچھ فائدہ نہوتا تھا۔ اُسکی شادی کی بابت بات چیت بھی کئی جگہ سے ہو رہی تھی منشی بدری پرشاد صاحب کے جی مین بار بار یہ بات آتی کہ پریما کو امرت راے سے بیاہ دین مگر شماتت ہمسایہ کے خیال سے ارادہ پلٹ دیتے تھے۔ پریما کے ساتھ ساتھ بیچاری پورنا بھی مریضہ بنی ہوئی تھی۔

آخر ہولی کا دن آیا شہر مین چارون طرف کبیر اور ہولی کی آوازین آنے لگین چہار طرف عبیر اور گلال اڑنے لگے۔ آج کا دن بیچاری پریما کے لیے سخت آزمایش کا تھا۔ کیونکہ سویرے ہی سے قرابت مندون کے یہان سے زنانی سواریان آنا شروع ہوئین۔ اور اُسکو طوعاً و کرہاً پر تکلف کپڑے پہن کر مہمانون کی ضیافت کرنی اور اُنکے ساتھ ہولی کھیلنی پڑی۔ مگر ہائے! اُسکے چہرے سے آج وہ حسرت برس رہی تھی جو اس سے پہلے کبھی نظر نہ آتی تھی رہ رہ کر اُسکے کلیجے مین کسک پیدا ہوتی۔ رہ رہ کر فرط اضطراب سے دل مین درد اُٹھتا۔ مگر بیچاری بلا زبان سے اُف کیے سب کچھ سہہ رہی تھی روز اکیلے مین رویا کرتی تھی جس سے کچھ تسکین ہوجایا کرتی تھی آج مارے شرم کے روے کیونکہ سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ روز بروز پورنا بیٹھکر تشفی آمیز باتین کرکے اُسکا دل بہلایا کرتی۔ آج وہ بھی اپنے گھر تیوہار منا رہی تھی۔

پورنا کا مکان پڑوس مین واقع تھا۔ اُسکے شوہر بسنت کمار ایک نہایت حلیم المزاج رنگین شوقین و محبت پذیر طبیعت کے نوجوان تھے۔ ہر بات مین اُسی کی بات پر عمل کرتے اُنھین نے اُسکو تھوڑا سا پڑھایا بھی تھا۔ ابھی شادی ہوئے دو برس بھی نہ بیتنے پائے تھے اور جیون جیون دن گزرتے تھے دونون کی محبت اور تازہ ہوتی جاتی تھی پورنا بھی اپنے شوہر کی عاشق زار تھی۔ اپنی بھولی بھولی باتون اور اپنے دلربایانہ ادائون سے اُنکا غم غلط کیا کرتی جب کبھی وہ دورے پر چلے جاتے تو وہ رات بھر زمین پر پڑی کروٹین بدلتی اور روتی۔

پنڈت جی تیس ۳۰ روپیہ سے زیادہ مشاہرہ دار نہ تھے مگر پورنا اسپر قانع تھی۔
اور اپنے کو نہایت خوش قسمت عورت خیال کرتی تھی پنڈت جی تحصیل
زر کے لیے بے انتہا کوشش کرتے۔ صرف اسلیے کہ پورنا کو اچھے سے اچھے
کپڑے پہنائیں اور اچھے اچھے گہنوں سے آراستہ کریں۔ پورنا حریص نہ تھی
جب پنڈت جی اُسکو کوئی چیز تحفہ دیتے تو جامے میں پھولی نہ سماتی مگر کبھی اُسنے
اپنی خواہشوں کو پنڈت جی سے ظاہر نہیں کیا تھا۔
حق تو یہ ہے کہ ابھی محبت کے مزے کے مقابلے میں پہننے اوڑھنے کا شوق کچھ
یوں ہی سا رہ گیا تھا۔ ہولی کا دن آ گیا۔ آج کے دن کا کیا پوچھنا۔ جس نے
سال بھر چیتھڑوں ہی پر بسر کیا ہو وہ بھی آج قرض دام ڈھونڈھ کر لاتا ہے
اور خوشیاں مناتا ہے۔ آج لوگ لنگوٹی میں پھاگ کھیلتے ہیں۔ آج کے دن
رنج کرنا گناہ ہے۔ پنڈت بسنت کمار کی شادی کے بعد یہ دوسری ہولی
تھی۔ پہلی ہولی میں بیچارے تہی دستی کیوجہ سے بیوی کی کچھ خاطر نہ کر سکتے تھے
مگر اس ہولی کے لیے اُنھوں نے اپنی حیثیت کے موافق بڑی بڑی تیاریاں
کی ہیں۔ سو ڈیڑھ سو روپیہ جو تنخواہ کے علاوہ پسینے بہا بہا کر وصول
کیے تھے اُسنے اپنی پیاری پورنا کے لیے ایک خوبصورت کنگن بنوایا
تھا۔ نہایت نفیس اور خوشرنگ ساریاں مول لاے تھے اسکے علاوہ
چند دوستوں کی دعوت بھی کی تھی اور اُنکے واسطے کئی قسم کے۔ مربے
اچار۔ لوزیات وغیرہ مہیا کیے تھے۔ پورنا آج مارے خوشی کے جامے
میں پھولی نہ سماتی تھی۔ اسکے نظروں میں آج اپنے سے زیادہ خوبصورت
دنیا میں کوئی عورت نہ تھی۔ وہ بار بار شوہر کی طرف پیار کی نگاہوں سے
دیکھتی اور پنڈت جی بھی اُسکے سنگار اور پھبن پر آج ایسے شیدا ہو رہے تھے
کہ بار بار گھر میں آتے اور اُسکو گلے سے لگا لیتے۔
کوئی دس بجے ہونگے کہ پنڈت جی گھر میں آئے اور پورنا کو بلا کر مسکراتے
ہوے بولے "پیاری آج تو جی چاہتا ہے تمکو آنکھوں میں بٹھا لوں"
پورنا نے آہستہ سے ایک ٹہوکا دیکر اور پیار کی نگاہوں سے دیکھکر کہا" وہ

دیکھو مین تو پہلے ہی سے بیٹھی ہون"
اس ادا پر پنڈت جی از خود رفتہ ہو گئے۔ جھٹ بیوی کو گلے سے لگا کر پیار کیا۔ ذرا اور دیر ہوئی تو پورنا نے کہا اب دس بجا چاہتے ہین۔ ذرا بیٹھ جاؤ تو تمکو ابٹن ملدون۔ دیر ہو جائے گی تو کھانے مین دیر سویر ہونے سے درد سر ہو جائیگا"
پنڈت جی نے کہا "نہین نہین رہنے دو مین ابٹن نہ ملواؤنگا۔ لاؤ دھوتی دو نہا آؤن"
پورنا "واہ! ابٹن نہ ملوائینگے! آجکی ریت ہی یہ ہے۔ آکے بیٹھ جاؤ"
پنڈت "نہین تمکو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔ اور اسوقت گرمی ہی جی نہین چاہتا"
پورنا نے لپک کر شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور چارپائی پر بٹھا کر ابٹن ملنے لگی۔
پنڈت "مگر بھئی ذرا جلدی کرنا۔ آج مین گنگا جی نہانے جایا چاہتا ہون"
پورنا "اب دوپہر کو گنگا جی کہان جاؤ گے۔ مہری پانی لائے گی یہین پر نہا لو۔
پنڈت۔ نہین پیاری! آج گنگا مین بڑا لطف آئیگا۔
پورنا۔ اچھا تو ذرا جلدی لوٹ آنا یہ نہین کہ ادھر ادھر پیرنے لگو۔ نہاتے وقت تم بہت دور تک پیر جایا کرتے ہو"
تھوڑی دیر مین پنڈت جی ابٹن ملوا چکے۔ اور ایک ریشمی دھوتی۔ صابون تولیا اور ایک کمنڈل ہاتھ مین لیکر نہانے چلے۔ وہ بالعموم گھاٹ سے ذرا الگ نہایا کرتے تھے پہونچتے ہی نہانے لگے مگر آج ایسی دھیمی دھیمی ہوا چل رہی تھی۔ پانی ایسا صاف و شفاف تھا اسمین ہلکورے ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ اور دل ایسی امنگون پر تھا کہ بے اختیار جی پیرنے پر للچایا وہ بہت اچھے پیراکون مین تھے لگے پیرنے اور خوش فعلیان کرنے۔ دفعتاً انکو بیچ دھارے مین دو سرخ چیزین بہتی نظر آئین۔ ذرا غور سے دیکھا تو کنول کے پھول تھے۔ دور سے خوشنما معلوم ہوتے تھے کہ

بسنت کمار کا جی اُن پر لہرایا - سوچا اگر یہ ملجائیں تو پیاری پورنا کے کانون کے لیے جھومکا بناؤن - یجیم شیم آدمی تھے - ہزارون بار گھنٹون تک تیر چکے تھے - اُنکو کامل یقین تھا کہ پھول لا سکتا ہون - دور سے پھول ساکت معلوم ہوتے تھے - چنانچہ اُنکی طرف رخ کیا مگر جیون جیون وہ تیرتے تھے پھول بھی بہتے جاتے تھے - بیچ مین کوئی ریت ایسا نہ تھا جسپر بیٹھکر دم لیتے - فرط جوش مین اُنکو یہ خیال گذرا کہ اگر اعضا پھولون تک پہونچتے پہونچتے شل ہوگئے تو لوٹونگا کیونکر - پورے زور سے تیرنا شروع کیا - کبھی ہاتھون سے کبھی پیرون سے زور مارتے مارتے بڑی مشکلون سے دھارون تک پہونچے مگر اسوقت تک ہاتھ پاؤن دونون تھک گئے تھے - حتیٰ کہ پھولون کے لینے کے لیے جو ہاتھ پھیلانا چاہا تو وہ قابو مین نہ تھے - جبتک ہاتھ پھیلائین کہ پھول ایک دو قدم اور بہے پھر اُنکے پیچھے چلے - آخر اُسوقت پھول ہاتھ لگے جبکہ ہاتھون مین تیرنے کی طاقت مطلق نہ باقی رہی تھی - ہائے! پھول دانتون سے دبا لیے - یہ سوچتے سے اُنھون نے کنارے کیطرف دیکھا تو ایسا معلوم ہوا گویا ہزارون کوس کی منزل ہے - اونکا حوصلہ پست ہوگیا - ہاتھون مین ذرا بھی سکت نہ تھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ جسم مین ہین ہی نہین - ہائے اسوقت بسنت کمار کے چہرے پر جو حسرت و بے بسی چھائی ہوئی تھی اُسکو خیال کرنے ہی سے چھاتی بیٹھتی ہے - انکو معلوم ہوا کہ مین ڈوبا جارہا ہون اسوقت پیاری پورنا کا خیال آیا کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی اسکی پیاری پیاری موہنی صورت نظرون کے سامنے کھڑی ہوگئی - اُنھون نے چاہا کہ چلاؤن مگر باوجود کوشش کی زبان سے آواز نہ نکلی - آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے اور افسوس! ایک منٹ مین گنگا ماتا نے اُنکو ہمیشہ کے لیے گود مین لے لیا -

اُدھر کا حال سنیے - پنڈت جی کے چلے آنے کے بعد پورنا نے بڑے تکلف سے تھالین پروسین - ایک برتن مین گلال گھولی اُسمین دو چار

قطرے خوشبویات کے ٹپکائے۔ پنڈت جی کے لیے صندوق سے نئے کپڑے نکالے۔ لُٹیا بڑی خوبی سے مُنجی۔ آج پیشانی پر زعفران اور چندن ملنا مبارک سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اُسنے اپنے نازک نازک ہاتھون سے چندن رگڑا۔ پان لگائے۔ میوے سروتے سے کتر کتر طشتری مین رکھے۔ رات ہی کو پریا کے گھر سے خوشبودار کلیان لیتی آئی تھی اور اُنکو تر کپڑے سے ڈھانک کر رکھدیا تھا۔ اسوقت وہ خوب کھِل گئی تھین۔ اُنکو تاگے مین گوندھ کر خوبصورت ہار تیار کیا۔ اور اپنے شوہر کا انتظار کرنے لگی۔ اُسکے انداز کے مطابق اسوقت تک پنڈت جی کو نہا کر آجانا چاہیئے تھا۔ مگر نہین۔ ابھی کچھ دیر نہین ہوئی آتے ہی ہونگے۔ ایک دس منٹ تک اور راستہ دیکھا۔ اب پھر انتظار ہوا۔ کیا کرنے لگے! دھوپ سخت ہورہی ہے۔ لوٹتے وقت نہایا بے نہایا ایک ہوجائیگا۔ کیا جانے یار دوستون سے باتین کرنے لگے ہون نہین۔ نہین مین اُنکو خوب جانتی ہون۔ دریا نہانے جاتے ہین تو تیرنے کی سوجھتی ہے۔ آج بھی تیر رہے ہون گے۔ یہ سوچکر اُسنے کامل آدھ گھنٹہ تک شوہر کا اور انتظار کیا۔ مگر جب وہ اب بھی نہ آئے تب تو اُسکو ذرا بے چینی معلوم ہونے لگی۔ مہری سے کہا۔ "بلو! ذرا دوڑ تو جاؤ۔ دیکھو کیا کرنے لگے؟" مہری بڑی نیک بخت بیوی تھی۔ ہر مہینے مین بلا ناغے تنخواہ پاتی تھی اور شاید ہی کوئی دن ایسا جاتا تھا کہ پورنا اُسکے ساتھ کچھ سلوک نہ کرتی ہو۔ پس وہ ان دونون کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ فوراً لپکی ہوئی گنگا جی کی طرف چلی۔

وہاں جاکر کیا دیکھتی ہے کہ کنارے پر دو تین ملاح جمع ہین۔ پنڈت جی کی دھوتی۔ لُٹیا وغیرہ کنارے دھری ہے۔ یہ دیکھتے ہی اُسکے پیر من من بھر کے ہوگئے۔ دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ یا نارائن! یہ کیا غضب ہوگیا۔ ایک بدحواسی کے عالم مین نزدیک پہونچی تو ایک ملاح نے کہا۔ کاہے بلو! تمھار پنڈت نہائے آوا ہین؟"

بلو نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُسکی آنکھون سے آنسو بہنے لگے۔ سر پیٹنے لگی۔

ملاحون نے اسکو سمجھایا کہ اب رونے پیٹنے کا ہوت ہی! انکا جیج بست لیو
اور گھر کا جاؤ - بیچارے بڑے بھلے منش رہن -
بیچاری بلو نے پنڈت جی کی چیزین لین - اور روتی پیٹتی گھر کیطرف چلی -
جون جون وہ مکان کے قریب آتی تھی - اوتو اسکے قدم پیچھے ہٹے
جاتے تھے - ہائے اب ان کو پورنا کیسے یہ خبر سناؤنگی! اسکی کیا گت
ہوگی! بیچاری سب تیاری کئیے شوہر کا انتظار کر رہی ہے - یہ خبر سنکے بیچاری
کی چھاتی پھٹ جاوے گی - انھین خیالات مین غرق بلو روتی گھر مین
داخل ہوئی تمام چیزین زمین پر پٹک دین اور چھاتی پر دوہتڑ مار ہائے
ہائے کرنے لگی - غریب پورنا آج ایسی خوش تھی اسکا دل آج
امنگون اور ارمانون سے ایسا بھرا ہوا تھا کہ یکایک اس صدمہ جانکاہ
کی خبر نے پہونچکر اسکو مبہوت کر دیا وہ نہ روئی - نہ چلائی - نہ بیہوش ہو کر
گری جہان کھڑی تھی وہین دو تین منٹ تک بےحس و حرکت کھڑی رہی تا
یکایک اسکے حواس بجا ہوئے - اور اسکو اپنی حالت کے اندازہ کرنے
کی قابلیت ہوئی اور تب اسنے ایک چیخ ماری اور پچھاڑ کھا کر گرنے ہی کو
تھی کہ بلو نے اسکو گود مین سنبھال لیا اور اسکو چارپائی پر لٹا کر پنکھا
جھلنے لگی - دس پندرہ منٹ مین پاس پڑوس کی صدہا عورتین اندر
جمع ہو گئین باہر بھی بہت سے مرد اکٹھے ہو گئے - تجویز ہوئی کہ جال ڈلوایا جائے
بابو کملا پرشاد بھی تشریف لائے تھے - فوراً پولیس کو اطلاع کر کے
مدد منگوائی - پریما کو جون ہی اس حادثہ روح فرسا کی خبر ملی پیر تلے سے
مٹی نکل گئی - فوراً چادر اوڑھلی اور بدحواس زینے سے اتری اور گرتی
پڑتی پورنا کے مکان کی طرف چلی - ہرچند بان نے روکا مگر اسنے نہ مانا
جسوقت پریما پہونچی ہے - پورنا کے حواس بجا ہو گئے تھے - اور
وہ نہایت دل ہلا دینے والی آواز مین رو رہی تھی - گھر مین سیکڑون عورتین
جمع تھین - مگر کوئی ایسی نہ تھی جسکے آنکھون سے آنسو نہ بہ رہے ہون -
ہائے! غریب پورنا کی حالت واقعی قابل ترس تھی! ابھی ایک گھنٹہ پہلے

وہ اپنے کو دنیا کی سب سے خوش قسمت عورتون مین سمجھتی تھی ۔ مگر ہائے ! اب اُسکا سا بدنصیب کوئی نہوگا ۔ بیچاری سمجھانے سے ذرا خاموش ہو جاتی مگر جون ہی کوئی بات یاد آجاتی ویسے ہی پھر دل اُمنڈ آتا اور آنسوؤن کی جھڑی لگ جاتی ۔ ہائے ! کیا ایک دو بات کرنے کی تھی ! اُسنے دو برس تک اپنے پیارے شوہر کی محبت کا مزہ لوٹا تھا ۔ اُسکی ایک ایک بات اُسکو یاد آتی جاتی تھی آج اُسنے چلتے چلاتے کہا تھا ۔ پیاری پورنا جی چاہتا ہے تجھکو آنکھون مین بٹھا لون ۔ افسوس ! اب کون پیار کریگا ۔ اُسکی [illegible] دھوتی اور لوٹیا کیطرف اُسکی نگاہ گئی تو بڑے زور سے چیخ اُٹھی ۔ پریا پریا کو دیکھا تو جھپٹ کر اٹھی اور اُسکے گلے لپٹ کر ایسے دلخراش لہجہ مین روئی کہ اندر تو اندر باہر منشی بدری پرشاد صاحب بابو کملا پرشاد اور دیگر حضرات آنکھون سے رومال دیئے بے اختیار رو رہے تھے ۔ پریا بیچاری کا مہینون سے روتے روتے گلا بیٹھ گیا تھا ۔ ہان اُسکی آنکھون سے آنسو بہ رہے تھے ۔ پہلے وہ سمجھتی تھی کہ مین ہی سارے زمانے مین بدقسمت ہون مگر اسوقت وہ اپنا دکھ بھول گئی ۔ اور بڑی مشکل سے ضبط کرکے بولی "پیاری پورنا ! یہ کیا غضب ہوگیا"

بیچاری پورنا کی حالت واقعی دردناک تھی ۔ اُسکی زندگی کا بیڑا پار لگانیوالا کوئی نہ تھا ۔ اُسکے میکے مین بجز ایک بوڑھے باپ کے اور کوئی نہ تھا ۔ اور وہ بیچارہ بھی آجکل کا مہمان ہو رہا تھا ۔ سسرال مین صرف شوہر سے ناتا تھا ۔ نہ ساس نہ سسر نہ خویش نہ اقارب ۔ کوئی چلو بھر پانی دینے والا نہ تھا اثاثہ بھی گھر مین کچھ نہ تھا ۔ کہ زندگی بھر کو کافی ہوتا بیچارہ شوہر ابھی کل دو برس سے نوکری کر رہا تھا ۔ اور آمدنی سے خرچ کسی طرح کم نہ تھا ۔ روپیہ کہان سے جمع ہوتا ۔ پورنا کو ابھی تک یہ سب باتین نہین سوجھی تھین ابھی اُسکو سوچنے کا موقع ہی نہ ملا تھا ۔ ہان باہر مردانے مین لوگ آپسمین اس امر پر بات چیت کر رہے تھے ۔

ڈھائی گھنٹہ تک تو اُس مکان مین عورتون کا خوب ہجوم تھا ۔ چارہ لطف

دُنیا پیتا ہی تھا۔ مگر شام ہوتے ہوتے سب عورتین اپنے اپنے گھر گئین بیچاری پریا کو غش پر غش آنے لگے۔ اسلیے لوگ اُسے وہان سے پالکی پر اٹھا کر لے گئے۔ اور دیا بین بتی پوڑے پڑے اس مکان مین بجز بلو اور یورنا کے کوئی نہ تھا۔ ہائے! یہی وقت تھا کہ بسنت کمار دفتر سے آیا کرتے۔ یورنا اسوقت دروازہ پر کھڑی اُنکی راہ دیکھا کرتی تھی اور اُنکو دیکھتے ہی لپک کر اُنکے ہاتھون سے چھتری لے لیتی تھی۔ روز اُنکے لیے جلیبیان لاکر دھر دیتی تھی۔ جبتک وہ مٹھائیان کھاتے تھے وہ جھٹ پٹ پان کے بیڑے لگا کر دیتی تھی۔ وہ عاشق زار۔ دن بھر کا تھکا ماندہ۔ بیوی کی ان خاطر دارون سے اپنی تمام تکلیفون کو بھول جاتا۔ کہان وہ مسرت افزا خاطرتین اور کہان آج وہ سناٹا! تمام گھر بھائین بھائین کر رہا تھا دیوارین کاٹنے کو دوڑتی تھین۔ معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار پر حسرت چھائی ہے۔ بیچاری یورنا آنگن مین خاموش بیٹھی ہے۔ اُسکے کلیجے مین اب رونے کی قوت نہین ہے۔ ہان آنکھون سے آنسوؤن کے تار جاری ہین اُسکو معلوم ہوتا ہی کہ کوئی دل سے خون چوس رہا ہی۔ اُسکے محسوسات کو بیان کرنے کی ہماری زبان مین قوت نہین۔ ہائے! اسوقت یورنا پہچانی نہین جاتی۔ اسکا چہرہ زرد ہو گیا ہی ہونٹون پر پپڑی چھائی ہے۔ آنکھین سوج آئی ہین سر کے بال کھُلکر پیشانی پر آ گرے ہین ریشمی ساری پھٹ کر تار تار ہو گئی ہے۔ جسم پر زیور ایک بھی نہین ہین۔ چوڑیان ٹوٹ کر چکنا چور ہو گئی ہین۔ وہ حسرت نصیب۔ ماتم کی مجسم تصویر ہو رہی ہے اُسکی یہ حالت اور بھی ناقابل برداشت ہو رہی ہے کیونکہ کوئی اُسکو تسکین دینے والا نہین ہی۔ یہ سب کچھ ہو گیا ہی مگر یورنا ابھی تک کلی طور پر مایوس نہین ہوئی ہی۔ اُسکے کان دروازہ کیطرف لگے ہین کہ کہین کوئی اُسکے صحیح و سلامت نکلنے کی خبر نہ لاتا ہو۔ الم زدہ دلون کا یہی حال ہوتا ہی اُنکی آس ٹوٹ جانے پر بھی بندھی رہتی ہے۔

شام ہوتے ہوتے اس پُر حسرت واقعہ کی خبر سارے شہر مین گونج اُٹھی

جو سنتا تھا افسوس کرتا تھا۔ بابو امرت رائے کچہری سے آرہے تھے کہ راستے مین اُنکو یہ خبر ملی وہ بسنت کمار کو بخوبی جانتے تھے۔ انھین کی سفارش سے پنڈت جی کو دفتر مین وہ جگہہ ملی تھی۔ سخت افسوس ہوا مکان پر آتے ہی۔ کپڑے بدل۔ بائیسکل پر سوار ہو پورنا کے مکان کیطرف پہونچے۔ جاکر دیکھا تو ہر طرفہ سناٹا چھایا ہوا ہے۔ درو دیوار سے سناٹا برس رہا ہے۔ پورنا ایسے ہی آوازون کے سننے کی عادی ہو رہی تھی۔ روز اسیوقت وہ انکے جوتے کی آواز کان لگاکر سنا کرتی تھی۔ چنانچہ اسوقت جون ہی اُسنے جوتے کی آواز سُنی وہ حیرت انگیز تیزی سے دروازہ کیطرف دوڑی نہین معلوم اُسکو کیا خیال ہوا کس امید پر دوڑی۔ مگر جون ہی دروازہ پر آکے اور بجائے اپنے پیارے شوہر کے بابو امرت رائے کو دیکھا ووہن ہی حواس بجا ہو گئے۔ شرم سے سر جھکالیا اور روتی ہوئی الٹے قدم واپس ہوئی ایسی مصیبت کے وقتون پر ہمدرد کی صورت گریہ وزاری کے لیے گویا ایک بہانہ ہو جاتی ہے۔ بابو امرت رائے یہان بہت کم آیا کرتے تھے۔ اسوقت اُنکے آنے سے پورنا کے دل پر ایک تازہ صدمہ پہونچایا۔ دل بھر امنڈ آیا اور باوجود ہزار ضبط کے آنکھون سے آنسو بہنے لگے اور انسیا پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ بابو امرت رائے جو فطرتاً نہایت رقیق القلب آدمی تھے اپنے گریہ کو ضبط نہ کرسکے۔ اسوقت تک مہری باہر آگئی تھی۔ اُسنے امرت رائے کو بیٹھنے کے لیے ایک کرسی دی اور سر نیچا کرکے رونے لگی۔

امرت رائے نے مہری کو دلاسا دیا۔ اُسکو پورنا کی خبرگیری کی تاکید کی۔ دہلیز مین کھڑے ہوکر پورنا کو سمجھایا۔ اور اُسکو ہر طرح مدد دینے کا وعدہ کرکے چراغ جلتے جلتے اپنے بنگلے کیطرف روانہ ہوئے۔ اسیوقت پریما غشون سے باز یافت پاکر تھتانی پہ ہوا کھانے نکلی تھی اُسکی نگاہ پھاٹک کے دروازہ کی طرف لگی ہوئی تھی۔ دفعتہً اُسنے کسی کو اُسکے گھر سے نکلتے دیکھا غور سے دیکھا تو پہچان گئی۔ ہائے! یہ تو امرت رائے ہین!

پانچواں باب

اِین! یہ گجرا کیا ہو گیا!!

پنڈت بسنت کمار کا دنیا سے اُٹھ جانا صرف پورنا ہی کے لئے جان لیوا نہ تھا پریما کی حالت اُسکی سی تھی پہلے وہ اپنی قسمت پر رویا کرتی تھی - اب پورنا کی ہمدردانہ باتیں دمسازیاں آ آ کر اُسکو رولاتی تھیں پورنا کبھی اُسکو گا کر سناتی - کبھی اُسکے سامنے کوئی دلچسپ کتاب پڑھتی - کبھی اُسکو باغ کی سیر کراتی - مگر جب سے اُس بیچاری پر مصیبت پڑی تھی - پریما کا غم غلط کرنیوالا کوئی نہ تھا - اب اُسکو سوائے چارپائی پر پڑے رہنے کے اور کام نہ تھا - نہ وہ کسی سے ہنستی بولتی تھی - نہ اُسکو کھانے پینے سے رغبت تھی - شوق سنگار اُسکو مطلق نہ بھاتا تھا - سر کے بال دو دو ہفتے نہ گوندھے جاتے - سُرمہ دانی الگ پڑی رویا کرتی - کنگھی الگ ہاتھ ملے کرتی - گہنے بالکل اُتار پھینکے تھے - صبح سے شام تک اپنے کمرے میں پڑی خدا معلوم کیا کیا کرتی - کبھی چارپائی پر لیٹتی کبھی زمین پر کروٹیں بدلتی - کبھی ادھر اُدھر بوکھلائی ہوئی گھومتی - اکثر بابو امرت رائے کی تصویر کو دیکھا کرتی - اور جب اُنکے پرانے خطوط یاد آتے تو روتی اُسے معلوم ہوتا تھا کہ اب میں چند دنوں کی اور مہمان ہوں -

پہلے دو ماہ تک تو بیچاری پورنا کو برہمنوں کی ضیافت و تواضع و شوہر کی کریا کرم سے سانس لینے کی مطلق فرصت نہ ملی کہ یہاں آتی - پریما دو تین بار باوجود ماں کی ممانعت کے وہاں گئی تھی - مگر وہاں جا کر بجائے اسکے کہ پورنا کو تشفی دے - وہ خود رونے لگتی تھی - اسوجہ سے اب اُدھر نہ جاتی - ہاں شام کے وقت وہ مہتابی پر جاکر ضرور بیٹھتی - اسلئے نہیں کہ اُسکو سماں سہانا معلوم ہوتا تھا - یا ہوا کھانے کو جی چاہتا تھا - نہیں - بلکہ صرف اسلئے کہ وہ کبھی کبھی امرت رائے کو اُدھر سے پورنا کے گھر جاتے دیکھتی - ہائے! جس وقت وہ اُنکو دیکھتی اُسکا دل ہاتھوں اُچھلنے لگتا - جی چاہتا کہ کود پڑوں اور اُنکے قدموں پر جان نثار کر دوں - جبتک وہ

نظر آتے وہ ٹکٹکی باندھے انکو دیکھا کرتی۔ جب وہ نظروں سے چھپ جاتے تب بے اختیار اُسکے آنکھوں مین آنسو بھر جاتا اور کلیجہ مسوسنے لگتا ایسا معلوم ہوتا کہ دل بیٹھا جاتا ہے۔ اسی طرح گئی مہینے بیت گئے۔

ایک روز وہ حسب معمول اپنے کمرے مین لیٹی ہوئی کروٹین بدل رہی تھی کہ پورنا اندر آئی۔ ہائے! اسوقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسنے کسی مہلک عارضہ سے شفا پائی ہے چہرہ زرد تھا اور اسپر غضب کی پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ رخسار سے پچکے ہوئے تھے اور آنکھین جنمین اب چلت پھرت باقی نرہی تھی اندر گھسی ہوئی تھین۔ سر کے بال شانون پر بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے گہنے زیور کا نام نہ تھا۔ صرف ایک مہین سکھ کی ساری پہنے ہوئے تھی۔ اسکو دیکھتے ہی پریما دوڑ کر اُسکے گلے سے چمٹ گئی اور اسکو لاکر اپنی چارپائی پر بٹھا دیا۔

کئی منٹ تک دونون سکھیان خاموش تھین۔ دونون کے دلون مین خیالات کا دریا اُمڈا ہوا تھا مگر زبان مین یارائے گویائی نہ تھا۔ آخر پورنا نے کہا۔ پیاری پریما! کیا آجکل طبیعت خراب ہے کیا۔ بالکل گھل کر کانٹا ہو گئی ہو۔

پریما نے مسکرانے کی کوشش کرکے کہا ”پورنا تم بھولی جاتی ہو۔ میری طبیعت اچھی کب تھی! تم تو خیریت سے رہین؟“

پورنا چشم پر آب ہوکر ”میری خیریت کیا پوچھتی ہو سکھی۔ خیریت تو میرے لئے سپنا ہو گئی تین مہینے سے زیادہ ہو گئے مگر ابتک میری آنکھین نہین جھپکین معلوم ہوتا ہے نیند آنسو ہوکر بہہ گئی!“

پریما۔ سکھی ایشور جانتا ہے میرا بھی یہی حال ہے۔ اگر تم بیاہی بدھوا ہو تو مین کنواری بدھوا ہون ہماری تمہاری ایک ہی گت ہے۔ ہان سکھی مین نے ٹھان لیا ہے کہ اسی سوگ مین زندگی کاٹون گی“

پورنا۔ کیسی باتین کرتی ہو۔ پیاری۔ مین ابھاگنی ہون میرا کیا۔ جتنا سکھ بھوگنا میری قسمت مین بدا تھا بھوگ چکی۔ مگر تم اپنے کو کیون گھلائے ڈالتی ہو۔ پیاری! مین تمسے سچ کہتی ہون بابو امرت رائے کی حالت بھی تمہاری ہی سی ہے۔ وہ میرے یہان کئی بار آئے مجھے نہایت متفکر معلوم ہوتے ہین مین نے ایک روز دیکھ لیا تھا وہ تمہارے کاڑھے

ہوے رومال لیے ہوے تھے۔ پریما کا چہرہ یکایک کھل گیا۔ فرط مسرت سے آنکھیں جگمگا لگین۔ اُسنے پورنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیلیا اور اسکی آنکھون سے آنکھین ملا کر بڑی سنجیدگی سے پوچھا میری جان " سچ بتا کبھی انسی ادھر کی باتین بھی آتی ہین تا

پورنا۔ (مسکرا کر) "کیون نہین اکئی بار بات چلی۔ مین نے انسے کہا آپ اپنی شادی کیون نہین کرتے۔ مگر انھون نے اسکا کچھ جواب نہ دیا۔ ہان بشرے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی بات انکو ناگوار گذرتی ہے اسی خیال سے پھر یہ تذکرہ چھیڑتے ڈرتی ہوں

پریما "تم اُنکے سامنے نکلتی ہو؟"۔

پورنا۔ کیا کرون بلا سامنے آئے کام تو نہین چل سکتا اور سکھی اب انسے کیا پردہ کرون۔ انھون نے مجھپر جو جو احسان کیے ہین انسے مین کبھی اورن نہین ہو سکتی۔ پہلے ہی دن جبکہ مجھپر یہ بپت پڑی۔ اُسی رات کو میرے یہان چوری ہو گئی۔ جو کچھ اسباب تھا ظالمون نے موس لیا۔ سچ مانو اسوقت میرے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی۔ بڑے بکھیڑے مین پڑی ہوئی تھی کہ اب کیا کرون۔ جدھر نظر دوڑائی اندھیرا نظر آتا تھا۔ اُسی دن بابو امرت رائے آگئے۔ ایشور انکو جگ جگ سلامت رکھے۔ انھون نے بلو کی تنخواہ مقرر کردی اور میرے ساتھ بھی بہت کچھ سلوک کیا۔ اگر اسوقت آڑے نہ آتے تو شاید ابتک بلا دانہ مر گئی ہوتی۔ سوچتی ہون کہ وہ اتنے بڑے آدمی ہو کر مجھ بھکارنے کے دروازے پر آتے ہین تو اُنسے کیا پردہ کرون۔ اور دنیا ایسی ہی کہ اتنا بھی نہین دیکھ سکتی۔ وہ جو پڑوس مین پنڈاین رہتی ہین کئی بار میرے مکان پر آئین۔ اور بولین کہ سر کے بال منڈا لو بدھواؤن کو سر کے بال نہ رکھنے چاہئین مگر مین نے ابتک انکا کہنا نہین مانا۔ اسپر سارے محلہ مین طرح طرح کی باتین میری نسبت کیجاتی ہین۔ کوئی کچھ کہتا ہی۔ کوئی کچھ۔ جتنے منھ اتنی باتین۔ بلّو آکر سب کہانی مجھ سے کہتی ہی۔ سب سُن لیتی ہون اور رو دھو کر چپ ہو رہتی ہون میری قسمت مین دُکھ بھوگنا۔ لوگون کی جلی کٹی سننا نہ لکھا ہوتا تو یہ آفت ہی کاہیکو آپڑتی۔ مگر بالون نے کیا قصور کیا ہی جو انکو منڈاؤن۔ ایشور نے سب کچھ تو ہر لیا۔ اب کیا ان بالون سے بھی ہاتھ دھوؤن"۔

یہ کہکر پورنا نے شانون پر بکھرے ہوے لمبے لمبے بالون کو بڑے اطمینان کی نگاہون سے دیکھا۔ پریما نے انکو ہاتھ سے سنبھال کر کہا "نہین پیاری پورنا تمھین ہماری قسم بالون

کو مت منڈاانا - پنڈا ئین کو کہنے دو - ہو تمہ - بال منڈا لو - ایشور جانے کیسے خوبصورت بال ہین - اور گو تمنے کنگھی نہین کی ہی، تاہم بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہین مصیبت تو جو پڑنی تھی اُسے دل ہی جانتا ہی - بالون کے منڈانے سے کیا فائدہ یہ دیکھو تپ کیطرف جو زخم پڑ گیا ہے کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے -

یہ کہکر پریما اُٹھی بکس مین سے خوشبودار تیل نکالا اور جبتک پورنا ہائین ہائین کرے کرے اُسنے اُسکے سر کی چادر کھسکا کر تیل ڈالدیا اور اُسکا سر زانو پر رکھکر آہستہ آہستہ ملنے لگی - پورنا بیچاری ان نازبرداریون کی متحمل نہو سکی - اُس کی آنکھون سے آنسو بہنے لگے - بولی پیاری پریما! یہ کیا غضب کرتی ہو؟ ابھی کیا کم بدنامی ہو رہی ہی؟ جو بال سنوارنے لگون گی نہین معلوم سب کیا کہینگے - اب تم سے کیا دل کی بات چھپاؤن سکھی - ایشور جانتا ہے مجھے یہ بال خود بوجھ معلوم ہوتے ہین - جب اس صورت کو دیکھنے والا ہی جہان سے اُٹھ گیا تو یہ بال کس کام کے - مگر مین جو انکو رکھکر بڑوسیون کے طعنے سہتی ہون تو صرف اس خیال سے کہ سر کے بال منڈا کر مجھسے بابو امرت رائے کے سامنے نہ نکلا جائے گا - ہاے! سر منڈا کر مین اُنکے سامنے کیسے جاؤن گی - اور وہ اپنے دل مین کیا سمجھینگے یہ کہکر پورنا پھر چشم پر آب ہو گئی اور پریما نے آہستہ آہستہ اُسکے سر مین تیل ملا - اُسکے بعد کنگھی کی - بیچاری پورنا تو مدت سے ان آرائشون و زیباوٹون کو خیرباد کر چکی تھی - ان ہمدردانہ و مسازیون نے اُسکے دل دردمند کو مشوسنا شروع کیا - مگر پریما نے نہایت محبت آمیز انداز سے اُسکے بال گوندھے اور تب آہستہ سے ایک آئینہ لاکر اسکے سامنے رکھدیا - ہاے! پورنا نے تین مہینے سے آئینہ نہین دیکھا تھا - اُسکو معلوم ہوتا تھا کہ میری صورت بالکل اُتر گئی ہو گی - مگر آج جو دیکھا تو سوائے اُسکے کہ چہرہ زرد ہو گیا تھا اور کوئی تبدیلی نہ معلوم ہوئی - بلکہ سادگی حسرت اور مایوسی نے ایک نئی کیفیت پیدا کر دی تھی - آنکھون مین آنسو بھر کر بولی وو پریما! ایشور کے لئے اب بس کرو - میری قسمت مین یہ سنگار بدا ہی نہین ہی - پڑوسی دیکھینگے تو اُنکی چھاتی پھٹیگی - نہین معلوم کیا لگاوین یہ کہکر وہ خاموش ہو گئی - اور وہ یادگارین جنکو بھلانے کی وہ کوشش کر رہی تھی تازہ ہو آئین - پریما اُسکی صورت کو ٹکٹکی باندھکر دیکھ رہی تھی اُسکو پورنا کبھی ایسی حسین نہ معلوم ہوئی تھی - اُسنے پیار سے اُسے گلے لگا لیا -

اور بولی۔ "پورنا! کیا ہرج ہی اگر تم میرے یہان اُٹھ آؤ۔ ہم تم دونون بدھوا ساتھ ساتھ رہین گے۔ تمھین میری قسم انکار مت کرو۔"

پورنا۔ "پیاری! اس سے بڑھکر مجھے کیا خوشی حاصل ہو سکتی ہے کہ مین تمھارے ساتھ ساتھ رہون۔ مگر ہاے اب تو مجھکو پھونک پھونک کر پیر دھرنا پڑتا ہے نہین معلوم زمانہ کیا کہے۔ علاوہ اسکے اس معاملہ مین بابو امرت راے کی صلاح کی بھی ضرورت ہی۔ بلا اُنکی مرضی کے کیسے آسکتی ہون زمانہ کیسا اندھا ہی ایسے رحمدل اور غریب پرور شخص کو لوگ کہتے ہین کہ عیسائی ہو گیا ہی۔ کہنے والون کے مُنھ سے نہ معلوم کیسے ایسی جھوٹی بات نکلتی ہی۔ مجھسے وہ کہتے تھے کہ مین بہت جلد ایک ایسا استحقاق بنوانے والا ہون جس مین لاوارث بدھوائین آکر رہینگی۔ وہان اُنکے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائیگا اور اُن کو پڑھنا لکھنا اور پوجا پاٹ کرنا سکھایا جائیگا۔ جس آدمی کے خیالات ایسے پاک ہین اسکو وہ لوگ عیسائی اور بے دین بتاتے ہین جو بھول کر بھی بھکمنگے کے سامنے ایک کوڑی بھی نہین پھینکتے۔ کیسا اندھیر ہی!"

پریما نے بڑی آواز درد ناک مین جواب دیا "کیا بتلاؤن سکھی! اپنی قسمت پر اتنی مدت تک افسوس کیا کہ اب افسوس بھی نہین کیا جاتا۔ ہاے! کاش مین اُنکی چیری ہوتی۔ ایسے فیاض داتا کی چیری بننا بھی ایک فخر ہی۔ کیون پورنا کیا وہ اب بیاہ نہ کرین گے؟" یہ کہکر شرم سے سر جھکا لیا۔

پورنا۔ "بیاہ! ارے وہ تو مُنھ کھولے بیٹھے ہین۔ تمھارے لالہ جی ہی نہین منظور کرتے۔ مین یہ زور دیکر کہہ سکتی ہون کہ اگر تمسے اُنکی شادی نہوئی تو وہ کنوارے رہینگے۔"

پریما۔ "یہان بھی یہی ٹھان لی ہی کہ چیری ہونگی تو اُنھین کی۔"

کچھ دیر تک یہی باتین ہوا کین۔ جب سورج ڈوبنے کا وقت آیا تو پریما نے کہا چلو پورنا تمکو باغ کی سیر کرا لاؤن۔ تین مہینے ہو گئے مین اُدھر بھول کر بھی نہین گئی۔

پورنا۔ میرے بال کھول دو تو چلون۔ تمھاری بھاوج دیکھینگی تو طعنہ دین گی۔

پریما۔ "طعنہ کیا دینگی کوئی کھیل ہی اگر اس گھر مین اب تمکو کوئی ترچھی نگاہ سے بھی

دیکھے تو اپنا اور اُسکا خون ایک کر لون"
دونون سکھیان اُٹھین اور ہاتھ مین ہاتھ دیے زینہ سے اُتر کر باغ مین آئین باغ کیا تھا - ایک چھوٹی سی پھلواری تھی جس مین قرینے سے راستہ بنا ہوا تھا- پریما کو پھولون سے بہت زیادہ شوق تھا- اس لیے یہان گلاب چنپا- بیلا- وغیرہ خوبصورت کیاریون مین بکثرت لگے ہوے تھے دو تین لونڈیان خاص اس خطہ کے سیراب کرنے کے لیے نوکر تھین-
باغ کے بیچون بیچ مین ایک گول چبوترہ بنا ہوا تھا - دونون سکھیان اس چبوترہ پر بیٹھین - شام کا سہانا وقت تھا شفق کی سُرخی آسمان پر نمودار تھی - ٹھنڈی ٹھنڈی اور عنبر بیز ہوا چل رہی تھی - پریما کو دیکھتے ہی مالن بہت سی کلیان ایک صاف تر کپڑے مین لپیٹ کر لائی - پریما نے اُنکو لیکر پورنا کو دینا چاہا مگر وہ آبدیدہ ہو گئی اور بولی سکھی مجھے معاف رکھو - ان کی بو باس تمکو مبارک ہو - سہاگ کے ساتھ مین نے پھول بھی تیاگ دیئے - ہاے! جسدن وہ نہانے گئے تھے اس دن مین نے ایسی ہی کلیون کا ایک ہار تیار کیا تھا- اُسدن سے مین نے پھولون کو ہاتھ نہین لگایا - یہ کہتے کہتے وہ دفعتاً چونک پڑی اور بولی " پیاری اب مین جاؤن گی - آج اتوار کا دن ہے بابو امرت راے عموماً اتوار کو اسی وقت آیا کرتے ہین - شاید آج بھی آجائین -
پریما نے مسکرا کے کہا دو نہین سکھی - ابھی انکے آنے مین آدھ گھنٹہ کی دیر ہے مجھے تو اسوقت کا ایسا اندازہ ہو گیا ہے کہ اگر کمرہ مین بھی بند کر دو تو شاید غلطی نہ کرون - ہاے! سکھی تم سے سچ کہتی ہون جھروکے پر بیٹھکر روز گھنٹون انکی راہ دیکھا کرتی ہون - کمبخت دل کو بہت سمجھاتی ہون نہین مانتا"
پورنا "ذرا اب پہلے سے جا کر بلو سے کہدون کمرے مین جھاڑو دیدے - کل پھر ملونگی"
پریما "کل ضرور آنا پیاری - نہ آؤگی تو کہے دیتی ہون تو کچھ کھا کر سو رہون گی"
دونون سکھیان گلے ملین پورنا شرماتی ہوئی گھونگھٹ سے چہرہ کو چھپاے اپنے گھر کی طرف چلی اور پریما کسی کے دیدار کے اشتیاق مین مہتابی پر جا کر ٹہلنے لگی -

پورنا۔ کو پہونچے مشکل سے پندرہ منٹ گذرے ہونگے کہ بابو امرت رائے بائیسکل پر فر فر کرتے آموجود ہوے۔ آج انھون نے انگریزی کپڑون کی بجائے بنگالیون کی پوشاک زیب بر کی تھی جو انپر خوب کھبتی تھی۔ غضب کے جامہ زیب دوجیہ آدمی تھے۔ بازارون مین جا نکلتے تو لوگ بے اختیار ان کی طرف محو ہو جاتے تھے۔ اور شہر مین ایسی کونسی کنواری لڑکی ہوگی جو اُن کی بیوی بننے کی آرزو نرکھتی ہو معمول کے خلاف آج انکی داہنی کلائی پر ایک ہار لپٹا ہوا تھا۔ جس سے خوشبو اُڑ رہی تھی۔ خصوصاً دھانی رنگ کی ریشمی چادر جو اُنکے گلے مین پڑی ہوئی تھی ہوا کے نرم نرم جھونکون سے لہرا لہرا کر ایک کیفیت دکھاتی تھی۔ جوتے کی آواز سنتے ہی بلو نے بابو صاحب کو کمرہ مین بٹھلایا

امرت رائے "کیون بلو خیریت؟ (خیریت ہے)

بلو "ہان سرکار! سب خیریت ہے"

اسی اثنا مین نشست گاہ کا اندرونی دروازہ کھلا اور پورنا نکلی۔ بابو امرت رائے نے اُسکی طرف دیکھا تو حیرت مین آگئے۔ اور نگاہین خود بخود اُسکے چہرہ پر جم گئین۔ پورنا مارے شرم کے گڑی جاتی تھی کہ آج کیون میری طرف اسطرح تاک رہے ہین۔ اسکو نہین معلوم تھا کہ آج مین نے بالون مین تیل ڈالا ہے۔ کنگھی کی ہے۔ پیشانی پر سیندور کی ایک بندی بھی پڑی ہوئی ہے بابو امرت رائے نے اسکو اس بناؤ۔ چناؤ کے ساتھ کبھی نہین دیکھا تھا اور نہ انکو کبھی خیال ہوا تھا کہ وہ ایسی حسین ہوگی۔ چند منٹ تک تو پورنا سر نیچا کیے کھڑی رہی۔ یکایک اُسکو اپنے گوندھے ہوئے بالون کا خیال آگیا اور اُسنے فوراً شرما کے گردن نیچی کر لی۔ گھونگھٹ کو بڑھا کر چہرہ چھپا لیا۔ اور یہ خیال کر کے شاید بابو صاحب اس بناؤ سنگار سے ناراض ہین اُسنے نہایت بھولے پن کے ساتھ یون معذرت کی مین کیا کرون! آج پریا کے گھر گئی تھی انھون نے زبردستی سر مین تیل ڈالکر بال گوندھ دیے۔ مین کل سب بال کٹوا ڈالون" یہ کہتے کہتے اُسکی آنکھون مین آنسو بھر آئے۔

ایک تو اُسکے بناؤ سنگار۔ دوسرے اسکے بھولے پن نے بابو صاحب کو

لبھا لیا۔ بے اختیار بول اُٹھے۔ نہین نہین تمھین میرے سر کی قسم ایسا ہرگز نکرنا۔ مین بہت خوش ہون کہ تمھاری سکھی نے تمھارے اوپر یہ مہربانی کی۔ اگر اسوقت وہ یہان ہوتین تو مین اُنکا اس احسان کے لیے شکریہ ادا کرتا"

پورنا۔ پڑھی لکھی عورت تھی۔ ہندی کے مشکل دوہرون کے معنی نکال لیتی۔ اس اشارہ کو سمجھ گئی اور جھیپ کر گردن نیچی کر لی۔

پریما کا نام سنکر بابو صاحب کو خواہش پیدا ہوئی کہ ذرا اُسکی نسبت کچھ اور حالت معلوم کرین۔ بولے "تمھاری سکھی پریما ہین تو اچھی طرح؟"

پورنا۔ اچھی طرح کیا ہین۔ آج انکو دیکھکر مین اپنی مصیبت بھول گئی وہ بالکل سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہین مہینون سے کھانا پینا برای نام ہے۔ دن بھر پلنگ پر پڑے پڑے رویا کرتی ہین۔ گھر والے انکو سمجھاتے ہین نہین مانتین آج مجھے دیکھکر بہت خوش ہوئین اور بڑی دیر تک اپنی دکھ درد کی داستان سناتی رہین۔ آخر مین انھون نے کہا پورنا اگر چیری نہوگی تو بابو امرت راے کی ورنہ کنواری رہونگی"

اس خبر کو سُنکر امرت راے کے چہرہ پر ایک حسرت سی چھا گئی۔ بولے "سچ ہے"

پورنا" جی ہان انکی حالت نہایت نازک ہے۔ مجھسے بار بار پوچھتی تھین کہ تمسے بابو صاحب سے کبھی ادھر کا ذکر آتا ہے مین نے کہدیا کہ وہ تمھارے فراق مین بہت بے چین ہین۔ اسپر بہت خوش ہوئین"

امرت راے" تمکو کیسے معلوم ہوا کہ مین پریما کے فراق مین بے چین ہون کوئی زمانہ وہ تھا جب مین انکا فدائی تھا۔ اور اُنسے شادی کرنیکا ارمان رکھتا تھا۔ مگر اب وہ باتین گذر گئین۔ منشی بدری پرشاد نے مجھے اس اعزاز کے قابل نہین سمجھا۔ مجھے یہ سنکر سخت افسوس ہوا کہ پریما ابھی تک مجھکو یاد کرتی ہین"

پورنا" بابو صاحب! لونڈی کی گستاخی معاف۔ مجھے تو یقین نہین ہوتا کہ پریما کی محبت آپکے دل مین نہین ہے لوگ کہتے ہین محبت ایکطرفہ ہو ہی نہین سکتی۔ الشیور جانے آج جب مین نے اُنسے آپکا ذکر کیا تو پھول کی طرح کھل گئین چہرہ روشن

ہوگیا۔ مجھے گلے لگا کر کہا سکھی اُن سے کہہ دینا کہ اگر اب بھی مجھپر ترس نہ کھا ئینگے تو مین ضرور زہر کھا لونگی"۔

امرت رائے۔ پورنا ہمکو سخت افسوس ہے انکی حالت پر۔ اسمین کوئی شک نہین کہ پہلے مین انپر شیدا تھا۔ مگر مین نے کامیابی کی کوئی امید نہ دیکھکر رو رو کر اس آگ کو بجھایا۔ اب اسکے بجائے کوئی دوسری ہی تمنا پیدا ہو گئی ہے اور اگر یہ بھی نہ پوری ہوئی تو یقین جانو کہ مین بن بیاہا ہی رہونگا۔ یہ کہکر وہ زمین کی طرف تاکنے لگے۔

پورنا کا خیال تھا کہ بابو امرت رائے کی شادی پریما سے ہو یا نہو وہ اُسکی محبت ضرور کرتے ہین مگر جب اُسکو معلوم ہوا کہ انکی شادی کہین اور ہونیوالی ہے تو انکی باتون پر یقین آگیا مسکرا کر شرماتی ہوئی بولی "ایشور آپکی یہ مراد پوری کرے شہر مین کون ایسا رئیس ہے جو آپ سے ناتا کرنا فخر نہ سمجھتا ہو اگر اس کام مین مجھ سے کوئی خدمت انجام پا جائیگی تو مین اپنے کو نہایت خوش قسمت سمجھونگی جو کام میرے قابل ہو وہ فرما دیجیے مین بسر و چشم بجالاونگی۔

امرت۔ (مسکرا کر) "تمھاری بلا تو اس کام کا انجام پانا ہی محال ہے۔ بلکہ تمھاری ہی رضامندی پر اس تمنا کا دار و مدار ہے"۔

پورنا بڑی خوش ہوئی۔ پھولی نہ سمائی کہ مین بھی اب انکا کچھ کام کر سکونگی۔ اسکی سمجھ مین اس جملے کے معنے نہ آئے "تمھاری ہی رضامندی پر اس تمنا کا دار و مدار ہے"۔ اُسنے سمجھا شاید مجھے نامہ و پیام کا کام سپرد ہوگا۔ اُسنے ان الفاظ کا مطلب چھ مہینے کے اندر ہی اندر اچھی طرح سمجھ لیا بابو امرت رائے کچھ دیر تک یہان اور بیٹھے۔ انکی نظرین آج بے اختیار ادھر اُدھر سے گھوم کر آتین اور پورنا کے چہرہ پر گڑ جاتین۔ جبتک وہ بیٹھے رہے پورنا کو مارے شرم کے سر اُٹھانے کی جرأت نہین ہوئی۔ افسردہ اُٹھے اور چلتے وقت بولے۔ پورنا مین یہ گجرا آج تمھارے واسطے لایا ہون۔ امید ہے کہ تم اسکو قبول کروگی۔ دیکھو کیسا خوشنما بنا ہے"۔ یہ کہکر انھون نے ہاتھ سے گجرا اسکی طرف بڑھایا۔

پورنا متحیر ہو گئی۔ آج غیر معمولی خاطر کیسی ایک منٹ تک اُسکے دل مین پس و پیش ہوا کہ

کہ یون یا نہ لون۔ ان گجرون کا خیال آیا جو اُسنے اپنے شوہر کے بیے ہولی کے دن تیار کیے تھے۔ پھر پریما کے کلیون کا خیال آگیا۔ اُسنے ارادہ کیا کہ مین نہ لون گی۔ زبان نے کہا "مجھے معاف رکھیئے مگر ہاتھ ایکسبے اختیاری طور پر بڑھ گیا۔ بابو صاحب نے خوش خوش گجرا اُسکے ہاتھ مین پہنا یا۔ اُسکو خوب نظر بھر کر دیکھا۔ بعد ازان باہر نکل آئے۔ بائیسکل پر سوار ہو کر روانہ ہوگئے پورنا کئی منٹ تک نقش تصویر بنی کھڑی رہی۔ اسکو خبر نہ تھی کہ میرے ہاتھ مین گجرے کیسے آگئے۔ مین نے تو انکار کیا تھا جی چاہا کہ پھینک دون۔ مگر پھر یہ خیال پلٹ گیا۔ اُسنے گجرے کو ہاتھ مین پہن لیا۔ ہاے! اسوقت بھی اسکی سمجھ مین نہ آیا کہ اس جملہ کا کیا مطلب ہے "تمھاری ہی رضامندی پر اس تمنا کا دارومدار ہے"

اُدھر پریما مہتابی پر ٹہل رہی تھی۔ اُسنے بابو صاحب کو آتے دیکھا تھا اُنکی وضع اُس کی نظرون مین کھب گئی تھی۔ اُسنے کبھی اس بناؤ کے ساتھ نہین دیکھا تھا سب سے زیادہ تعجب اسکو اس بات کا تھا کہ انکے ہاتھون مین گجرا کیون ہے۔ وہ اُن کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اُسکا جی جھنجھلا تا تھا کہ وہ آج اتنی دیر کیون لگا رہے ہین۔ کیا باتین ہو رہی ہین۔ دفعتہً بائیسکل نظر آئی۔ اُسنے پھر بابو صاحب کو دیکھا۔ چہرہ شگفتہ تھا۔ ہاتھ پر نظر پڑ گئی ایین! یہ گجرا کیا ہو گیا؟"

چھٹا باب

سے پر سوڈرے

پورنا نے گجرا پہن تو لیا مگر رات بھر اُسکی آنکھون مین نیند نہین آئی۔ اُسکے سمجھ مین یہ بات نہ آتی تھی کہ بابو امرت راے نے اُسکو گجرا کیون دیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پنڈت بسنت کمار اسکی طرف نہایت قہر آلودہ نگاہون سے دیکھ رہے تھے۔ اُسنے چاہا گجرا اُتار کر پھینکدون۔ مگر نہین معلوم کیون اُسکے ہاتھ کانپنے لگے۔ ساری رات

اُسکے آٹھویں کاتی صبح ہوئی ابھی سورج بھی نہ نکلا تھا کہ پنڈائن وچو بائن و بابو کملا پرشاد کی بوڑھی مہراجن مع سیٹھانی جی اور کئی دوسری عورتوں کے پورنا کے مکان میں داخل ہوئیں۔ اسنے بڑے ادب سے سبکو بٹھایا۔ سب نے کے قوم چھو نے کے بعد ازان یہ پنچایت ہونے لگی۔

پنڈائن۔ جو بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ کر چھوہارے کی طرح ہوگئیں تھیں) "کیوں دلہن۔ پنڈت جی کو گنگا لابھ ہوے کتنے دن بیتے؟"

پورنا۔ (ڈرتے ڈرتے) تین مہینہ سے کچھ زیادہ ہوتا ہی"

پنڈائن "اور ابھی سے تم سب گھر آنے جانے لگیں کیا نام کہ کل تم سرکار کے گھر چلی گئی تھیں۔ اُنکی کنواری کنیا کے پاس دن بھر بیٹھی رہیں بھلا سوچو تو تمنے اچھا کیا یا بُرا۔ کیا نام تمہارا اور اُنکا اب کیا ساتھ! جب وہ تمہاری سکھی تھیں تب تھیں۔ اب تو تم بدھوا ہوگئیں تم کو کم سے کم سال بھر تک گھر سے پاؤں باہر نہیں نکالنا چاہیے تھا۔ یہ نہیں کہ تم درشن کو نہ جاؤ۔ اشنان کو نہ جاؤ۔ اشنان پوجا تو اب تمہارا دھرم ہی ہے۔ ہاں کسی سہاگن یا کسی کنوار کنیا کے اوپر تمکو اپنا سایہ نہیں ڈالنا چاہیے۔

پنڈائن۔ خاموش ہوئیں تو منشی بدری پرشاد کی مہراجن فرمانے لگیں "کیا بتلاؤں بڑی سرکار اور دلہن دونوں کل خون کا گھونٹ پی کے رہ گئیں بڑی سرکار تو ایشور جانے بلک بلک کے روتی تھیں۔ کہ ایک تو بیچاری لڑکی کے یوں ہی جان کے لالے پڑے ہیں دوسرے اب رانڈ بیوہ کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ہی۔ نہیں معلوم ایشور کیا کرینوالے ہیں چھوٹی سرکار مارے غصہ کے کانپ رہی تھیں۔ بارے میں نے اُنکو سمجھایا کہ آج معاف کیجیے۔ ابھی وہ بیچاری بچہ ہی۔ ریت بیوہار کیا جانے۔ سرکار کا بیٹا جیسے جب بہت سمجھایا تب جاکے مانیں۔ نہیں تو کہتی تھیں کہ میں ابھی جاکر کھڑے کھڑے نکالدیتی ہوں سو بیٹا اب تم سہاگنوں یا کنیاؤں کے ساتھ بیٹھنے جوگ نہیں رہیں۔ ارے ایشور نے تو تم پر بپت ڈالدی۔ اب تمہارا دھرم یہی ہے کہ چپ چاپ اپنے گھر میں پڑی رہو۔ جو کچھ میسر ہو کھاؤ پیو اور سرکار کا جہاں تک ہو سکے دھرم کے کام کرو۔"

پورنا نے جاکر ابھی کچھ جواب دیا نہ تھا کہ چوبائن صاحبہ نے پند و نصائح کا دفتر کھولا۔ یہ ایک موٹی بد ہیکل بھدی ادھیڑ عورت تھی۔ بات بات پر آنکھیں مٹکا کرتی تھی اور ناونچی

نہایت کرخت تھی" "بھلا ان سے پوچھو کہ ابھی تمھارے دولھے کو اُٹھے تین مہینہ بھی نہین بیتے اور تمنے ابھی سے آئینہ کنگھی چوٹی سب کرنا شروع کر دیا۔ کیا نام کہ تم اب بدھوا ہو گئین تمکو اب آئینہ کنگھی سے کیا سروکار ٹھیرا۔ کیا نام کہ مین نے بیچارون عورتون کو دیکھا ہی جو پتی کے مرنے کے بعد گھنا پاتا نہین پھٹکتین۔ ہنسنا بولنا تک چھوڑ دیتی ہین نہ کہ آج تو سہاگ اُٹھا اور کل سنگار پٹار ہونے لگا۔ کیا۔ نام کہ مین لگو تیتو کی بات نہین جانتی کہونگی سچ چاہے کسی کو تیتا لگے یا میٹھا بابو امرت رابے کا روج روج یہان آنا ٹھیک نہین ہی کہ نہین سیٹھانی جی؟"

اُسپر سیٹھانی جی نے ہانک لگائی۔ یہ ایک نہایت فربہ اندام۔ موٹے موٹے وزنی گہنون سے لدی ہوئی بوڑھی تھی۔ گوشت کے لوتھڑے ہڈیون سے الگ ہو کر نیچے لٹک رہے تھے۔ اسکی بھی ایک بہو بیوہ ہو گئی تھی جسکی زندگی اُسنے اجیرن کر رکھی تھی۔ اسکی عادت تھی کہ بات کرتے وقت ہاتھون کو مٹکایا کرتی تھی "ہے ہے جو سچ بات ہوگی سب کوئی کہیگا بھلا کسی نے کبھی رانڈ بیوہ کو ماتھے پر بندی دیکھا ہی۔ جب سہاگ اُٹھ گیا تو پھر ٹیکا کیسا۔ میری بھی ایک بہو بدھوا ہی مگر اُسکو آج تک لال ساڑی نہین پہننے دیتی۔ نہین معلوم ان چھوکریون کا جی کیسا ہی کہ بدھوا ہو جانے پر بھی سنگار پر لچایا کرتا ہی۔ ارے انکو چاہیے کہ بابا اب ہم رانڈ ہو گئے ہمکو نگوڑے سنگار سے کیا لینا ہی"

مہراجن۔ سرکار کا بیٹا جیے تم بہت ٹھیک کہتی ہو سیٹھانی جی کل چھوٹی سرکار نے جو انکو مانگ مین ٹیکا لگائے دیکھا تو کھڑی ٹھک رہ گئین۔ سرکار کا بیٹا جیے دانتون تلے انگلی دبائی۔ ابھی تین دن کی بدھوا اور یہ سنگار کرے! سو بیٹا اب تم کو سمجھ بوجھ کر کام کرنا چاہیئے تم اب بچہ نہین ہو"

پورنا بیچاری بیٹھی بسور رہی تھی اور یہ سب بے رحم عورتین اُسکی لے دے کر رہی تھین۔ اُسنے چاہا کہ ایکبار کچھ عذر معذرت کرے۔ مگر کون سنتا ہی سیٹھانی جی پھر گرج اُٹھین اور ہاتھ چمکا چمکا کر فرمانے لگین "اور کیا! جب کہنے کی بات ہوگی تو سب کوئی کہیگا۔ چپ کیون ہو پنڈائن؟ انکے لیے اب کوئی راہ باٹ نکالو گی

بنڈائن - کیا نام کہ سانچ کو آنچ نہین - دلہن کو چاہیے کہ سب سے پہلے یہ لمبے لمبے کیس کٹوا ڈالین - اور کیا نام کہ دوسرون کے گھر آنا جانا چھوڑ دین -

ہوبائن - اور بابو امرت راے کو یہان روج زوج آنا کیا جرور ہے؟"

مہراجن "سرکار کا بیٹا جیسے مین بھی یہ بات کہنے والی تھی - بابو صاحب کے آنے سے بدنامی کا ڈر ہے"

چند اور سکھاؤن کی باتین کر کے یہ مستورات یہان سے تشریف لے گئین مہراجن بھی منشی بدری پرشاد صاحب کے یہان کھانا پکانے گئین ان سے اور چھوٹی سرکار سے بہت بنتی تھی - وہ انپر بہت اعتبار رکھتی تھین - مہراجن نے جاتے جاتے ہی انسے ساری کتھا خوب رنگ و روغن - نمک مرچ لگا کر بیان کی - اور چھوٹی سرکار نے اس واقعہ کو پریما کے جلانے اور سلگانے کے لیئے مناسب سمجھکر اسکے کمرہ کی طرف رخ کیا"

یون تو پریما ہر روز ساری رات جاگا کرتی تھی - مگر کبھی کبھار گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے لیے نیند آجاتی تھی نیند کیا آجاتی تھی! ایک غشی سی عارض ہو جاتی تھی - مگر جب سے اُسنے بابو امرت راے کو بنگالیون کی وضع مین دیکھا تھا - اور پورنا کے گھر سے واپس آتے وقت انکی کلائی پر اوسکو کچھ نظر آیا تھا اُسوقت سے اُسکے پیٹ مین کھلبلی پڑی ہوئی تھی کہ کب پورنا آوے اور کب سارا حال معلوم ہو - رات تو بڑی بے چینی سے اُٹھ اُٹھکر گھڑی پر نظر دوڑائی اسوقت جو اُسنے پیرون کی چاپ سُنی تو سمجھی کہ پورنا آرہی ہے فرط اشتیاق سے لپک کر دروازہ تک آئی - مگر جون ہی اپنی بھاوج کو دیکھا - ٹھٹھک گئی اور بولی "کیسے چلین بھابھی؟"

دلہن صاحبہ تو چاہتی تھین کہ چھیڑ چھاڑ کے لیے کوئی ذریعہ ہاتھ آجاوے یہ سوال سنتے ہی تنک کر بولین - کیا بتلاؤن کیسے چلی - اب سے جب تمہارے پاس آیا کرون گی تو اس سوال کا جواب سوچکر آیا کرون گی تمہاری طرح سب کا خون تھوڑا ہی سفید ہو گیا ہے کہ چاہتے تھی کا گھڑا ڈھلک جاے گھر مین اگ لگی ہے مگر اپنے کمرے سے قدم باہر

نہ نکالنے دے"

وہ چھوٹا سا جملہ پریا کے منھ سے یون ہی بلا کسی خیال کے نکل آیا تھا اسکے جو یہ معنی لگائے گئے تو پریا کو نہایت ناگوار گذرا بولی "بھابھی تمھارے تو ناک پر غصہ رہتا ہے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہو۔ بھلا مین نے کونسی بات برا ماننے کی کہی تھی۔؟"

بھاوج "کچھ نہین تم تو جو کچھ کہتی ہو گویا منھ سے پھول جھاڑتی ہو تمھاری زبان مین شکر گھلی ہوئی ہے دنیا مین جتنے ہین اُن کی ناک پر غصہ رہتا ہے اور تم بڑی سیتا ہو"

پریا۔ (جھجکر) بھاوج اسوقت تمھارا مزاج بگڑا ہوا ہے۔ ایشور کے لیے مجھے دق مت کرو۔ مین تو یون ہی اپنی جان کو رو رہی ہون"

بھاوج۔ (مٹک کر) ہان رانی میرا تو مزاج بگڑا ہوا ہے سر پھرا ہوا ہے ذرا سیدھی ہون نہ۔ مین بھی یارون کو چوری چھپے چٹھیان لکھا کرتی ہوتی تصویر بھیجا کرتی۔ انگوٹھیون کا اول بدل کرتی تو مین بھی ہوشیار کہلاتی مگر ہان نہ مان مین تیرا مہمان۔ تم لاکھ چھٹیان لکھو۔ لاکھ جتن کرو مگر وہ سونے کی چڑیا ہاتھ آنیوالی نہین"

یہ جلی کٹی سنکر پریا سے ضبط نہو سکا۔ بیچاری کمزور دل کی عورت تھی اور بد تون سے رنج و محن سہتے سہتے کلیجہ اور بھی پک گیا تھا۔ بے اختیار رونے لگی۔ بھاوج نے اسکو روتے دیکھا تو آنکھین جگمگا گئین۔ ہات تیر نکلی۔ یون سر کرتے ہین تیر کو! بولی "بلکتی کیا ہو؟ کیا امان کو ستا کر دیس نکالا کرا دوگی۔ کچھ جھوٹ تھوڑی ہی کہتی ہون۔ وہی امرت راے جنکے پاس آپ چپکے چپکے چٹھیان لکھا کرتی تھین۔ اب آج دن دہاڑے اُس [illegible] پورنا کے گھر آتا اور گھنٹون وہین رہتا ہے۔ سنتی ہون پھول کے گجرے لا کر پہناتا ہے شاید دو ایک قیمتی زیور بھی دیئے ہین"

پریا اس سے زیادہ نہ سہ سکی۔ گڑگڑا کر بولی "بھاوج مین تمھارے پیرون پڑتی ہون مجھ پر دیا کرو جو چاہو کہلو (رو کر) بڑی ہو۔ مار لو پیٹ لو مگر کسی کا

نام لیکر اور اُسپر چھیدے رکھکر میرے غریب دل کو مت جلاؤ!!" پریما نے تو نہایت لجاجت سے یہ الفاظ کہے مگر چھوٹی سرکار "چھیدے رکھکر" پر برانگیختہ ہو گئین۔ چمک کر بولین۔ ہان ہان رانی جو کچھ مین جو کہتی ہون وہ چھیدے رکھتی ہون۔ مجھے تمھارے سامنے جھوٹ بولنے سے پیٹھائی ملتی ہے نہ۔ تمھارے سامنے جھوٹ بولونگی تو تم سونے کے تخت پر بٹھا دو گی۔ مگر مین ایک جھوٹی ہون۔ سارا زمانہ تو نہین جھوٹا ہے۔ آج ساری محلہ مین گھر گھر یہی چرچا ہو رہا ہے۔ بہت تو پڑھی لکھی ہو۔ بھلا تمھین سوچو اک تیس برس کے سنڈے مردوے کا پورنا سے کیا کام ہے!! مانا کہ وہ اُسکی مدد کرتے ہین۔ مگر یہ تو دنیا ہے۔ جب ایک پر آ پڑتی ہے تو دوسرے اُسکے آڑے آتا ہے۔ مگر شریف آدمی اسیطرح دوسرون کو بہکایا نہین کرتے۔ اور اُس چھوکری کو کیا بہکائیگا کوئی۔ وہ تو آپ ہی سات گھاٹ کا پانی پیے ہے۔ مین نے جسدن اسکی صورت دیکھی تھی اُس دن تار گئی تھی کہ یہ ایک ہی بس کی گانٹھ ہے۔ ابھی تین دن بھی دولھے کو مرے ہوے نہین بیتے کہ سب کو ٹھینگا دکھانے لگی۔ گویا دولھا کیا مرا ایک بلا دور ہوئی کل جب اسکے سبز قدم یہان آئے تو مین ذرا بال گوندھا رہی تھی۔ نہین تو ڈیوڑھی کے بھیتر تو قدم دھرنے ہی نہ دیتی۔ چڑیل نہین تو۔ یہان اگر تمھاری سہیلی بنتی ہے۔ اسی نے امرت رائے کو اپنا جوبن دکھا دکھا کے اپنا لیا ہے۔ کل کیسا لچک لچک کر ٹھمک ٹھمک کر چلتی تھی۔ دیکھ دیکھ جی جلتا ہے۔ ہرجائی نہین تو۔ خبردار جو اب کبھی تمنے اس چڑیل کو اپنے یہان بٹھایا۔ مین اسکی صورت نہین دیکھنا چاہتی۔ زبان وہ بلا ہے کہ جھوٹ بات کا بھی یقین دلا دیتی ہے۔ بہو صاحبہ نے تو جو کچھ فرمایا حرف بحرف صحیح تھا بھلا اُسکا اثر کیون نہ ہوتا۔ پہلے تو پریما نے ان کی باتون کو لغو و شرارت آمیز خیال کیا۔ مگر آخر خیال نے پلٹا کھایا۔ بھاوج کی باتون مین راستی کی بھنک پائی یقین آگیا۔ تاہم وہ ایسی اوچھی نہین تھی کہ اُسیوقت امرت رائے اور پورنا کو کوسنے لگتی۔ ہان وہ سینے پہ ہاتھ دھرے یہان سے اُٹھکر چلی گئی۔

اور چھوٹی سرکار بھی خراماں خراماں اپنے کمرہ مین تشریف لائین - آئینہ مین رخ انور کو ملاحظہ کیا اور آپ ہی آپ بولین "لوگ کہتے ہین کہ مجھ سے خوبصورت ہین - اب وہ خوبصورتی کہاں گئی ؟" پریا کو تو پلنگ پر لیٹ کر آج کی باتون کو واقعات سے ملانے دیجئیے - ہم مردانے مین چلین - یہان کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے نہایت آراستہ و پیراستہ اور وسیع دیوانخانہ ہے - زمین پر مرزاپور کے ساخت کی خوبصورت قالینین بچھی ہوئی ہین - گدّے اور کرسیان ہر وضع کی قرینے سے لگی ہوئی ہین - دیوارین خوبصورت تصویرون سے مزین ہین پنکھا جھلا جا رہا ہے اور منشی بدری پرشاد صاحب ایک آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے چشمہ لگائے اخبار پڑھ رہے ہین اُنکے داہنے بائین کی کرسیون پر چند دیگر احباب رونق افروز ہین وہ سامنے کی طرف منشی گلزاری لال ہین اور انکی بغل مین بابو وان ناتھ - داہنی جانب بابو کملا پرشاد منشی چھمن لال سے کچھ کانا پھسی کر رہے ہین بائین جانب دو احباب اور جلوہ افروز ہین جنکو ہم نہین پہچانتے - کئی منٹ تک منشی بدری پرشاد صاحب اخبار پڑھتے رہے - آخر اُنھون نے سر اُٹھایا اور سنجیدگی سے بولے "بابو امرت رائے کی حرکتین اب برداشت سے باہر ہوتی جاتی ہین"

گلزاری لال - برداشت احباب اب انکی تحریرون و تقریرون سے یہان کی سوسائٹی کی سخت توہین ہو رہی ہے - ہمارا فرض قومی ہے کہ اب ہم اُنکے نشہ کو اُتارنیکی فکر کرین"

بابو کملا پرشاد "بیشک آپ بہت درست فرماتے ہین - ہمارا فرض تھا کہ ابتدا ہی سے اسکی فکر کرتے تاہم ابھی کچھ نہین بگڑا ہے"

چھمن لال - اگر بگڑا ہے تو ابتدا ہے کہ اسکول اور کالج کے چند لونڈون نے انکی پیروی اختیار کی ہے - اور مدراس بمبئی کے چند سربرآوردہ اشخاص نے انکی اعانت کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے - اگر ہم بہت جلد انکی خبر نہ لین گے تو پھر آگے چلکر بڑی مشکل درپیش ہوگی - دیکھیے اس اخبار مین پانچ ہفتہ سے برابر اُنکے مضامین شائع ہو رہے ہین - اور اُنکے نئی روشنی والے چھوکرے آس پاس کی دیہات مین غل مچاتے پھرتے ہین یہ مخفی نہین ہے کہ دہقانی عموماً کم فہم کوڑھ مغز ہوتے ہین - کیا تعجب ہے کہ انکی باتون پر عمل کرنے کے لیے مستعد ہو جائین - بابو امرت رائے مین خواہ کسی قسم کی لیاقت ہو یا نہو اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اُن کی وکالت اندھادھند بڑھ رہی ہے - موکلان کو تو وہ شخص شیشہ مین اُتار لیتا ہے"

گلزاری لال "سب سے پہلے ہمارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ اُنکی درخواست جو کمیٹی میں پیش کی گئی ہے اُسے منسوخ کرا دیں"

بابو دان ناتھ نے جو ان سازشوں میں برائے نام حصہ لیے ہوئے تھا پوچھا۔ کیسی درخواست؟

گلزاری لال "کیا آپ کو نہیں معلوم حضرت چاہتے ہیں کہ وہ دریا کے کنارے والا نمبر خط ہاتھ آجائے۔ شاید وہاں ایک خیراتخانہ تعمیر کرائینگے سنتا ہوں اسمیں بیوائیں رکھی جائینگی اور اُن کی خورش پوشش کا انتظام کیا جاویگا۔ مگر ایسی قیمتی اور بہام فائدہ کی زمین ستلے گز اسطرح ضائع نہیں کیجا سکتی"

منشی بدری پرشاد "نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بجا!"

کملا پرشاد "تم آج اُسی زمین کے لیے ایک درخواست کمیٹی میں پیش کر دو ہم وہاں ٹھاکر دوارہ اور دھرم شالہ بنوائیں گے"

گلزاری لال "ہمکو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر پریسیڈنٹ صاحب بابو امرت رائے کی طرفداری کریں تو اُنکے مواقف فیصلہ نہو۔ انھوں نے انگریزوں سے خوب ارتباط پیدا کر رکھا ہے کیا اون کی تعداد ہمارے طرف زیادہ نہوگی؟"

کملا پرشاد "اسمیں کوئی شک بھی ہے۔ یہ دیکھیئے ممبروں کی فہرست۔ کل ستائیس حضرات ہیں۔ ان میں سات اصحاب ہیں رونق الشہر انمیں غالباً ... اور حاصل کر لینا کچھ مشکل نہوگا۔

چھمن لال "ہمکو ابھی سے بے تکی نہیں کرنا چاہیئے۔ ان مضامین کا دندان شکن جواب دینا بھی ضروری ہے۔ میں نے معتبر خبر سُنی ہے کہ لارڈ ... صاحب بہادر تشریف لا رہے ہیں۔ ہمکو کوشش کرنی چاہیئے کہ پبلک ہال میں تقریر کرنیکا موقع اُنکو نہ ملے"

یہاں یہ حضرات بیٹھے ہوئے یہ جو کچھ بیان کر رہے تھے کہ یکایک ایک آدمی نے اندر آ کر کہا "بابو امرت رائے تشریف لاتے ہیں" امرت رائے کا نام سنتے ہی قریب قریب کل حضرات کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ خصوصاً منشی گلزاری لال اور بابو دان ناتھ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ بغلیں جھانکنے لگے۔ اگر کوئی جگہ چھپنے کی ہوتی تو وہ فوراً ...

بلکہ وہ ان ناتھ سمجھا کہ بخوبی وفا خیال کرین گے۔ وہ ابھی تک دل سے امرت رائے کے ہمدرد اور خیرخواہ تھے۔ تو اپنا مطلب نکالنے کے لیے منشی بدری پرشاد سے ربط ضبط بڑھانا شروع کر دیا تھا۔

ایک لمحہ مین بابو امرت رائے کوٹ پتلون پہنے۔ ہیٹ لگائے چھتا چھڑاتے ہوے اندر داخل ہوے۔ انکو دیکھتے ہی بجز منشی بدری پرشاد صاحب کے اور سب حضرات تعظیماً اٹھ کھڑے ہوے۔ امرت رائے نے جاتے ہی سلام علیک سلیمات کے بعد یون گفتگو کرنا شروع کی مین آپ اصحاب کی خدمت مین اس سبب حاضر ہوا ہون کہ ایک قومی التجا پیش کرون آپ لوگون پر روشن ہی کہ اس شہر مین ابھی تک کوئی ایسے پناہ کا مقام نہین ہے جہان لاوارث عورتون کے پرورش و پرداخت کا انتظام ہو سکے۔ ایسے عورتون کو بڑکون پر بھٹکے حالون ادھر ادھر مارے مارے پھرتے دیکھنا واقعی نہایت عبرتناک و شرمناک ہے اس سے ہماری تہذیب پر ایک نہایت بدنما دھبا ہے اس صوبہ کے تمام بڑے بڑے شہرون مین قومی مخزون نے اس قومی ضرورت کو پورا کیا ہی انھین کی دیکھا دیکھی مین نے بھی یہ کوشش کرنی چاہی کہ اگر ممکن ہو تو اس شہر پر سے دھبہ مٹا دون۔ مگر یہ مہم بالشان کام ایسا نہین ہی کہ مجھ سے ہیچمیرز و ہیچمدان سے انجام پا سکے۔ تاوقتیکہ آپ حضرات میری اعانت نفرمائین۔ اسی غرض سے مین نے ایک چندہ کھولا ہی۔ مجھے امید کامل ہی کہ ایسے موقع پر ضرور فیاضی اپنا جوہر دکھائیگی۔ مین بہت جلد ایک پروگرام شایع کرنیوالا ہون جسمین ایک خیراتخانے کے انتظام و انصرام کی متعلق تجاویز پیش کیجائینگی اور انپر ہادیان قوم کی رائین مدعو کیجائین گی۔

یہ کہتے کہتے بابو امرت رائے نے جھٹ پٹ جیب سے فہرست نکالی اور بلا کسی کو آپس مین نظر بازیان یا سرگوشیان کرنیکی مہلت دیئے ہوے اس کو منشی گلزاری لال صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔ اب منشی جی سخت عذاب مین مبتلا ہین۔ ایک حبہ دینے کی نیت نہین ہے۔ مگر یہ خوف ہے کہ کہین اور

حضرات کچھ فیاضی دکھائین تو جس خواہ مخواہ انکو بنولین۔ علاوہ اسکے
آپ مسٹر امرت رائے کے سچے ہمدردون مین تھے اور اُنکے اصلاح کے
مشغلات سے بڑی دلچسپی جتاتے تھے۔ اُنھون نے ایک منٹ تک تامل کیا
چاہا کہ ادھر اُدھر سے کچھ اشارہ کنایہ پا جاوین۔ مگر امرت رائے پہلے
سے ہوشیار تھے۔ وہ اُنکے سامنے نگاہ روک کر کھڑے ہو گئے اور مسکراکر بولے
سوچیے نہین مجھے آپ سے بہت کچھ اُمید ہے۔" آخر منشی گلزاری لال نے
کوئی مفر نہ دیکھ کر جھینپتے ہوے اپنے نام کے مقابل پانچ سو روپیہ کی
رقم تحریر فرمائی۔ امرت رائے نے انکا شکریہ ادا کیا اور گو اور حضرت کچھ کانا پھسکی کرنے
لگے تھے مگر اسکا کچھ خیال نہ کرکے انھون نے فہرست بابو دان ناتھ کے سامنے رکھدی
ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ بابو دان ناتھ امرت رائے کے مقاصد سے اتفاق رکھتے
تھے۔ مگر پہلے جب انھون نے چندے کی فہرست دیکھی تو بڑے پس و پیش
مین تھے۔ کہ کیا کرون۔ اگر کچھ دیتا ہون تو شاید منشی بدری پرشاد
ناخوش ہو جائین۔ نہین دیتا تو امرت رائے کے ناراض ہو جانے کا خوف تھا
اسی حیص بیص مین تھے کہ بابو گلزاری لال کی مبادرت نے انکو جرأت
دلائی۔ فوراً اپنے نام کے مقابل ایک ہزار کی رقم لکھی۔ امرت رائے کو انکی
اتنی امید نہ تھی۔ بڑے گرمجوشی سے انکا شکریہ ادا کیا۔ اب یہ تشویش ہوئی
کہ فہرست کس کے سامنے پیش کیجائے۔ اگر منشی بدری پرشاد کی خدمت مین
پیش کرون تو شاید کچھ نہ دین اور انکا بخل دوسرے اصحاب کو بھی مانع ہوگا
اگر کسی دوسرے صاحب کو دکھاتا ہون تو شاید منشی جی صاحب بُرا مانین کہ
میری توہین کی۔ ایک لمحہ تک وہ اسی سوچ مین رہے مگر بلا کے حاضر جواب
آدمی تھے دماغ نے فوراً فیصلہ کرلیا۔ انھون نے فہرست لی اور ادب سے منشی
بدری پرشاد کی خدمت مین پیش کرکے کہا "مجھے آپ سے خاص اعانت
کی ضرورت ہے نہ صرف یہ کہ آپ میرے بزرگوار ہین۔ بلکہ تجویز ہے کہ یہ عمارت
نام نامی سے تعمیر کرائی جاوے۔ مین نے کمشنر صاحب کو بنیادی پتھر رکھنے پر
رضامند کرلیا ہے۔"

منشی بدری پرشاد جہاندیدہ آدمی تھے۔ مگر اسوقت گبا کھا گئے۔ دیکھا کہ دو معمولی وکیلون نے ایک ایک ہزار روپئے دیئے ہیں۔ اور علاوہ اس کے کمشنر صاحب بھی جلسہ میں تشریف لاوینگے۔ عمارت میری ہی نام سے تعمیر ہوگی اور اُسکو تصرف مین لانیکا اختیار بھی مجھکو ہوگا۔ یہی سوچتے بچارے نے اپنے نام نامی کے روبرو دس ہزار کی خاصی رقم تحریر فرمائی۔ پھر کیا تھا طلسم ٹوٹ گیا۔ کل حاضرین نے اپنی اپنی حیثیتون کے موافق مدد کی۔ ایک دسکس منٹ مین کوئی سوکہ سترہ ہزار روپئے ہاتھ آگئے۔ مسٹر امرت رائے کو اپنے حکمت عملی سے کامیابی کی امید تو ضرور تھی مگر اس حد تک نہین۔ وہ مارے خوشی کے اُچھلے جاتے تھے۔ اس غیر متوقعہ کامیابی سے چہرہ کُندن کی طرح دمک رہا تھا۔ چندہ کی فہرست جیب میں داخل کرکے بولے آپ اصحاب نے میرے اوپر بڑا احسان کیا۔ اور میرے اوپر کیا شہر کے بیکس۔ دُکھیا بیواون پر۔ مجھے امید ہے کہ جب آپ لوگون نے مالی اعانت فرمائی تو کل کمیٹی مین میری جو درخواست پیش ہوگی اُسپر بھی نظر عنایت مبذول فرماوینگے۔ مین نے مجسٹریٹ صاحب سے اپنا مدعا عرض کیا تھا۔ انھون نے فرمایا کہ اسوقت بورڈ ننگ دست ہورہی ہے۔ ایسی قیمتی اور عام فایدہ کی زمین بلا معاوضہ کے نہین دیسکتی مین نے بھی مجبوراً عرض کی کہ کل کمیٹی کے روبرو میری درخواست پیش ہوگی۔ جو فیصلہ کمیٹی کریگی اسکے قبول کرنے مین مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ مین۔ اُسکی قیمت اداکرنیکو طیار ہون مگر مجھے کامل توقع ہے کہ جب آپ نے میری امداد ایسی دریادلی سے کی ہے تو اس زمین کو حاصل کرنے مین بھی کوشش فرماوینگے۔

یہ کہکر بابو امرت رائے یہان سے رخصت ہوگئے۔ مگر افسوس! انھین کیا معلوم تھا کہ اُس پردہ کی آڑ مے جو منشی بدری پرشاد کے کرسی کے پیچھے پڑا ہوا تھا ادھر جان سے بالاخانہ پر جانے کا راستہ تھا کوئی بیٹھا ہوا کل باتین کو سن رہا ہو۔ بابو صاحب کو زینے پر جاتے دیکھ لیا تھا۔

ساتوان باب

آج سے کبھی مندر نہ جاؤنگی

بیچاری پورنا پنڈت اُمن وچو پائن وغیرہم کے چلے جانیکے بعد رونے لگی - وہ سوچتی تھی کہ ہاے! اب مین ایسی منحوس سمجھی جاتی ہون کہ کسی کے ساتھ بیٹھ نہین سکتی - اب لوگون کو میری صورت سے نفرت ہی - ابھی نہین معلوم کیا کیا بھوگنا بھاگ مین بدا ہے - پارائن! تو ہی مجھ دکھیا کا بیڑا پار لگا - میری شامت آئی تھی کہ خواہ مخواہ سر مین تیل ڈلوا لیا - یہی بال کمبخت نہوتے تو کاہیکو آج اتنا فضیحتا ہوتا انھین باتون کا خیال کرتے کرتے جب یہ جملہ یاد آ گیا "کہ بابو امرت راے کا روز روز آنا ٹھیک نہین" تو اُسنے سر پر ہاتھ مار کر کہا -

"وہ آتے ہین تو مین کیسے منع کرون - مین تو اُنکا دیا کھاتی ہون - سوای اُنکے اب میری خبر لینے والا اور کون ہے - اُنسے کیسے کہدون کہ تم مت آؤ اور پھر اُنکے آنے مین ہرج ہی کیا ہی - بیچارے سیدھے سادھے شریف آدمی ہین - کچھ شہدے نہین - آوارہ نہین - پھر اُنکے آنے مین کیا ہرج ہے نہین نہین! مجھسے منع نہ کیا جاویگا - اب تو مجھپر مصیبت آ ہی پڑی ہی اب جسکے جی مین جو آوے سو کہے نہین معلوم کل سبھی کیا ہو گیا مفت کیا بھنگ کھا گئی تھی - کہ پریما کے یہان جا کر آج اتنی فضیحتا کر ڈالی - اب بھول کر بھی اُدھر کا رخ نکرونگی مگر ہاے! پیاری پریما کے دیکھے بغیر کیونکر رہا جائیگا - مین نجاؤنگی تو وہ اپنے دل مین کیا سمجھیگی! سمجھیگی کیا - اُنکی مان نے اُنکو پہلے ہی سے منع کر دیا ہوگا"

ان خیالون سے فرصت پا کر اُسنے حسب معمول گنگا جی کا قصد کیا - جب سے پنڈت جی کا انتقال ہوا تھا وہ روز بلا ناغہ گنگا نہانے جایا کرتی تھی - مگر منھ اندھیرے جاتی اور سورج نکلتے نکلتے لوٹ آتی - آج ان بن بلاے مہمانون کے وجہ سے دیر ہو گئی تھوڑی دور چلی تھی کہ راستہ مین پنڈتائن جی کی بہو سے ملاقات ہو گئی -

اسکا نام رام کلی تھا بیچاری دو برس سے رنڈاپا بھوگ رہی تھی اسکا سن بھی مشکل سے سولہ سترہ برس ہوگا۔ چہرہ مہرہ بھی بڑا نہ تھا خط و خال نہایت دلفریب۔ اگر پورنا آم کیطرح زرد تھی تو اسکا چہرہ جوشش جوانی سے گلابی ہو رہا تھا۔ بال مین تیل نہ تھا۔ نہ آنکھون مین کاجل نہ مانگ مین سیندور۔ نہ دانتون پر مسی۔ تاہم اسکی آنکھون مین وہ شوخی تھی چال مین وہ لچک اور ہونٹون پہ وہ تبسم جن سے ان بناوٹی آرائشون کی ضرورت باقی نہ رہی تھی وہ مٹکتی۔ ادھر اُدھر تاکتی۔ مسکراتی چلی جارہی تھی کہ پورنا کو دیکھتے ہی ٹھٹک گئی اور بڑے انداز سے ہنسکر بولی "آؤ بہن آؤ۔ تم ایسا چلتی ہو جیا نون بتاشے پر پیر دھر رہی ہو"

پورنا کو یہ جملہ ناگوار معلوم ہوا۔ مگر اُسنے بڑے نرمی سے جواب دیا "کیا کرون بہن مجھسے تو اور تیز نہین چلا جاتا"

رام کلی "میں سنتی ہون کل ہماری ڈائن گئی چڑیلون کے ساتھ تمکو جلانے گئی تھی مجھے ستانے سے ابھی تک جی نہین بھرا۔ کیا کہون بہن!

یہ سب ایسا دکھ دیتی ہین کہ جی چاہتا ہے زہر کھالون۔ اور اگر یہی حال رہا تو ایک نہ ایک دن یہی ہونا ہے۔ نہین معلوم ایشور کا کیا بگاڑا تھا کہ ایک دن بھی زندگی کا سکھ نہ بھوگنے پائی!

بھلا تم تو اپنے پتی کے ساتھ دو برس تک رہین بھی۔ مین نے تو اسکا مُنہ بھی نہین دیکھا۔ جب تمام عورتون کو بناؤ سنگار کئے ہنسی خوشی چلتے پھرتے دیکھتی ہون تو چھاتی پر سانپ لوٹنے لگتا ہے۔ بدھوا کیا ہو گئی گھر بھر کی لونڈی بنا دیگئی۔ جو کام کوئی نہ کرے وہ مین کرون۔ اُسپر روز اُٹھتے جوتی ملتے لات۔ کاجل مت لگاؤ مسی مت لگاؤ۔ بال مت گوندھاؤ۔ رنگین ساڑیان مت پہنو۔ پان مت کھاؤ۔ ایک روز ایک گلابی ساڑی پہن لی تھی تو وہ چڑیل مارنے اٹھی تھی۔ جی مین تو آیا کہ سر کے بال نوچ لون مگر زہر کا گھونٹ پی کے رہ گئی اور وہ تو وہ اُسکی بیٹیان اور دوسری بہوئین میری صورت سے نفرت رکھتی ہین۔ صبح کو کوئی میرا مُنہ نہین دیکھتا۔ ابھی پڑوس ہی

مین ایک شادی ہوئی تھی۔ سب کی سب گہنے سے لد لد گاتی بجاتی گیئین۔ ایک مین ہی ابھاگن گھر مین پڑی روتی رہی۔ بھلا بہن آپ کہانتک کوئی ضبط کرے۔ آخر ہم بھی تو آدمی ہین۔ ہماری بھی تو جوانی ہے۔ دوسرون کی خوشی چہل پہل دیکھ خواہ مخواہ دل مین حوصلے ہوتے ہین۔ جب بھوک لگتی ہے اور کھانا نہین ملتا تو چوری کرنا پڑتی ہے"

یہ کہکر رام کلی نے پورنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لیا اور مسکرا کر آہستہ آہستہ ایک گیت گنگنانے لگی۔ پورنا کو یہ بے تکلفیان سخت ناگوار معلوم ہوتی تھین مگر مجبور تھی۔ راستہ مین ہزارون ہی آدمی ملے سب کی نظرین ان دونون عورتون کیطرف پھرتی تھین۔ فقرے چست کئے جاتے تھے۔ مگر پورنا سر کو اوپر اٹھاتی ہی نہ تھی۔ ہان رام کلی البتہ مسکرا مسکرا کر معشوقانہ انداز سے ادھر اُدھر دیکھتی تھی ایک آدھ برجستہ جواب بھی دیتی۔ پورنا جب سڑک پر مردون کو کھڑے دیکھتی تو بچا کے کترا کر نکلجاتی۔ مگر رام کلی کو اُنکے بیچ مین گھسکر نکلنے کی ضد تھی۔ نہین معلوم کیون اُسکی چادر سر سے بار بار ڈھلک جاتی جسکو وہ ایک انداز سے اوڑھتی تھی۔ اسیطرح دریا کنارے پہونچی یہان ہزارون مرد اور عورتین اور بچے نہا رہے تھے۔ رام کلی کو دیکھتے ہی ایک پنڈت نے کہا "ادھر سیٹھانی جی ادھر"

پنڈا۔ (گھور کر) "یہ کون ہین؟"

رام کلی۔ (آنکھین نچا کر) "کوئی ہونگی۔ کیا تم کا جی ہو گیا؟"

پنڈا "ذرا نام سن کے کان کھڑے کر لین"

رام کلی۔ "یہ میری سکھی ہین۔ اسکا نام پورنا ہے"

پنڈا۔ (ہنسکر) "اہاہا کیا اچھا نام ہے۔ مین بھی تو پورن چندرما کی طرح چھپا جوڑا ہی" پورنا بیچاری سخت جھینپی۔ یہ مذاق اُسکو نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ مگر رام کلی نے اپنے سر کی لٹ ایک ہاتھ سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا کر کہا۔ "خبردار اُنسے دل لگی مت کرنا۔ یہ بابو امرت رائے کی بھاوج ہین"

پنڈا۔ "ادھو مو! کھوب گھر تا کا ہے۔ مین بھی تو چندرما کی طرح۔ بابو امرت رائے بھی بڑے منسیا ہین یبھوت بھوت یہان چلے آتے ہین وہ مکھ جو نیا گھاٹ

بن رہا ہے وہ بابو صاحب نہوا رہے ہین - پھر ایسی منوہر صورتون کا درشن کیونکر
پورنا دل مین سخت پشیمان تھی کہ کاہیکو اسکے ساتھ آئی - اتنے مین تو نہا دھو کے گھر پہونچی ہوتی رام کلی سے بولی ”بہن اِنہانا ہو تو نہاؤ - مجھکو دیر ہوتی ہے اور اگر تم ابھی دیر مین جاؤ تو مین اکیلے جاؤن“

پنڈا ”وہ نہین نہین رانی ہم گریبون پر اتنی کھپا (خفا) مت ہو - جاؤ سیٹھانی جی انکو نہلا لاؤ - سنتا ہون آج کچہری بند ہے - بابو صاحب گھر پر ہونگے“

پورنا نے چادر اُتار کر دھری اور ساڑی لیکر نہانے کے لیے اُترنا چاہتی تھی کہ یکایک سب پنڈے اُٹھ اُٹھ کر کھڑے ہونے لگے - اور ایک لمحہ مین بابو امرت رائے ایک سادہ کرتہ پہنے - سادی ٹوپی سر پر رکھے چشمہ لگائے ہاتھ مین پیمایش کا فیتہ لیے چند ٹھیکہ دارون کے ساتھ ادھر آتے دکھائی دئے - اُن کو دیکھتے ہی پورنا نے ایک لمبی گھونگھٹ نکال لی - اُسنے چاہا کہ نیچے کے زینے پر اُتر جاؤن - مگر شرم و حیا نے اسکے پیرون کو وہین باندھ دیا - بابو صاحب کو ان زینون کی چوڑائی لمبائی ناپنا تھی - چنانچہ وہ پورنا سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر ناپنے لگے اور کاغذ پنسل پر کچھ لکھنے لگے لکھتے لکھتے آگے کو قدم جو بڑھایا تو پیر زینے کے نیچے جا پڑا - اور قریب تھا کہ وہ اوندھے منھ گرین اور اُسیوقت اس قیمتی زندگی کا خاتمہ ہو جاوے کہ پورنا نے جھپٹ کر انکو سنبھال لیا - بابو صاحب نے چونک کر دیکھا تو داہنا ہاتھ ایک نازنین کے ہاتھ مین ہے - چونکہ پورنا اپنا گھونگھٹ بڑھا چکی تھی اسسے وہ اسکو پہچان گئے اور بولے ”اخاہ! تم ہو پورنا تم نے میری جان بچا لی“

پورنا نے اسکا کچھ جواب نہ دیا - بلکہ سر نیچا کیے ہوئے زینے سے نیچے اتر گئی جبتک بابو صاحب پیمائش کرتے رہے وہ گنگا کی طرف رخ کیے کھڑی رہی جب وہ چلے گئے تو رام کلی مسکراتی ہوئی آئی اور بولی ”بہن آج تو تم نے بابو صاحب کو گرتے گرتے بچا لیا - آج سے تو وہ اور بھی تمہارے پیر دھو دھو کر سر رکھین گے“

پورنا دکھ بھری نگاہون سے دیکھکر ”رام کلی! ایسی باتین مت کرو - مجھے ایسی

فضول دل لگی بھلی نہین معلوم ہوتی۔ آدمی آدمی کے کام آتا ہے۔ اگر مین نے انکو بچا لیا تو اسمین کیا انوکھی بات ہو گئی"

رام کلی "اے لو تم تو جامے سے باہر ہو گئین۔ بس اسی ذرا سی بات پر!!"

پورنا "نہین مین غصہ مین نہین ہون۔ مگر ایسی باتین مجھکو اچھی نہین لگتین ہے۔ نہاکر چلو گی بھی یا آج سارا دن نہین تیاؤ گی"

رام کلی "جبتک ادھر اُدھر جی بہلے اچھا ہے۔ گھر پر سواے جلتے انگارون کے اور کیا ملتا ہے"

کچھ دیر مین دونون سکھیان یہان سے روانہ ہوئین تو رام کلی نے کہا "کیون بہن! پوجا کرنے نہ چلو گی ؟"

پورنا "نہین سکھی مجھے بہت دیر ہو جائیگی۔ اور نہ مین کبھی مندرون مین پوجا کرنے گئی ہون"

رام کلی "آج تمکو چلنا پڑیگا۔ ذرا دیکھو تو کیسے بہار کی جگہ ہے اگر دو چار دن جاؤ تو پھر بلا روز گئے طبیعت نہ مانے یہی دو تین گھنٹہ جو اشنان پوجا مین کٹتا ہے میری خوشی کا وقت ہے۔ باقی دن رات سواے گالیان سننے کے اور کوئی کام نہین"

پورنا "تم جاؤ۔ مین نہ جاؤنگی۔ جی نہین چاہتا"

رام کلی "چلو۔ چلو۔ نخرے نہ بگھارو۔ دم کی دم مین تو لوٹے آتے ہین راستہ مین ایک تمبولی کی دوکان پڑی۔ کاٹھ کے زینے نما تختون پر سفید کپڑے پانی سے بھگا کر بچھائے ہوئے تھے۔ اُسپر بنگلہ دیسی و مگہی پان بڑے صفائی سے چنے ہوئے تھے سامنے دو بڑے بڑے چوکھٹے دار آئنے لگے ہوئے تھے۔ اور ایک چھوٹی سی چوکی پر خوشبو یات کی شیشیان اور مصالحون کی ڈبیان خوبی سے سجا کر دھری ہوئی تھین۔ تمبولی ایک سجیلا جوان تھا۔ سر پر دو پلی ٹوپی چنکر بیچ رکھی تھی۔ بدن مین آب رواں کا چنت پڑا ہوا انگرکھا تھا۔ گلے مین سونے کی تعویذ مین۔ آنکھون مین سرمہ پیشانی پر سُرخ ٹیکہ۔ ہونٹ پر پانکی لالی نمودار۔ ان دونون عورتون کو دیکھتے ہی بولا "دیکھانی جی آؤ پان کھاتی جاؤ"

رام کلی نے چٹ سر سے چادر کھسکا دی اور پھر اُسکو ایک انداز سے اوڑھ کر

وہ دلربایانہ انداز سے ہنسکر کہا "
ابھی ٹھاکر جی کا پرشاد نہین پایا ہو"
تمبولی "آؤ یہ بھی تو پرشاد سے کم نہین ہو سنتون کے ہاتھ کی پیچ پرشاد سے
بڑھکر ہوتی ہو - آج کل تو کئی دن سے تمھارے درشن ہی نہین ہوئے
یہ تمھارے ساتھ کون سنگی ہین ؟"
رام کلی "دھنک کو یہ ہماری سکھی ہین - بے وجہ تاک. بنر. کیا یہہ لیا لالی. صاحب
تمبولی "وہ تو ہماری طرف تاکتی ہی نہین - ہات بھائی بڑے گھر کی بٹیین ہم
جیسے تو تلوون سے سر رگڑتے ہونگے "
یہ کہکر تمبولی نے بیڑے لگائے اور ایک پتے مین لپیٹ کر رام کلی کی طرف
تکلف سے ہاتھ بڑھایا - جب اُسنے لینے کے لیے اپنا ہاتھ پھیلایا تو تمبولی
نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ہنسکر بولا -
"تمھاری سکھی لین تو دین "
رام کلی - لو سکھی پان کھاؤ "
پورنا "مین نہ کھاؤن گی "
رام کلی "تمھاری کون سی ساس بیٹھی ہو جو کوسیگی - میری تو ساس منع کرتی
ہو اُسپر بھی ہر روز پان کھاتی ہون "
پورنا "تمھاری عادت ہو گی - مین پان نہین کھاتی "
رام کلی "آج میری خاطر سے کھاؤ تمھین ہمارے سر کی قسم ہو "
ناچار پورنا نے گلوریان لین اور شرماتے ہوئے کھائین - ... سب ذرا دھوپ
کیفیت وہ معلوم ہونے لگی تھی - اُسنے رام کلی سے کہا "کدھر سے تمھارا مندر؟
یہان تک چلتے چلتے تو شاید شام ہو جاویگی "
رام کلی " چلتی تو یہان ہو ہونے دو - گھر پھر گیا دھرا ہے "
پورنا - خاموش ہو گئی - اُسکو بابو امرت رائے کے پھر ... لی آ گیا تھا
کہین وہ آج گھر پڑتے تو دشمنون کی جان پر بنجاتی - تبھی خیریت ہوئی -
نہین بڑے موقع سے آ گئی تھی - آج دیر مین آنا ... ہو گیا - انھین ... تو نہین

کو کہتی ہی کہ دفعتہً رام کلی نے کہا۔
تو سکھی آ گیا مندر''۔
پورنا نے چونک کر داہنے جانب دیکھا تو ایک نہایت عالیشان سنگین عمارت
ہی دروازہ سطح زمین سے بہت اونچا ہی اور وہان تک جانے کے لیے
دس بارہ زینے بنے ہوئے ہین۔ رام کلی پورنا کو اس عمارت مین لے گئی
اندر جا کر کیا دیکھتی ہی کہ ایک پختہ وسیع صحن ہی جسمین سیکڑون مرد اور عورت
جمع ہین۔ داہنے جانب ایک بارہ دری ہی جو تمام تکلفات سے آراستہ و پیراستہ
نظر آتی ہی۔ اس بارہ دری مین ایک نہایت وجیہ و شکیل شخص زرد ریشم کی مرزائی
پہنے۔ سر پر خوبصورت گلابی رنگ کی پگڑی باندھے۔ مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا
ہے۔ جوان لگا ہوا ہے۔ اسکے روبرو وہ مہا ندے بیٹھے ہر ملا رہے ہین۔
اور ایک مہ پارہ نازنین پشواز پہنے بصد ناز و انداز جلوہ افروز ہے سیکڑون
آدمی ادھر ادھر بیٹھے ہین۔ اور سیکڑون کھڑے ہین پورنا نے اندر کی یہ کیفیت
دیکھی تو چونک کر بولی''
کیون یہ تو ناچ گھر سا معلوم ہوتا ہی۔ تم کہین بھول تو نہین گئین''۔
رام کلی (مسکرا کر) چپ ایسا بھی کوئی کہتا ہی۔ یہی تو بابا جی کا مندر ہے۔ وہ
مہنت جی بیٹھے ہین۔ دیکھتی ہو کیسا سجیلا جوان ہی آج بسو بہار ہی ہر بسو بہار کو
یہان کنچنیون کا ناچ ہوتا ہی''۔
اسی اثنا مین ایک بلند قامت شخص آتا دکھائی دیا۔ کوئی چھ فیٹ کا قد تھا۔
اور نہایت لحیم اور شحیم۔ بالون مین کنگھی کی ہوئی تھی۔ منہ پان سے بھرے ہوئے تھے بدن پر
بھبوت رمائے گلے مین بڑے بڑے دانون کا رودراکچھ مالا پہنے شانون پر
ایک ریشمی دوپٹہ رکھے۔ بڑی بڑی اور سرخ آنکھون سے ادھر ادھر تاکتا
ان دونون عورتون کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا رام کلی نے اسکی طرف ایک
انداز سے دیکھکر کہا''
کیون بابا اندر دت وہ کچھ پرشاد ورشاد نہین بنا یا ہ۔
بابا اندر دت نے فرمایا تمھارے کھانے سب باتین ہی۔ پہلا جا کر ناچ تو دیکھو یہ کنچنی بھی

سے بلائی گئی ہے - مہنت جی بڑے بھگت ہیں - ایک ہزار روپیہ انعام دے چکے ہین"
رام کلی نے یہ سنتے ہی پورنا کا ہاتھ پکڑا اور بارہ دری کی طرف چلی - بچاری پورنا جانا نہ چاہتی تھی مگر وہان سب کے سامنے انکار کرتے بھی نہ بن پڑتا تھا - جاکر ایک کنارہ کھڑی ہو گئی بیشمار عورتین جمع تھین ایک سے ایک حسین گہنے سے گوندنی کی طرح لدی ہوئی تھی بیشمار مرد تھے ایک سے ایک خوشرو - اعلے درجہ کی پوشاکین پہنے ہوئے سب کے سب ایک ہی جگہ ملے جلے کھڑے تھے آپس مین نظر بازیان ہو رہی تھین - نظر بازیان ہی نہین - بلکہ دست درازیان بھی ہوتی جاتی تھین - مسکرا مسکرا کر راز و نیاز کی باتین کیجا رہی تھین - عورتین مردون مین - مرد عورتون مین - یہ میل - جول - خلط ملط - پورنا کو کچھ تعجب خیز معلوم ہوا اسکی ہمت اندر گھسنے کی نہ پڑی - ایک کونے مین باہر ہی دبک گئی - مگر رام کلی اندر گھس گئی - اور وہان کوئی آدھ گھنٹہ تک اسنے خوب گلچھرے اڑائے - جب وہ نکلی ہے تو پسینے مین غرق تھی تمام کپڑے مسل گئے تھے -
پورنا نے اسے دیکھتے ہی کہا "کیون بہن؟ پوجا سے فارغ ہو گئین - اب بھی گھر چلوگی یا نہین؟"
رام کلی (ہنسکر) "ارے تم باہر ہی کھڑی رہین کیا - ذرا اندر چلکر دیکھو کیا بہار ہے ایشور جانے گنجی لگاتی کیا ہے دل مسوس لیتی ہے - اب آج اسکی چاندی ہے ہزارون روپئے سے جائیگی"
پورنا "درشن بھی کیا یا گانا ہی سنتی رہین"
رام کلی "درشن کرنے آتی ہے میری بلا - یہان تو ذرا دل بہلنے سے کام ہے تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو کہین گھنٹون مین گھر جاتی بابا اندروت رانے ایسا لذیذ پرشاد بنا ہے کہ کیا بتاؤن -
پورنا - کیا ہے؟ چرنامرت ہے؟"
رام کلی "(ہنسکر) چرنامرت کا بادا ہے بھنگ"

پورنا "اے ہے۔ تمنے بھنگ پی لی"
رام کلی "یہی تو پرشاد ہے دیبی جی کا۔ اسکے پینے مین کیا ہرج ہے۔ بھی پیتے ہین۔ دیوی جی کو شراب بھی چڑھتی ہے کہو تمکو پلواؤن"
پورنا "نہین بہن مجھے معاف رکھو"
ادھر یہی باتین ہو رہی تھین کہ دس پندرہ آدمی بارہ وری سے آکر ان دونون عورتون کے اردگرد کھڑے ہوگئے۔
ایک (پورنا کی طرف گھور کر) "ارے یارو! یہ تو کوئی نیا سروپ ہے"
دوسرا "ذرا بچکر چلو بچکر"
اتنے مین کسی نے پورنا کے شانے کو آہستہ سے دھکا دیا۔ وہ بچاری سخت عذاب مین مبتلا ہے۔ جدھر دیکھتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہین۔ کوئی ادھر سے قہقہہ لگاتا ہے کوئی ادھر سے آوازے کستا ہے رام کلی ہنس رہی ہے۔ باتون کا برجستہ جواب دیتی ہے۔ کبھی چادر کو کھسکاتی ہے کبھی دوپٹہ کو سنبھالتی ہے۔
ایک آدمی نے اس سے پوچھا۔
"سیٹھانی جی۔ یہ کون ہین؟"
رام کلی "یہ ہماری سکھی ہین۔ درشن کرانے لائی تھی"
دوسرا "نہین ضرور لایا کرو۔ او ہو! کیا روپ ہے!"
بارے خدا خدا کر کے ان آدمیون سے نجات ملی۔ پورنا سے تنہا شاید اگی رام کلی بھی اسکے ساتھ ہوئی۔ گھر پر آکر پورنا نے عہد کیا کہ اب کبھی مندر نہ جاؤن گی"

آٹھوان باب

دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

بیچاری پورنا نے کان پکڑے کہ اب مندر کبھی نہ جاؤنگی۔ ایسے مندرون پر اندر کا بجر بھی نہین گرتا۔ اسدن سے وہ سارے دن گھر ہی پر بیٹھی رہی

وقت کاٹنا پہاڑ ہو جاتا۔ نہ کسی کے یہاں آنا نہ جانا۔ نہ کسی سے ربط ضبط
نہ کوئی کام نہ دھندا تھا۔ دن کٹے تو کیونکر پڑھی تو ضرور تھی مگر پڑھتے کیا؟
دو چار قصے کہانیوں کی کتابیں پنڈت جی کے زمانہ کی پڑی ہوئی تھیں
اُن میں اب جی نہیں لگتا تھا۔ بازار جانے والا کوئی نہ تھا جس سے کتابیں
منگواتی۔ خود جاتے ہوئے اُسکی روح فنا ہوتی تھی۔ بلوا اس کام کی نہ تھی۔
اور سودا سلف تو وہ بازار سے لاتی مگر غریب کتابوں کا مول کیا جانے۔
دو ایک بار جی میں آیا کہ کوئی کتاب پریما کے گھر سے منگواؤں مگر پھر کچھ
سمجھکر خاموش ہو رہی۔ گل بوٹے بنانے اُسکو آتے ہی نہ تھے۔ کپڑے
سینا جانتی تھی مگر سیئے کیا۔ یہ روز کی بے شغلی اُسکو بہت کھلتی تھی۔ اور ہر دم
اُسکو متفکر و مغموم رکھتی تھی۔ زندگی کا چشمہ خموشی کے ساتھ بہتا چلا جاتا تھا۔
ہاں کبھی پنڈائین دو باتیں اپنے چیلے چاپڑوں کے آکر کچھ سکھاوں کی
باتیں سناتی جاتی تھیں۔ اب اُنکو پورنا سے کوئی شکایت باقی نہ رہ گئی تھی۔
بجز اسکے کہ بابو امرت رائے کیوں آیا کرتے ہیں۔ پورنا نے بھی کچھ تو سمجھ کر
کہدیا تھا کہ میں اُنکو آنے سے روک نہیں سکتی اور نہ کوئی ایسا برتاؤ کر سکتی
ہوں جس سے اُنکو معلوم ہو اکہ میرا آنا اُسکو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے
کہ پورنا کو اب اُن ملاقاتوں میں مزہ آنے لگا تھا۔ ہفتہ بھر کسی ہمدرد کی
صورت نظر نہ آتی۔ کسی سے ہنسکر بولنے کو جی ترس جاتا۔ پس جب اتوار
آتا تو صبح ہی سے امرت رائے کے خیر مقدم کی طیاریاں ہونے لگیں۔ بلّو
بڑی تندہی سے سارا مکان صاف کرتی۔ دروازہ کے مقابل کا صحن
بھی صاف کیا جاتا۔ کمرے۔ کرسیاں تصویریں بہت قرینہ سے آراستہ
کی جاتیں۔ ہفتہ بھر کا جما ہوا گرد و غبار دور کیا جاتا۔ پورنا خود بھی معمول سے
اچھے اور صاف کپڑے پہنتی۔ ہاں سر میں تیل ڈالتے یا آئینہ کنگھی کرتے
ہوئے وہ ڈرتی تھی۔ جب بابو امرت رائے آجاتے تو نہیں معلوم کیوں۔
پورنا کا دھنستم چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگتا۔ اسکی پیاری صورت
اور زیادہ معلوم ہونے لگتی جب تک بابو صاحب بیٹھے رہتے وہ اچھی

کوشش مین رہتی کہ کیا بات کرون جس مین یہ مہمان سے خوش خوش
جاوین۔ وہ انکی خاطر سے ہنستی بولتی۔ بابو صاحب ایسے ہنس مکھ تھے
کہ روتے کو بھی ایک بار ضرور ہنسا دیتے۔ یہان وہ خوب بلبل کیطرح
چہکتے کوئی ایسی بات نہ کرتے جس سے پورنا کے دل مین رنج و ملال کا
شائبہ بھی پیدا ہو۔ جب اُنکے چلنے کا وقت آتا پورنا نہین معلوم کیون کچھ اداس
ہو جاتی۔ بابو صاحب اسکو تاڑ جاتے۔ اور پورنا کی خاطر سے کچھ دیر اور بیٹھتے
اسیطرح کبھی کبھی گھنٹون پر بیٹھ جاتے۔ جب چراغ مین بتی پڑنے کا وقت
آجاتا بابو صاحب چلے جاتے اور پورنا کچھ دیر تک ادھر اُدھر بوکھلائی ہوئی
گھومتی جو جو باتین ہوئی ہوتین اُنکو پھر سے دُہراتی یہ وقت اُسکو ایک دلخوش
کن خواب سا معلوم ہوتا۔

اسیطرح کئی مہینے گزر گئے۔ اور آخرش جو بات بابو امرت راے کے دل مین تھی
وہ قریب قریب پوری ہو گئی یعنے پورنا کو اب معلوم ہونے لگا کہ میرے
دل مین اُن کی محبت سماتی جاتی ہے اب بیچاری پورنا پہلے سے بھی
زیادہ اداس رہنے لگی۔ ہائے! اے دل خانہ خراب! کیا ایک بار محبت کرنے
سے تیرا جی نہین بھرا جو تو نے نئی کلفت مول لی۔ وہ بہت کوشش کرتی
کہ امرت راے کا خیال دل مین نہ آنے پائے مگر کچھ بس نہ چلتا۔

اپنے دل کی حالت کے اندازہ کرنے کا اسکو یون موقع ملا کہ ایک روز بابو امرت
راے وقت معینہ پر نہین آئے۔ تھوڑی دیر تک بے ضبطے اُن کی راہ
دیکھتی رہی مگر جب وہ اب بھی نہ آئے۔ تب اُسکا دل کچھ مسوسنے لگا
پھر تو بے صبری سے دوڑی ہوئی دروازے پر آئی اور کال آدھ
گھنٹے تک کان لگائے کھڑی رہی۔ قلب پر کچھ وہی کیفیت طاری ہونے لگی
جو پنڈت جی کے دورے پر جانے کے وقت ہوا کرتی۔ شبہہ ہوا کہ کہین
دشمنون کی طبیعت ناساز تو نہین ہو گئی۔ آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ مہری سے
کہا ذرا جاؤ دیکھو تو بابو صاحب کی طبیعت کیسی ہے۔ نہین معلوم کیون میرا دل
بیٹھا جاتا ہے مہری کو بھی بابو صاحب کے برتاؤ نے گرویدہ بنا لیا تھا۔ اور

پورنا کو تو وہ اپنی لڑکی سمجھتی تھی - اُسکو معلوم ہوتا جاتا تھا کہ پورنا اُنسے محبت کرنے لگی ہے مگر اُسکی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ اس محبت کا نتیجہ کیا ہوگا - یہی سوچتے بچارتے وہ بابو صاحب کے دولت خانہ پر پہونچی معلوم ہوا کہ وہ آج دو تین خدمتگارون کو ساتھ لیکر بازار گئے ہوے ہین - ابھی تک نہین آئی ٹپرانا بوڑھا کمہار جو باوجود بابو صاحب کے متواتر تقاضون کے آدھی ٹانگ کی دھوتی باندھتا تھا بولا بیٹا بڑا انحراب جمانا آدا ہے - ہجار کا سودا ہوے یا دو ہجار کا سودا ہوے تو ہم ھی لیاوت رہن - آج کھود آب گئے ہین - بھلا اتنے بڑے آدمی کا اس جاہت وہا - یا کی بھراب انگر یجی جمانا او اہے انگر یجی پڑھ پڑھ کے جون نہوے جاے تون اچرچ ناہین ہے"
بلو یہان سے خوش خوش بوڑھے کہار کے سر ہلانے پر ہنستی ہوئی گھر کو واپس ہوئی اُدھر جب سے وہ آئی تھی پورنا کی عجب کیفیت ہو رہی تھی کسی پہلو چین ہی نہ آتا تھا اُسے معلوم ہوتا تھا کہ بلو کے واپسی مین بھی دیر ہو رہی ہے اسی اثنا مین جوتون کی آواز سنائی دی وہ دوڑ کر دروازے پر آئی اور بابو صاحب کو ٹہلتے ہوے پایا گویا اُسکو کوئی نعمت ملگئی - جھٹ پٹ اندر سے دروازہ کھولدیا کرسی قرینے سے رکھدی اور اندرونی دروازے پر سر نیچا کرکے کھڑی ہوگئی بابو صاحب لبادہ پہنے ہوے تھے ایک کرسی پر لبادہ رکھا اور بولے -
"بلو کہین گئی ہے کیا"
پورنا (لجاتے ہوے) جی ہان آپ ہی کے ہان تو گئی ہے -
امرت راے "میرے یہان کب گئی - کیون کوئی ضرورت تھی -
پورنا "آپ کے آنے مین بہت دیر ہوئی تو مین نے سمجھا شاید دشمنون کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی ہو اُسکو بھیجا کہ جاکر دیکھ آ"
امرت راے "(پیار کی نگاہون سے دیکھ کر) مجھے سخت افسوس ہوا کہ میرے دیر کرنے سے تمکو تکلیف اُٹھانا پڑی پھر اب ایسی خطا نہ ہوگی - مین ذرا بازار چلا گیا تھا"

یہ کہکر اُنھون نے ایک بار زور سے پکارا "سکھی اندر آؤ"
اور ایک لمحے مین دو آدمی کمرے مین داخل ہوئے ایک کے ہاتھ مین ایک خوبصورت لوہے کا صندوق تھا اور دوسرے کے ہاتھ مین تہ کیے ہوئے کپڑے تھے۔ سب سامان تخت پر دھر دیا گیا بابو صاحب نے فرمایا۔
پورنا مجھے امید ہے کہ یہ سب چیزین قبول کرو گی چند روزانہ ضروریات کی چیزین ہین (ہنسکر) یہ دیر مین آنے کا جرمانہ ہے "
پورنا اُن لوگون مین نہ تھی جو کسی چیز کو لینا تو چاہتے ہین مگر وضع کی پابندی کے لحاظ سے دو چار بار نہین کرنا فرض سمجھتے ہین ہان اُسنے اتنا کہا بابو صاحب مین آپکا اس عنایت کیلیے شکریہ ادا کرتی ہون مگر میرے پاس تو جو کچھ ہے آپ کی فیاضی کے بدولت ہے وہی ضرورت سے زیادہ ہے مین اتنی چیزین لیکر کیا کرون گی "
امرت رائے "جو تمھارا جی چاہے سو کرو تمنے قبول کر لیا اور میری محنت ٹھکانے لگی "
اسی اثنا مین بلو پہونچی اور کمرے مین بابو صاحب کو دیکھتے ہی نہال ہوگئی جب تخت پر نگاہ پہونچی اور اُن چیزون کو دیکھا تو بولی۔ کیا اسکے لیے آپ بجار گئے تھے کیا نوکر چاکر نہین تھے بوڑھا کہار رو رہا تھا کہ میری دستوری ماری گئی "
امرت رائے۔ (ہنسکر دبی زبان سے) وہ سب کہار میرے نوکر ہین میرے لیے بازار سے چیزین لاتے ہین تمھارے سرکار کا مین نوکر ہون بلّو یہ سُنکر مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی مگر پورنا نے کہا۔
بجا فرماتے ہین مین تو خود آپ کی لونڈیون کی لونڈی ہون
اسکے بعد چند اور باتین ہوئین ماگھ پوس کا زمانہ تھا سردی سخت پڑ رہی تھی بابو امرت رائے زیادہ دیر تک نہ بیٹھ سکے اور آٹھ بجتے بجتے دولتخانے کی طرف روانہ ہوئے اُنکے جاتے ہی پورنا نے فرط اشتیاق سے لوہے کا صندوق کھولا تو دنگ رہ گئی اسمین زنانے سنگار کی تمام چیزین موجود تھین اور جو چیز تھی اعلیٰ درجے کی خوشنما آئینہ کنگھی خوشبودار تیلون کی۔

شیشیان۔موبات۔ہاتھون کے کنگن۔اور گلے کا ہار بڑاؤ نگینے وار
چوڑیان ایک نہایت نفیس پان دان روح پرور عطریات سے بھری
ہوئی ایک چھوٹی سی صندوقچی لکھنے پڑھنے کے سامان۔چند قصہ کہانی
کی کتابین علاوہ اُسکے چند اور تکلفات کی چیزین قرینے سے سجا کر دھری ہوئی
تھین۔کپڑے کھولے تو۔اچھی سی اچھی ساڑیان نظر آئین شربتی گلناری
دھانی گلابی اُنپر ریشمی گل بوٹے بنے ہوئے چادرین خوشنما باریک
خوش وضع۔بلو ان کو دیکھ جامے مین پھولی نہ سماتی تھی بولی۔
وہ بہو یہ سب چیزین جب تم پہنو گی تو رانی ہو جاؤ گی۔رانی "
پورنا " (گبری ہوئی آواز سے) کچھ بھنگ کھا گئی ہو کیا بہو مین یہ چیزین پہنو گی
تو جیتی بچون گی۔چو بائن وہٹیائن طعنے دیدیکر مار ڈالین گی "
بلو " وہ طعنے کیا دین گی کوئی دلگی ہے اُنکے باپ کا اسمین کیا اجارا۔کوئی
اُنسے کچھ مانگنے جاتا ہے "
پورنا نے بلو کو حیرت اور استعجاب کی نگاہون سے دیکھا۔یہی بلو ہے جو ابھی
دو گھنٹے پہلے چوبائن اور پنڈائن کی ہم خیال تھی۔مجھکو پہنے اوڑھنے سے باربار
منع کیا کرتی تھی۔یکایک یہ کیا کایا پلٹ ہو گئی بولی "مگر زمانے کے نیک بد
کا بھی تو خیال ہوتا ہے "
بلو " وہ مین یہ تھوڑی کہتی ہون کہ ہر دم یہ چیزین پہنا کرو۔بلکہ جب بابو صاحب آوین؛
پورنا (شرما کر) یہ سنگار کر کے بال گوندھ کر اُنکے سامنے کیونکر آیا جائیگا تمھین یاد ہی
ایک بار پریما نے میرے بال گوندھ دیئے تھے جسکو آج مہینون بیت گئے ہیں
اسدن وہ میری طرف ایسا تاکتے تھے کہ بے اختیار قابو سے دل باہر
ہوا جاتا تھا۔مجھسے پھر ایسی بھول نہ ہو گی "
بلو " نہین بہو اُن کی مرضی ہی ہے تو کیا کرو گی انھین چیزون کے سیتے وہ بجار
گئے تھے۔سیکڑون نوکر چاکر ہین مگر ان چیزون کو خود جاکر لائے کہ تم ان کو
پہنو گی تو وہ کیا کہین گے "
پورنا (چشم پر آب ہو کر) بلو بابو امرت رائے نہین معلوم کیا کرنیوالے

ہین کچھ کہین بتلاوٗن کیا کرون وہ مجھسے دن دن زیادہ محبت جتاتے جاتے ہین اور مین اپنے دل کو کیا کہون تمسے کہتے شرم آتی ہے وہ بھی کچھ بے بس ہوا جاتا ہے۔ محلے والے الگ بدنام کر رہے ہین نہین معلوم ایشور کو کیا کرنا منظور ہے"

بلو:۔ ہو بابو صاحب کا مزاج ہی ایسا ہے کہ دوسرون کو لبھا لیتا ہے اس مین تمھارا کیا قصور ہے اس گفتگو کے بعد پورنا تو سونے چلی گئی اور بلو نے تمام چیزین اٹھاکر قرینہ سے رکھین۔ صبح اٹھکر پورنا نے وہ کتابین پڑھنا شروع کین جو بابو صاحب لائے تھے اور جون جون وہ پڑھتی اسکو معلوم ہوتا کہ کوئی میرا ہی قصہ کہہ رہا ہے۔ جب وہ ایک صفحہ پڑھ لیتی تو ایک محویت کے عالم مین گھنٹون دیوار کی طرف تاکتی اور روتی۔ اسکو بہت سی باتین اپنی حالت سے ملتی ہوئی نظر آتین ان قصون مین جو جی لگا تو ادھر ادھر کے تفکر خیز خیالات دور ہو گئے اور وہ ہفتہ اسنے پڑھنے مین کاٹا پھر آخر اتوار کا دن آیا صبح ہوتی ہی بلو نے ہنسکر کہا۔ آج بابو صاحب کے آنے کا دن ہے آج جرور سے (یہ صاحب) چھین سر مین پہننے پڑین گے"

پورنا (دبی ہوئی آواز سے) آج تو میرے سر مین درد ہوتا ہے"

بلو:۔ تو آج تمھارے بیری کا سر درد نہ کرے جو تمکو دیکھ نہ سکے اس بہانے سے پیچھا نہ چھوٹے گا"

پورنا:۔ اور جو کسی نے مجھے طعنہ دیا تو تم جاننا"

بلو:۔ جانے بھی دو بہو کیسی بات منھ سے نکالتی ہو۔ کون ہے کہنے والا"

صبح ہی سے بلو نے پورنا کا بناؤ سنگار شروع کیا مہینون سے سر نہ ملا گیا تھا۔ آج خوشبودار مصالح سے ملا گیا۔ تیل ڈالا گیا کنگھی کی گئی مینڈھی لگاکر بال گوندھے گئے اور جب وہ سب ہو چکا تو پورنا نے گلابی کرتی پہن کر اسپر ریشمی کام کی شربتی ساڑی پہنی۔ ہاتھون مین چوڑیان اور کنگن سجائے تو وہ بالکل حور معلوم ہونے لگی۔ کبھی اسنے ایسے بیش قیمت اور پرتکلف کپڑے نہ پہنے تھے اور نہ وہ کبھی ایسی سوگھڑ معلوم ہوئی تھی۔

وہ اپنی صورت آپ دیکھ دیکھ کچھ خوش بھی ہوتی تھی کچھ شرماتی بھی تھی اور کچھ افسوس بھی کرتی تھی جب شام کا وقت آیا تو پورنا کچھ اداس معلوم ہونے لگی تاہم اُس کی آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی تھیں پانچ بجتے بجتے معمول سے سویرے بابو امرت رائے تشریف لائے۔ بلو سے خیر وعافیت پوچھی اور کرسی پر بیٹھ کے کسی کے دیدار کے۔ اشتیاق میں اندرونی دروازے کی طرف کی ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے مگر پورنا وہاں نہ تھی کوئی دس منٹ تک تو بابو صاحب نے خموشی سے انتظار کیا بعد ازاں بلو سے پوچھا۔

"کیوں مہری آج تمھاری سرکار کہاں ہیں"

بلو "(مسکرا کر) گھر ہی میں تو ہیں"

امرت رائے "تو آئیں کیوں نہیں۔ آج کچھ ناراض ہیں کیا"

بلو "(مسکرا کر) انکا من جانے"

امرت رائے "ذرا جا کر بلا لاؤ۔ اگر ناراض ہوں تو چلکر مناؤں"

یہ سنکر بلو ہنستی ہوئی اندر گئی اور پورنا سے بولی "بہو اُٹھو گی یا وہ آپ ہی منانے آتے ہیں"۔ پورنا نے اب کوئی چارہ نہ دیکھا۔ وہ اُٹھی اور شرم سے سر جھکائے اور گھونگھٹ نکالے بدن کو چراتی لجاتی بل کھاتی ایک ہاتھ میں گلوری دان لیئے دروازے پر آکر کھڑی ہو گئی۔ امرت رائے نے متحیر ہو کر دیکھا۔ آنکھیں چوندھیا گئیں ایک لمحے تک تو محویت کا عالم طاری رہا بعد ازاں مسکرا کر بولے "چشم بد دور"

پورنا "(لجاتی ہوئی) مزاج تو آپکا اچھا ہے"

امرت رائے "(ترچھی نگاہوں سے دیکھکر) ابتک تو اچھا تھا مگر اب خیریت نہیں نظر آتی"

پورنا سمجھ گئی امرت رائے کے سنجیدہ مذاق کا مزہ لیتے لیتے وہ کچھ حاضر جواب بھی ہو گئی ہے بولی "اپنے کیے کا کیا علاج"

امرت رائے "کیا جان سے کسی کو خواہ مخواہ کی دشمنی ہے"

پورنا نے شرما کے منھ پھیر لیا بابو امرت رائے ہنسنے لگے اور پورنا کی طرف

پیاری کی نگاہون سے دیکھا۔ اسکی حاضر جوابی انکو بہت بھائی۔ کچھ دیر تک اور ایسے ہی لطف آمیز باتونکا مزہ لیتے رہے پورنا کا بھی خیال نہ تھا کہ میری یہ بے تکلفی اور بذلہ سنجی میرے لیے موزون نہیں ہی۔ اسکو اُسوقت نہ پنڈائن کا خوف تھا نہ پڑوسیونکا ڈر باتون ہی باتون مین اُسنے مُسکرا کر امرت راے سے پوچھا "آپ کو آج کل پریا کی کچھ خبر ملی ہی۔"

امرت راے "نہین پورنا۔ مجھے ادھر اُن کی کچھ خبر نہین تھی۔ ہان اتنا البتہ جانتا ہون کہ بابو دان ناتھ سے قرابت کی بات چیت ہو رہی ہی"

پورنا "سخت افسوس ہی کہ ان کی قسمت مین آپ کی بیوی بننا نہین لکھا ہی مگر انکا جوڑ ہے تو آپ ہی سے۔ ہان آپ سے بھی تو کہین بات چیت ہو رہی تھی فرمائیے وہ کون خوش نصیب ہین وہ دن جلد آتا کہ مین آپ کی معشوقہ سے ملتی"

امرت راے "(پر حسرت لہجے مین) دیکھین کب قسمت یاوری کرتی ہے مین نے اپنی کوشش مین تو کچھ اُٹھا نہین رکھا"

پورنا "تو کیا اُدھر ہی سے کھچاؤ ہی۔ تعجب ہی"

امرت راے "نہین پورنا مین ذرا بد قسمت ہون۔ ابھی تک کوئی کوشش کارگر نہین ہوئی مگر سب کچھ تمھارے ہی ہاتھون مین ہے اگر تم چاہو تو میرے سر کامیابی کا سہرا بہت جلد بندھ سکتا ہے مین نے پہلے کہا تھا اور اب بھی کہتا ہون کہ تمھاری ہی رضامندی پر میری کامیابی کا دارومدار ہی"

پورنا "حیرت سے امرت راے کی طرف دیکھنے لگی۔ اُسنے اب کی بار بھی انکا مطلب صاف صاف نہ سمجھا۔ بولی میری طرف سے آپ خاطر جمع رکھیے مجھسے جہانتک ہو سکیگا اُٹھا نہ رکھونگی"

امرت راے "ان الفاظ کو یاد رکھنا پورنا۔ ایسا نہو کہ بھول جاؤ۔ نہین تو مجھ بیچارے کے سب ارمان خاک مین ملجائین یہ کہکر بابو امرت راے اُٹھے اور چلتے وقت پورنا کی طرف دیکھا۔ بیچاری پورنا کی آنکھین ڈبڈبائی ہوئی تھین گویا التجا کر رہی تھین کہ ذرا دیر اور بیٹھئے مگر امرت راے کو کوئی ضروری

کا ہم تھا انھوں نے اسکا ہاتھ آہستہ سے لیا اور ڈرتے ڈرتے اسکو چوم کر بولے۔
پیاری پورنا اگلی باتوں کو یاد رکھنا!!
کہا اور دم کے دم مین غائب ہو گئے پورنا کھڑی روتی رہ گئی اور ایک دم مین ایسا معلوم ہوا کہ کوئی دل خوش کن خواب تھا جو آنکھ کھلتے ہی غائب ہو گیا!!

نوان باب

تم سچ مچ جادوگر ہو۔

بابو امرت رائے کے چلے جانے کے بعد کچھ دیر تک بدحواسی کے عالم مین کھڑی رہی۔ بعد ازان ان خیالات کے تجھ مرتے نے اسکو بے قابو کر دیا!!
آخر وہ مجھسے کیا چاہتے ہین۔ مین تو اُن سے کہہ چکی کہ مین آپ کی کامیابی کی کوشش مین کوئی بات اُٹھا نہ رکھون گی پھر یہ مجھسے۔ کیون اسقدر محبت جتاتے ہین؟
کیون خواہ مخواہ مجکو گنہگار کرتے ہین۔ مین اُنکی اُس موہنی صورت کو دیکھکے بے بس ہو جاتی ہون۔ ہائے آج اُنھون نے چلتے وقت مجکو پیاری پورنا کہا تھا۔ اور میرے ہاتھون کے بوسے لیے تھے۔ نارائن!
وہ مجھسے کیا چاہتے ہین افسوس! اس محبت کا نتیجہ کیا ہو گا۔
یہی خیال کرتے کرتے اُسنے نتیجہ جو سوچا تو مارے شرم کے چہرہ چھپا لیا اور خود بخود بولی ؎
وو شو! نہ! مجھسے ایسا نہو گا۔ اگر انکا یہ برتاؤ میرے ساتھ بڑھتا گیا تو میرے لیے سوائے جان دینے کے اور کوئی علاج نہین ہی مین ضرور زہر کھا لون گی!!
انھین خیالات مین غلطان تھی کہ نیند آ گئی۔ سویرا ہوا۔ ابھی نہانے جانے کی طیاری کر رہی تھی کہ بابو امرت رائے کے آدمی نے آ کر بلّو کو باہر سے زور سے پکارا۔

بلو باہر گئی اُسکو ایک سربمہر لفافہ مع ایک چھوٹے سے بکس کے
دیکر اپنی راہ لگا۔ بلو تعجب کرتی ہوئی اندر آئی اور پورنا کو وہ صندوقچہ دکھا
کر خط پڑھنے کو دیا۔ اُسنے کانپتے ہوے ہاتھون سے خط کو کھولا تو
یہ لکھا تھا "

پیاری پورنا جبدن سے مین نے تمکو پہلے پہل دیکھا ہی اُسی دن سے تمہارا
شیدائی ہو رہا ہون۔ اور یہ محبت اب انتہا تک پہونچگئی ہے مین نے نہین معلوم کیسے
اس آگ کو ابتک چھپایا ہی پر اب یہ سلگا یا نہین سہا جاتا مین تمکو سچے دل سے پیار
کرتا ہون اور اب میری تمسے یہ التجا ہی کہ مجھکو اپنی غلامی مین قبول کرو مین کوئی
ناجائز ارادہ نہین رکھتا۔ نارائن ابر گز نہین۔ مین تمسے باقاعدہ طور پر شادی
کیا چاہتا ہون۔ ایسی شادی تمکو بیشک انوکھی معلوم ہوگی مگر میری بات یقین مانو
کہ اب اس دیس مین ایسی شادیان کہین کہین ہونے لگی ہین اس خط کے ساتھ مین
تمہارے لئے ایک جڑاؤ کنگن بھیجتا ہون شام کو مین تمہارے درشن کو آؤنگا اگر
کنگن تمہاری کلائیون پر نظر آیا تو سمجھ جاؤنگا کہ میری درخواست قبول ہوگئی ورنہ دوسرے
دن شاید امرت رائے پھر تمسے ملاقات کرنیکے لیے زندہ نہ ہو " تمہارا شیدائی امرت رائے

پورنا نے اس خط کو غور سے پڑھا۔ اسکو اس سے ذرا بھی تعجب
نہین ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسیکی منتظر تھی۔ اُسنے ٹھان لیا تھا کہ جبدن
بابو صاحب مجھسے کھلم کھلا عشق جتائین گے اور کوئی ناجائز تجویز پیش کرینگے
اسی دن مین اُنسے بالکل قطع کرونگی ان کی تمام چیزین اُنکے حوالے
کردون گی اور پھر جیسے بیتے گا بتاؤن گی۔ مگر اس خط کو پڑھکر اُسکو اپنے
ارادے مین کچھ کمزوری معلوم ہونے لگی کیونکہ اسکو خواب مین بھی خیال
نہ تھا کہ بابو صاحب باقاعدہ شادی کرین گے اور نہ اُسکا وہم بھی تھا
کہ بیواؤن کی شادیان ہوتی ہین۔ سب سے بڑھکر یہ بات تھی کہ برہمن اور
چھتری مین تعلق کیا۔ مین برہمنی وہ چھتری پس میرا انکا کیسا علاقہ۔ مجھے نہین
اُن کی چالاکی ہے۔ وہ مجھے اپنے گھر رکھا چاہتے ہین مگر یہ مجھسے نہ ہوگا میرے
دل مین ان کی محبت ضرور ہے مجھے آجتک ایسی محبت کسی اور کی نہین

معلوم ہوئی مگر مجھ سے محبت کی خاطر اتنا بڑا پاپ نہ اٹھایا جائے گا میری خوشی تو اس مین ہو کہ اُنکو نظر بھر کے دیکھا کرون اور اُن کی صحت کی خوشخبری پایا کرون مگر ہائے اس خط کے آخری جملے غضب کے ہین کہین میرے انکار سے اُنکے دشمنون کا بال بھی بیکا ہوا تو مین بے موت مر جاؤن گی۔ یا ایشور! مین کیا کرون۔ میری تو کچھ عقل کام نہین کرتی۔

بلو پورنا کے چہرے کا چڑھاؤ اتار بڑے غور سے دیکھ رہی تھی جب وہ خط کو پڑھ چکی تو اُسنے پوچھا "کیون بہو کیا لکھا ہو"

پورنا "(سنجیدہ آواز سے) کیا بتاؤن کیا لکھا ہے"

بلو "(کیون خیریت تو ہے۔ کوئی بری سناونی تو نہین ہے"

پورنا "ہان بلو اس سے زیادہ بری سناونی ہو ہی نہین سکتی۔ بابو امرت رای کہتے ہین کہ مجھ سے ...."

اُس سے اور کچھ نکہا گیا۔ بلو سمجھ گئی مگر وہین تک پہونچی جہانتک اُسکی عقل نے مدد دی وہ امرت رائے کی بڑھتی ہوئی محبت کو دیکھ دیکھ دلمین سمجھ گئی تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن پورنا کو اپنے گھر ضرور ڈالین گے پورنا انسے محبت کرتی ہی اُن پر جان دیتی ہے وہ پہلے بہت پس و پیش کریگی۔ مگر آخر مان جائے گی۔ اُسنے سیکڑون رئیسون کو دیکھا تھا کہ نائنون کہاریون کو گھر ڈال لیا کرتے ہین غالباً اس حالت مین بھی ایسا ہو گا۔ اسمین اُسکو کوئی بات انوکھی نہین معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اُسکو یقین تھا کہ بابو صاحب پورنا سے سچی محبت کرتے ہین۔ مگر بیچارے سوا اسکے اور کر ہی کیا سکتے ہین کہ اسکو گھر ڈال لین۔ چنانچہ جب اُسنے پورنا کو یون باتین کرتے دیکھا تو تاڑ گئی کہ آج آزمائش کا موقع ہے وہ جانتی تھی کہ اگر پورنا راضی ہوئی تو اُسکی بقیہ زندگی بڑے آرام سے کٹے گی بابو صاحب بھی نہال ہو جائین گے اور مین بوڑھی بھی اُنکی بدولت آرام کرون گی۔ مگر کہین اُسنے انکار کیا تو دونون کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ یہ باتین سوچکر اُسنے پورنا سے پوچھا۔ تم کیا جواب دو گی"

پورنا "جواب! اسکا جواب سوائے انکار کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔

بھلا بہوا اُنکی شادی کہین ہوئی ہے اور وہ بھی برہمنی کی چھتری سے۔ مین نے اس قسم کے چند قصے اُن کتابون مین پڑھے تھے جو بابو امرت راے مجھے دے گئے ہین مگر وہ قصے ہین تمنے کبھی ایسا ہوتے بھی دیکھا ہے بلو مجھی تھی کہ بابو امرت راے اسکو گھر ڈالنے کی کوشش مین ہین شادی کا تذکرہ سنا تو حیرت مین آگئی بولی "بھلا ایسا کہین بھیا ہے۔ بال سپید ہوگئے مگر ایسا بیاہ نہین دیکھا"

پورنا "بلو یہ شادی بیاہ سب بہانے بازی ہے اُنکا مطلب مین سمجھ گئی مجھے ایسا نہوگا۔ مین زہر کھا لون گی"

بلو "بہوا ایسی باتین زبان سے مت نکالو وہ بیچارے بھی تو اپنے دل سے لاچار ہین۔ کیا کرین"

پورنا "ہان بلو انکو نہین معلوم کیون مجھسے کچھ محبت ہو گئی ہے۔ اور میرے دل کا حال تو تمسے چھپا نہین مگر کاش وہ میری جان مانگتے تو مین ابھی دے دیتی۔ ایشور جانتا ہے۔ مین اُنکے ذرا سے اشارے پر اپنے کو نچھاور کر سکتی ہون۔ مگر وہ جو چاہتے ہین وہ مجھسے نہین ہونے کا۔ اُسکا خیال کرتے ہی میرا کلیجہ کانپنے لگتا ہے"

بلو "ہان بھلے مانسون مین تو ایسا نہین ہوتا۔ کمینون مین دولا آتا ہے۔ مگر بہو سچ تو یہ ہے اگر تم اُنکار کروگی تو انکا دل ٹوٹ جائے گا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہین وہ جان پر نہ کھیل جائین اور یہ تو مین کہہ سکتی ہون کہ اُنسے بچھڑنے کے بعد تم سے ایک دم بے روئے نہ رہا جائے گا۔ چاہے تمکو بُرا لگے یا بھلا"

پورنا "یہ سب تو تم سچ کہتی ہو۔ پر آخر مین کیا کرون۔ وہ مجھسے جھوٹ سچ شادی کر لین گے۔ شادی کیا کرینگے شادی کا نام کرین گے مگر زمانہ کیا کہیگا لوگ ابھی سے بدنام کر رہے ہین۔ تب تو نہین معلوم کیا ہو جائیگا سب سے بڑھکر۔ یہی ہے کہ جان دیدون۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ انکو دو چار دن تک افسوس ہوگا آخر بھول جائین گے۔ میری تو عزت

بچ جائیگی۔ وہ کہتے ہین کہ ایسی شادیان کہین کہین ہوتی ہین ۔ جانے کہان ہوتی ہین یہان تو نہین ہوتی ہین۔ یہان کی بات یہان ہے زمانے کی بات زمانے مین ہے "

بلو" ذرا اس صندوقچی کو تو کھولو دیکھو اس مین کیا ہے "

پورنا" خط پڑھکر ایسی پریشان ہو رہی تھی کہ ابھی تک صندوقچی کو چھوا بھی نہ تھا اب جو اُسکو کھولا تو اندر سبز مخمل مین لپٹا ہوا ایک قیمتی کنگن پایا "

بلو" اوہو اسپر تو جڑاؤ کام کیا ہوا ہے "

پورنا" اُنھون نے اس خط مین لکھا ہے کہ مین شام کو آؤنگا اور اگر تمکو یہ کنگن پہنے دیکھونگا تو سمجھ جاؤنگا کہ میری بات منظور ہے۔ نہین تو دوسرے دن دشمن زندہ نہ رہینگے "

بلو" کیا آج ہی شام کو آئین گے "

پورنا" ہان آج ہی شام کو تو آئین گے۔ اب تمھین تبلاؤن کیا کرون۔ کس سے جاکر علاج پوچھون۔ یہ کہکر پورنا نے دونون ہاتھون سے اپنی پیشانی ٹھونکی اور خاموش بیٹھکر سوچنے لگی۔ نہانے کون جاتا ہے۔ کھانے پینے کی کسکو سدھ ہے دوپہر تک بیٹھی سوچا کی۔ مگر دماغ نے کوئی قطعی فیصلہ نکیا۔ ہان جون جون شام کا وقت قریب آتا تھا تیون اُسکا دل دھڑ دھڑ کرتا تھا کہ اُنکے سامنے کیسے جاؤنگی۔ اگر وہ کلائیون پر کنگن نہ دیکھین گے تو کیا کرینگے کہین جانپر نہ کھیل جائین مگر طبیعت کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی بات حد سے زیادہ محو کرنے والی ہوتی ہے تو اُسپر تھوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد دماغ بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔ پورنا سے اب سوچا بھی نہ جاتا تھا۔ وہ پیشانی پر ہاتھ دیئے بیٹھی دیوار کیطرف تاکتی رہی تھی۔ بلو بھی خاموش من مارے بیٹھی ہوئی تھی۔ تین بجے ہونگے کہ یکایک بابو امرت رائے کی مانوس آواز دروازے پر بلو بلو پکارتے ہوئے سنائی دی بلو باہر دوڑی اور پورنا اپنے کمرے مین گھس گئی اور دروازہ بھیڑ لیا اور اُسوقت اُسکا دل بھر آیا اور وہ زار زار رونے لگی۔ ادھر بابو امرت رائے از حد بے چین تھے۔ بلو کو دیکھتے ہی۔ اُنکی شتاق

نگاہیں بڑی تیزی سے اُسکے چہرے کی طرف اٹھیں مگر اُسپر اپنی کامیابی کی کوئی بااُمید جھلک نہ پاکر زمین کی طرف گڑ گئیں ۔ دبی ہوئی آواز میں بولے " بلو تمھاری اداسی دیکھ کر میرا دل بیٹھا جاتا ہے کیا مجھے کوئی خوشخبری نہ سناؤ گی ۔ بلو نے حسرت سے آنکھیں نیچی کرلیں ۔ اور امرت رائے نے آبدیدہ ہوکر کہا مجھے تو اُسکا کھٹکا پہلے ہی سے تھا قسمت کو کوئی کیا کرے مگر ذرا تم اُنسے میری ملاقات کرا دو یقین ہے مجھے امید ہے کہ وہ مجھپر اپنی عنایت ضرور کرینگی میں اُنکو آخری بار دیکھ لیتا

یہ کہتے کہتے امرت رائے کی آواز بے اختیار کانپنے لگی ۔ بلو نے اُن کو روتے دیکھا تو گھر میں دوڑی گئی اور بولی " بہو بہو بیچارے کھڑے رو رہے ہیں کہتے ہیں کہ مجھسے ایکدم کے لیے مل جائیں "

پورنا " نہیں بلو میں اُنکے سامنے نہ جاؤنگی ۔ ہائے رام! کیا وہ بہت رو رہے ہیں " ؟

بلو " کیا بتاؤں بیچارے کی دونوں آنکھیں لال ہیں ۔ رومال بھیگ گیا ہے کہا ہے کہ مجھکو آخری بار اپنی صورت دکھا جائیں "

ہائے یہ وقت بیچاری کمزور دل والی پورنا کے لیے نہایت نازک تھا ۔ اگر کنگن پہنکر امرت رائے کے سامنے جاتی ہے تو زندگی بھر کے سارے ارمان پورے ہوتے ہیں ساری امیدیں بر آتی ہیں اگر بلا کنگن پہنے جاتی ہے تو اُنکے ارمانوں کا خون کرتی اور اپنی زندگی کو تلخ ۔ اِس حالت میں بدنامی ہے اور رسوائی ۔ اس حالت میں حسرت ہے اور ناکامی پر اُسکا دل دبدھے میں ہے آخر بدنامی کا خیال غالب آیا وہ گھونگھٹ نکالکر نشست گاہ کیطرف چلی ۔ بلو نے دیکھا کہ اُسکی کلائیوں پر کنگن نہیں ہے اُسکا ہاتھ پکڑکر کھینچا اور چاہا کہ کنگن پہنا دے مگر پورنا نے ہاتھ کو جھٹکا دے کر چھڑا لیا اور دم کی دم میں وہ باہر والے کمرے کے اندرونی دروازے پر آکر کھڑی ہوگئی ۔ اُسنے امرت رائے کی طرف دیکھا آنکھیں لال تھیں انھوں نے اُسکی طرف دیکھا چہرہ سے حیرت

برس رہی تھی - دونون نگاہین ملین - امرت راے بے اختیار انہ جوش سے اُسکی طرف بڑھے اور اُسکا ہاتھ لیکر کہا - پورنا ہشو رتے سے مجھپر رحم کرو - اُسکے مُنھ سے کچھ اور نہ نکلا آواز حلق مین پھنسکر رہگئی پورنا کی خودداری جنک کبھی ایسے امتحان مین نہ پڑی تھی - اُسنے روتے روتے اپنا سر امرت راے کے کندھے پر رکھدیا - کچھ کہنا چاہا مگر آواز نہ نکلی - ہاے! خودداری کا باندھ ٹوٹ گیا اور وہ تمام جوش جو رُکا ہوا تھا ابل پڑا امرت راے غضب کے نبض شناس تھے سمجھ گئے کہ اب میرا موقع ہے انھون نے آنکھون کے اشارے سے بلوسے کنگن منگوایا - پورنا کو آہستہ سے کرُسی پر بٹھادیا - وہ ذرا بھی نہ جھجکی - اسکے ہاتھون مین کنگن پہنایا پورنا نے ذرا بھی ہاتھ نہ کھینچا - تب امرت راے نے جرأت کرکے اُسکے ہاتھون کو چوم لیا اور اُن کی آنکھین مارے خوشی کے جگمگانے لگین - روتی ہوئی پورنا نے محبت بھری نگاہون سے اُنکی طرف دیکھا اور بولی وہ پیارے امرت راے تم سچ مچ جادوگر ہو ؟

دسوان باب

شادی ہوگئی

تجربہ کی بات ہے کہ بسا اوقات بے بنیاد خبرین دور دور تک مشہور ہوجایا کرتی ہین - تو بھلا جس بات کی کوئی اصلیت ہو اُسکو زبانزد ہر خاص و عام ہونے سے کون روک سکتا ہے چارون طرف مشہور ہو رہا تھا کہ بابو امرت راے اُس برہمنی کے گھر آیا جایا کرتے ہین - سارے شہر کے لوگ حلف اُٹھانے کو طیار رہتے کہ دونون مین ناجائز تعلق ہے کچھ عرصہ سے چوبائن وینڈا اُن سنے بھی پورنا کے شوق و سنگار پر حاشیہ چڑھانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ اب اُنکی جنت مین ان قیود کی پابند نہ تھی جنکا ہر ایک بیوہ کو پابند ہونا چاہیے جو لوگ تعلیم یافتہ تھے اور ہندوستان کے دیگر صوبجات کی بھی کچھ خبر رکھتے تھے وہ ان قصون کو سُن سُن کر خیال کرتے تھے کہ شاید اسکا نتیجہ نقلی شادی

ہو گی ہزاروں با اثر اشخاص گھات مین تھے کہ اگر یہ حضرت رات کو پورنا کے مکان کی طرف جانے لگین تو زندہ واپس نہ جائین۔ اگر کوئی ابھی تک امرت راے کی نیت کی صفائی پر اعتبار کرتا تھا تو وہ پریا تھی۔ وہ بیچاری وفادار لڑکی غم پر غم اور دکھ پر دکھ سہتی تھی مگر امرت راے کی محبت اس پر صادق تھی اس کی آس ابھی تک بندھی ہوئی تھی۔ اُس کے دل مین کوئی بیٹھا ہوا کہتا تھا کہ تمھاری شادی ضرور امرت راے سے ہو گی۔ اسی اُمید پر وہ جیتی تھی اور جتنی خبرین امرت راے کی نسبت مشہور ہوتی تھین اُنپر وہ کچھ یون ہی سا یقین لاتی تھی۔ ہان اکثر اُسکو یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ وہ پورنا کے گھر بار بار کیون آتے ہین۔ اور شاید دیکھتے دیکھتے اور اپنی بھاوج و سارے گھر کی باتین سنتے سنتے وہ امرت راے کو بیوفا و بد اخلاق سمجھنے لگی ہے مگر ابھی تک اُن کی محبت کر سکے دل مین بجنسہ موجود تھی۔ وہ اُن لوگون مین تھی جو ایک بار دل کا سودا چکا لیتے ہین تو پھر افسوس نہین کرتے"

آج بابو امرت راے مشکل سے بنگلہ پر پہونچے ہونگے کہ اُنکی شادی کی خبر ایک کان سے دوسرے کان پھیلنے لگی اور شام ہوتے ہوتے سارے شہر مین یہی خبر گونج رہی تھی جو شخص پہلے سنتا تو اعتبار نہ کرتا اور جب اسکو اس خبر کی صحت کا یقین ہو جاتا تو امرت راے کو صلواتین سناتا رات تو کسی طرح کٹی۔ صبح ہوتے ہی منشی بدری پرشاد صاحب کے دونتھانہ پر شہر کے شرفا و علماء امرا و غربا مع کئی ہزار برہمنون اور شہدون کے جمع ہوے ادھر تجویز ہونے لگی کہ کیونکر یہ شادی رو کی جاوے"

پنڈت بھر گودت ۲۲ بدھوا بواہ بیرت ہی۔ کوئی ہمیں شاستر ارتھ کرے کئی آوازون نے ملکر بانگ لگائی وہان ضرور شاستر ارتھ ہو اب ادھر ادھر سے سیکڑون پنڈت ودیارتھی بغلون مین پوتھیان دبائے سر گھٹائے۔ انگوچھا کاندھے پر رکھے منھ مین تمباکو بھرے ایک جا جمع ہو گئے اور آپس مین جھک جھک ہونے لگی کہ ضرور شاستر ارتھ ہو۔

یہ اشلوک پوچھا جاوے اور اسکے جواب کا یون جواب دیا جاوے - اگر جواب مین دیا کرین کی ایک غلطی بھی نکلے تو پھر فتح ہمارے ہاتھ ہے بہت سے کیھڑے گنوار بھی اسی جماعت مین شریک ہو کر شاستراَرتھ چلا رہے تھے - بدری پرشاد صاحب جہاندیدہ آدمی تھے جب اُن آدمیون کو شاستراَرتھ پر آمادہ دیکھا تو فرمایا وہ کس سے شاستراَرتھ کیا جائیگا مان لو - وہ شاستراَرتھ نکرین تب !!

سیٹھ دھونی مل - وہ بنا شاستراَرتھ کیے بیاہ کر لین گے (دھوتی سنبھالکر) تھانہ مین رپٹ کر دونگا !!

ٹھاکر زورآور سنگھ - رگھو چھوٹن پرتا و دیگر ، کوئی مٹھا ہے بیاہ کرنا سر کاٹ لونگا - خون کی ندیان بہہ جاینگی !!

راؤ صاحب - وہ بارات کی بارات کاٹ ڈالی جائیگی !!

اسوقت سیکڑون آوارہ شہدے یہان آڈٹے اور آگ مین ایندھن لگانا شروع کیا

ایک - وہ جرور سے جرور سر کاٹ ڈالونگا !!

دوسرا - وہ گھر مین آگ لگا دین گے بارات کی رات جل بھن جائیگی !!

تیسرا - وہ پہلے اُس عورت کا گلا گھونٹ دینگے !!

ادھر تو یہ ہربونگ مچا ہوا تھا - خاص نشست گاہ مین وکلا بیٹھے ہوے شادی کے ناجائز ہونے پر قانونی بحث کر رہے تھے - بڑی سرگرمی سے ضخیم جلدون کی ورق گردانی ہو رہی تھی سالہا سال کی پرانی نظیرین پڑھی جا رہی تھین تاکہ کوئی قانونی گرفت ہاتھ آجاوے - کئی گھنٹہ تک یہان چہل پہل رہا آخر خوب سر کھپانے کے بعد یہ راے - ہوئی کہ پہلے ٹھاکر زورآور سنگھ امرت راے کو دھمکا دین - اگر وہ اسپر بھی نہ مانین تو جس دن بارات نکلے سر بلند ادار رپٹ ہو - یہ رزولیوشن پاس کرنیکے بعد جلسہ برخاست ہوا -

بابو امرت راے شادی کی تیاریون مین مصروف تھے کہ ٹھاکر زورآور سنگھ کا شقہ پہونچا لکھا تھا -

بابو امرت راے کو ٹھاکر زورآور سنگھ کا سلام بندگی بہت بہت طرح سے پہونچے - آگے

ہمنے سنا ہی- کہ آپ کسی بدھوا برہمنی سے بیاہ کرنے والے ہین- ہم آپ سے کہے دیتے ہین کہ بھول کر بھی ایسا نہ کیجیے گا ورنہ آپ جانین اور آپ کا کام-

زورآور سنگھ علاوہ ایک متمول اور باثر آدمی ہونیکے شہر کے لٹھیتون اور شہدون کا سردار تھا- اور بارہا بڑے بڑون کو نیچا دکھا چکا تھا- اُسکی دھمکی ایسی نہ تھی جسکا امرت رائے پر کچھ اثر نہوتا- اس رقعہ کو پڑھتے ہی اُنکے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا- سوچنے لگے کہ ہمکو کسی حکمت سے پھیر لون کہ ایک دوسرا رقعہ پھر پہونچا- یہ گمنام تھا اور مضمون بھی پہلے ہی رقعہ سے ملتا جلتا تھا- اُسکے بعد شام ہوتے ہوتے ہزارون ہی گمنام ہر طرف سے آئے کوئی کہتا تھا- اگر پھر بیاہ کا نام لیا تو گھر مین آگ لگا دینگے کوئی سر کاٹنے کو دھمکاتا ہی کوئی پیٹ مین تیغہ بھونکنے کے لیے طیار بیٹھا تھا- اور کوئی مونچھ کے بال اُکھاڑنے کے لیے ہوجان گرم کر رہا تھا- امرت رائے یہ تو جانتے تھے کہ شہر والے مخالفت ضرور کرینگے- مگر اس قسم کی مخالفت کا انکو وہم و گمان بھی نہ تھا- ان دھمکیون نے انھین واقعی خوف زیادہ کر دیا اور اپنے سے زیادہ اندیشہ انکو پورنا کے بارے مین تھا- کہ کہین ظالم اُس بیچاری کو کوئی اذیت نہ پہونچاوین چنانچہ وہ اُسوقت کپڑے پہنا- بائیسکل پر سوار ہو جھٹ پٹ مجسٹریٹ کی خدمت مین حاضر ہوے اور اُس سے تمام و کمال واقعہ بیان کیا انگریزون مین انکا اچھا رسوخ تھا- نہ اسلیے کہ وہ خوشامدی تھے بلکہ اسلیے کہ وہ روشن خیال اور صاف گو تھے مجسٹریٹ صاحب اُنکے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آئے اُنہنے ہمدردی جتائی اور اُسیوقت سپرنٹنڈنٹ پولیس کو تحریر کیا کہ آپ بابو امرت رائے کی محافظت کے لیے پولیس کا ایک گارد روانہ کردین اور تاوقتیکہ شادی نہو جاے خبر لیتے رہین تاکہ مار پیٹ اور خون خرابہ نہو جاے- شام ہوتے تیس مسلح سپاہیون کی ایک جماعت انکی مدد کے لیے آگئی جنمین سے پانچ مضبوط اور جسیم جوانون کو انھون نے پورنا کے مکان کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا-

شہر والون نے جب امرت رائے کی پیش بندیان دیکھین تو نہایت برافروختہ ہوے اور منشی بدری پرشاد صاحب مع کئی بزرگوارون کے مجسٹریٹ کی خدمت مین حاضر ہو کر فریاد مچائی کہ اگر سرکار دولتمدار نے اس شادی کے روکنے کا کوئی بندوبست نہ کیا تو بلوہ ہو جانے کا اندیشہ ہی- مگر مجسٹریٹ نے صاف صاف کہدیا کہ سرکار کو کسی شخص کے فعل مین دست اندازی

کرنا منظور نہین ہو۔ تاوقتیکہ عوام کو اس فعل سے کوئی نقصان نہ پہونچے یہ نکاسا جواب پاکر منشی جی سخت مجوب ہوے وہان سے جل بھن کر مکان پر آئے اور اپنے مشیرون کے ساتھ بیٹھکر قطعی فیصلہ یہ کیا کہ جسوقت بارات چلے اُسیوقت پچاس آدمی اُسپر ٹوٹ پڑین۔ پولیس والون کی بھی خبرلین اور امرت راے کی ہڈی پسلی بھی توڑکے دھردین۔

بابو امرت راے کے لیے واقعی یہ نازک وقت تھا۔ مگر وہ قوم کا دلدادہ بڑے استقلال و جانفشانی سے طیاریون مین مصروف تھا۔ شادی کی تاریخ آج سے ایک ہفتہ پر مقرر کی گئی۔ کیونکہ زیادہ تاخیر کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اور یہ ہفتہ بابو صاحب نے ایسی پریشانی مین کاٹا جسکا صرف خیال کیا جاسکتا ہو۔ علی الصباح دو کانسٹبلونکے ساتھ پستولون کی جوڑی لگاے روز ایک بار پورنا کے مکان پر آتے۔ پورنا بچاری مارے ڈر کے مری جاتی تھی۔ وہ اپنے کو بار بار کوستی کہ مین نے کیون اُنکو امید دلاکر زحمت مول لی۔ اگر ظالمون نے کہین اُنکے دشمنونکو کوئی گزند پہونچایا تو اسکا کفارہ میری ہی گردن پر ہوگا۔ گو اُسکی محافظت کے لیے کانسٹبل مامور تھے۔ مگر وہ رات بھر جاگا کرتی۔ پتہ بھی کھڑکتا تو وہ چونک کر اُٹھ بیٹھتی۔ جب بابو صاحب صبح کو آکر اُسکو تسکین دیتے تب ذرا اُسکے جان مین جان آتی۔

امرت راے نے خطوط ادھر اُدھر روانہ کر ہی دیے تھے شادی کے تاریخ کے چار دن پہلے سے شہر نا آنے شروع ہوے۔ کوئی بمبئی سے آتا تھا کوئی مدراس کوئی پنجاب کوئی بنگال سے بنارس مین ریفارم سے انتہا درجے کا اختلاف تھا اور ساری ہندوستان کے ریفارمرون کی جی سے لگی ہوئی تھی کہ چاہے جو ہو بنارس مین ریفارم کی روشنی پھیلانیکا ایسا نادر موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیے وہ اتنی دور کی منزلین طے کرکے اسی لیے آئے تھے کہ شادی کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہونچائین۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس شہر مین شادی ہو گئی تو پھر اس صوبہ کے دوسرے شہرون کے ریفارمرون کے لیے بڑی آسانی ہو جاوے گی۔ امرت راے مہمانون کی آؤبھگت مین مشغول تھے اور اُنکی پرجوش پیرو جنگی تعداد کالج کے دس بارہ طلبا پر محدود تھی صاف ستھری پوشاکین پہنے اسٹیشن پر جاکر مہمانون کی تقدیم کرتے اور اُنکے تواضع و تکریم مین بڑی سرگرمی دکھاتے تھے شادی کے دن تک یہان کوئی ڈیڑھ سو شرفا مجتمع ہوگئے۔ اگر کوئی شخص ہندوستان کی روشنی حب الوطنی و جوش قومی کو یکجا دیکھنا چاہتا تو اسوقت بابو

امرت راے کے مکان پر دیکھ سکتا تھا بنارس کے پُرانے خیال والے اصحاب
ان تیاریون اور مہمانون کی کثرت کو دیکھ دیکھ کر دل مین حیران ہوتے تھے
منشی بدری پرشاد صاحب اور اونکے ہم خیال آدمیون مین کئی بار مشورے ہوے
اور ہر بار یہی قطعی فیصلہ ہوا کہ چاہے جو ہو مگر مار پیٹ ضرور کی جاے چنانچہ سارا
شہر آمادہ جنگ وکار زار تھا۔

شادی کے قبل شام کو بابو امرت راے اپنے پُرجوش پیرون کو لیکر پورنا کے مکان
پر پہونچے اور وہان اُنکو باراتیون کی خاطر و تواضع کرنے کے لیے مامور کیا۔
بعد ازان پورنا کے پاس گئے وہ انکو دیکھتے ہی آبدیدہ ہوگئی۔

امرت راے کہنے لگے پیاری پورنا" ورمت ایشور چاہیگا تو دشمن ہمارا
بال بھی بیکا نہ کر سکین گے۔ ہم کوئی گناہ نہین کر رہے ہین۔ کل جو بارات تمھارے
دروازے پر آئیگی ویسی بارات آجتک اس شہر مین کبھی دروازہ پر نہ آئی ہوگی
پورنا،، مگر مین کیا کرون مجھے ایسا تو معلوم ہوتا ہے کہ کل ضرور مار پیٹ ہوگی مین چارون
طرف یہ خبر سُن رہی ہون اسوقت بھی منشی بدری پرشاد کے یہان لوگ جمع ہین۔

امرت راے " پیاری تم ان باتون کا ذرا بھی اندیشہ نکرو منشی جی کے یہان تو
ایسے مشورے مہینون سے ہو رہے ہین اور ہمیشہ ہوا کرینگے اسکا کیا خوف ہے
تم دل کو مضبوط رکھو بس یہ رات اور درمیان ہے کل پیاری پورنا میرے غریب
خانہ پر ہوگی۔ ہاے اوہ میرے لیے کیسا خوشی کا وقت ہوگا۔

پورنا" یہ سنکر واقعی اپنے خوف کو بھول گئی اُسنے امرت راے کو پیار کی ہون
سے دیکھا اور جب بابو صاحب چلنے لگے تو اُنکے گلے سے لپٹ گئی اور بولی او
پیارے امرت راے۔ تمکو میری قسم ان ظالمون سے بچتے رہنا اگر ہو انکو سن
سکے میری روح فنا ہوئی جاتی ہے" امرت راے نے اُسے سینے سے
لگا لیا اور تشفی و دلاسا دیکر اپنے مکان کو روانہ ہوے شام کے وقت پورنا کے
مکان پر کئی پنڈت جنکی شکل سے شرافت برس رہی تھی ریشمی مرزائیان پہنے
بنگلے مین پہونچا ہار ڈوالنے آئے اور ویدکی ریت سے رسوما ت ادا کرنے
لگے۔ پورنا دلہن کیطرح سجائی گئی۔ بھیتر باہر گیس کی روشنی سے منور ہو رہا تھا۔

کانسٹبل دروازے پر ٹہل رہے تھے۔ وہ نئے خون اور نئی روشنی کے طلبا ر جنکو امرت رائے یہان پر تعینات کر گئے تھے تیاریون مین مصروف تھے۔ دروازے کا صحن صاف کیا جا رہا تھا۔ فرش بچھایا جا رہا تھا کرسیان آرہی تھین ساری رات انھین تیاریون مین کٹی اور علی الصباح بارات امرت رائے کے گھر سے روانہ ہوئی۔

ماشاء اللہ کیا مہذب بارات تھی اور کیسے مہذب باراتی نہ باجون کا دھڑ دھڑ پڑ پڑ نہ بگلون کی دھون دھون پون پون نہ پالکیون کا جھرمٹ۔ نہ سجے ہوے گھوڑون کی چلبلیون۔ نہ مست ہاتھیون کا ریل پیل۔ نہ وردی پوش عصا بردارون کی قطار۔ نہ گل نہ گلدستے۔ بلکہ سفید پوشون کی ایک جماعت تھی جو آہستہ آہستہ چہل قدمی کرتے اپنی سنجیدہ رفتار سے اپنی مستقل مزاجی کا ثبوت دیتی ہوئی چلی جا رہی تھی ہان ایزادیہ تھی کہ دو رویہ جنگی پولیس کے آدمی وردیان ڈاٹے سونٹے لیے کھڑے تھے۔ سڑک کے ادھر اودھر جا بجا جھنڈ کے جھنڈ آدمی لاٹھیان لیے جمع نظر آتے تھے اور بارات کی طرف دیکھ دیکھ کر دانت پیستے مگر پولیس کا وہ رعب تھا کہ کسی کو قدم ہلانے کی جرأت نہ پڑتی۔ باراتیون کے پچاس قدم کے فاصلے پر زرد پولیس کے سوار ہتھیارون سے لیس گھوڑون پر ران پٹری جمائے۔ بھالے سے چمکاتے اور گھوڑون کو اچھالتے چلے جاتے تھے تاہم ہر لحظہ یہ اندیشہ تھا کہ کہین پولیس کے خوف کا یہ طلسم ٹوٹ نجائے باراتیون کے چہرے سے بھی کامل اطمینان نہین ظاہر ہوتا تھا اور بابو امرت رائے جو اسوقت نہایت خوبصورت وضع کی نوشیروانی پہنے ہوے تھے چونک چونک کر ادھر اودھر دیکھتے تھے۔ ذرا بھی کھٹ پٹ ہوتی تو سب کے کان کھڑے ہوجاتے۔ ایک مرتبہ ظالمون نے واقعی دھاوا کر دیا۔ فوراً چوطرفہ سناٹا چھا گیا مگر طرہی پولیس نے گویا مارچ کیا اور دم کے دم مین چند شوخ پشتون کی مشکین کس لیگئین پھر کسیکو اپنی مفسدہ پردازی کو عملی صورت مین لانیکا گمر وہ منہ ابانر سے خدا خدا کر کے کوئی آدھ گھنٹہ مین بارات پدرناتھ کے مکان پر پہونچی۔ وہان پہلے ہی باراتی اصحاب کے خیر مقدم کا سامان کیا گیا تھا صحن مین فرش لگا ہوا تھا۔ کرسیان قرینے سے دھری ہوئی تھین ایک طرف چند

پنجابی برہمن ایک کنڈ کھودے ہوئے ہون کرنے مین مصروف تھے اور کنڈ کے ارد گرد چند پنڈت بیٹھے ہوئے وید کے اشلوک بڑی خوش الحانی سے گا رہے تھے ہون کی خوشبو سے سارا محلہ معطر ہو رہا تھا۔ بارا تیون کے آتے ہی سب کی پیشانی پر چندان اور زعفران ملا گیا۔ سب کے گلون مین خوبصورت ہار پہنائے گئے۔ بعد ازان دولہا مع چند اصحاب کے مکان کے اندر گیا اور وہان ویدریت سے شادی کا رسم ادا کیا گیا نہ گیت ہوا نہ ناچ۔ نہ گالی نہ گلوچ بیچاری پورنا کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا صرف بلو مشاطہ کا کام بھی کرتی تھی اور جلیس کا بھی۔

اندر تو شادی ہو رہی تھی۔ باہر ہزارون آدمی لاٹھیان اور سوٹے لیے غل مچا رہے تھے۔ پولیس والے انکو روکے ہوئے مکان کے گرد ایک حلقہ باندھے کھڑے تھے تمام باراتی دم بخود تھے۔ اس اثنا مین پولیس کا کپتان بھی آ پہونچا۔ پہنچ آتے ہی حکم دیا کہ بھیڑ ہٹادی جائے اور دم دم مین پولیس والون نے ٹونین سے مار مار کر اس طوفان بے تمیزی کو ہٹانا شروع کیا۔ شکی پولیس نے ڈنڈا کے بیدے بندوقون کی دو چار باڑھین ہوا مین سر کر دین اب گیا تھا جو طرف بھگدڑ مچ گئی۔ مگر ہمین اسیوقت ٹھاکر زور آور سنگھ دوہری پستول باندھے نظر پڑا۔ اسکی مونچھین کھڑی تھین آنکھون سے انگارے اڑ رہے تھے اسکو دیکھتے ہی وہ بے قاعدہ جماعت جو تتر بتر ہو رہی تھی پھر جمع ہونے لگی جسطرح سردار کو دیکھکر بھاگتی ہوئی فوج دم بکر کھڑے۔ ایک لمحے مین کوئی ہزار ہا آدمی اکٹھا ہو گئے اور ڈا او رٹھا کرنے جون ہی ایک دفعہ نعرہ ار اچنڈ ورگا جی کی لگا دون ہی ساری جماعت کے دلون مین گویا کوئی تازہ روح آگئی۔ جوش بھڑک اٹھے خون مین حرکت پیدا ہوئی اور سب کے سب دریا کی طرح امنڈتے ہوئے آگے کو بڑھے۔ شہری پولیس والے بھی سنگینین چڑھائے ہوئے قطار کی قطار کھڑے تھے نظر کھڑے تھے چو طرفہ ایک خوفناک سناٹا چھایا ہوا تھا دہرا لگا ہوا تھا کہ اب کوئی دم مین خون کی ندی بہا چاہتی ہے۔ پولیس کپتان بڑی ہمدردی سے اپنے آدمیون کو سمجھا رہا تھا کہ دفعتہ پستول کی آواز آئی اور کپتان کی ٹوپی زمین

گر پڑی مگر زخم نہیں لگا۔ کپتان نے دیکھ لیا تھا کہ یہ پستول زرو آور سنگھ نے سر کیا ہے۔ اُسنے بھی چٹ اپنی بندوق سنبھالی اور بندوق کا نشانہ تک ہلانا تھا کہ ٹھاکر زرو آور سنگھ بیچارے نشانے چت زمین پر آ رہا اُسکا گرنا تھا کہ دلاور سپاہیوں نے دھاوا کیا اور وہ بے جماعت بدحواس ہو کر بھاگی جسکے جہاں سینگ سمائے چل نکلا کوئی آدھ گھنٹے میں وہاں چڑیے کا پوت بھی نہ دکھائی دیا۔

باہر تو یہ طوفان بپا تھا اندر دولھا دلہن مارے ڈر کے سوکھے جاتے تھے۔ پورنا تھرتھر کانپ رہی تھی اُسکو بار بار رونا آتا تھا کہ یہ مجھ ابھاگنی کے لیے اتنا خون خچر ہو رہا ہے۔ امرت رائے کے خیالات کچھ اور ہی تھے وہ سوچتے تھے کہ کاش میں پورنا کے ساتھ کسی طرح بخیریت مکان تک پہونچ جاتا تو دشمنوں کے حوصلے پست ہو جاتے۔ پولیس ہی تو کافی ہے۔ ارے یہ بندوقیں چلنے لگیں لیجیے بیچارہ زرو آور سنگھ مارا گیا آدھ گھنٹے کے ہی اندر جو امرت رائے کو کئی برسوں کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ میاں بیوی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے ملا دیے گئے۔ اور تب یہاں سے بارات کی رخصتی کی ٹھہری۔ پورنا ایک فنس میں بٹھائی گئی اور جسطرح بارات آئی تھی اسیطرح روانہ ہوئی۔ ابکی بھی تھا لقین کو سر اوٹھانے کی جرأت نہ ہوئی آدمی ادھر اُدھر ضرور جمع تھے۔ اور غصہ آلود نگاہوں سے اس جماعت کو دیکھتے تھے۔ ادھر اُدھر سے پتھر بھی چلائے جا رہے تھے تالیاں بجائی جا رہی تھیں منھ چڑایا جا رہا تھا۔ مگر ان شرارتوں سے ایسے مستقل مزاج ریفارمروں کی سنجیدگی میں کیا خلل آ سکتا تھا۔ ہاں اندر فنس میں بیٹھی ہوئی پورنا رو رہی تھی۔ غالباً اس لیے کہ دلہن دولھا کے گھر جاتے وقت ضرور رویا کرتی ہے بارے خدا خدا کرکے بارات ٹھکانے پر پہونچی دلہن اتاری گئی باراتیوں کی جان میں جان آئی امرت رائے کی خوشی کا کیا پوچھنا وہ دوڑ دوڑ سب سے ہاتھ ملاتے پھرتے تھے۔ باچھیں کھلی جاتی تھیں جونہی پورنا اُس سجے ہوئے کمرے میں رونق افروز ہوئی جو خود بھی دلہن کی طرح سجا ہوا تھا امرت رائے نے آکر اُس کہا او پیاری لو ہم بخیریت پہونچ گئے۔ دیش! تم تو رو رہی ہو۔ یہ کہتے ہوئے اُنھوں نے رومال سے اُس کے

آنسو پونچھے اور اُسکو گلے سے لگایا۔
پورنا کو کچھ تھوڑی سی خوشی محسوس ہوئی۔ اسکی طبیعت خود بخود سنبھل گئی
اُسنے امرت رائے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی "اب بہین میرے پاس بیٹھیے۔ آپ
کو باہر نجانے دون گی۔ اوہ! ظالمون نے کیسا اُدھم مچایا"
اس مبارک رسم کے بعد باراتیون کے چلنے کی تیاریان ہونے لگین۔ مگر
سب نے اصرار کیا کہ لالہ دھنک دھاری لال سبکو اپنی تقریر سے ایک
بار فیضیاب کرین۔ چنانچہ دوسرے دن امرت رائے نے بنگلے کے مقابل
والے صحن مین ایک شامیانہ نصب کرایا۔ اور بڑے دھوم دھام کا جلسہ
ہوا۔ وہ دھوان دھار تقریرین ہوئین کہ سیکڑون آدمیون کے کفر ٹوٹ گئے
ایک جلسہ کی کامیابی نے ہمت بڑھائی دو جلسے اور ہوے اور دونی کامیابی کے
ساتھ سارا شہر ٹوٹا پڑتا تھا۔ پولیس کا برابر انتظام رہا۔ وہی لوگ جو کل ریفارم
کے خلاف لاٹھیان لیے ہوے تھے آج ان تقریرون کو غور سے سنتے تھے
اور چلتے وقت گو اُن باتون پر عمل کرنے کے لیے تیار نہون مگر اتنا ضرور کہتے تھے
کہ یار یہ سب باتین تو ٹھیک کہتے ہین۔ ان جلسون کے بعد دو بیواؤن کی اور
شادیان ہوئین دونون دولھے امرت رائے کے پُرجوش پیرو ون مین سے
تھے اور دُلھنو مین سے ایک پورنا کے ساتھ گنگا نہانے والی رام کلی تھی۔
چوتھے دن تمام حضرات رخصت ہوے۔ پورنا بہت کنی کاٹتی پھری
مگر تاہم باراتیون سے مزاج پرسی کرنا پڑی اور لالہ دھنکدھاری نے تو تین
دن آدھ آدھ گھنٹے تک اُسکو اخلاقی تلقین کی۔
شادی سے چوتھے دن بعد پورنا بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک عورت نے آکر اُسکو ایک سربمہر
لفافہ دیا پڑھا تو پریا کا خط تھا۔ اُسنے اُسکو مبارکباد دی تھی اور بابو امرت رائے
کی وہ تصویر جو برسون سے اُسکے گلے کا ہار ہو رہی تھی پورنا کے لیے بھیجدی
تھی۔ اُس خط کی آخری سطرین یہ تھین دو سکھی تم بڑی بھاگوان ہو ایشور
سدا تمھارا سہاگ قائم رکھے میری ہزارون امیدین اس تصویر سے
وابستہ تھین۔ تم جانتی ہو کہ مین نے اسکو جان سے زیادہ عزیز رکھا مگر اب مین

اس قابل نہین کہ اسکو اپنے سینے پر رکھون - اب یہ تمکو مبارک ہو پیاری مجھے بھولنا مت اپنے پیارے پتی کو میری طرف سے مبارکباد دینا اگر زندہ رہی تو تمسے ضرور ملاقات ہوگی ....

تمھاری ابھاگی سکھی پریما

پورنانے اسکو بار بار پڑھا اسکی آنکھوں مین آنسو بھر آئے - اس تصویر کو گلے مین پہن لیا اور نہایت ہمدردانہ لہجے مین اس خط کا جواب لکھا -

افسوس! آجکے پندرھوین دن بیچاری پریما بابو دان ناتھ کے گلے باندھ دیگئی بڑے دھوم دھام سے بارات نکلی ہزارون روپیہ لٹا دیا گیا - کئی دن تک سارا شہر منشی بدری پرشاد صاحب کے دروازے پر ناچ دیکھتا رہا لاکھون کا وارا نیارا ہوگیا شادی کے تیسرے ہی دن بعد منشی جی راہی ملک بقا ہوے خدا انکو مغفرت کرے

گیارھوان باب

دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست

مہمانون کی رخصتی کے بعد یہ امید کی جاتی تھی کہ مخالفین اب سر نہ اٹھائینگے - خصوصاً اسوجہ سے کہ انکی طاقت منشی بدری پرشاد و ٹھاکر زور آور سنگھ کے مرجانے سے نہایت کمزور ہی ہو رہی تھی - مگر اتفاق مین بڑی قوت ہے ایک ہفتہ بھی نہ گذرنے پایا تھا - اندیشہ کچھ کچھ کم ہو چلا تھا - کہ ایک روز صبح کو بابو امرت رائے کے تمام شاگرد پیشے انکی خدمت مین حاضر ہوے اور عرض کیا کہ ہمارا استعفا لے لیا جائے - بابو صاحب اپنے نوکرون سے بہت اچھا برتاو کرتے تھے - پس انکو اسوقت سخت تعجب ہوا - بولے - تم لوگ کیا چاہتے ہو - کیون استعفا دیتے ہو؟

نوکر " اب مجبور لوگ نوکری نہ کرینگے "

امرت رائے " آخر اسکی کوئی وجہ بھی ہے - اگر تمھاری تنخواہ کم ہو تو بڑھائی جاسکتی ہے - اگر کوئی دوسری شکایت ہو تو رفع کیجاسکتی ہے - یہ استعفا کی بات چیت کیسی؟ اور پھر سب کے سب ایک ساتھ!

نوکر " حضور تنخواہ کی ہمکو ذرا بھی شکایت نہین - حضور تو ہمکو مائی باپ کی طرح مانتے ہین مگر اب ہمارا کچھ بس نہین جب ہماری برادری جات سے باہر کرتی ہے - حقہ پانی بند

کرتا ہی۔ سب کہتے ہین کہ اُسکے یہان نوکری مت کرو۔"
بابو امرت رائے بات کی تہ پر پہونچ گئے مخالفین نے اپنا اور کوئی بس چلتا نہ دیکھکر ستانیکا یہ ڈھنگ نکالا ہے۔ بولے ہم تمھاری تنخواہ دوگنی کر دینگے اگر اب تنا استعفا پھیر لوگے۔ ورنہ تمھارا استعفا نامنظور تاوقتیکہ ہمکو اور کہین خدمتگار نہ ملجائین۔"

نوکر۔ (ہاتھ جوڑکر) سرکار ہمارے اوپر مہربانگی کی جائے۔ برادری ہمکو آج ہی کھاج کر دیگی۔"

امرت رائے (ڈانٹ کر) ہم کچھ نہین جانتے۔ جبتک ہمکو نوکر نہ ملین گے ہم ہرگز استعفا منظور نہ کرین گے۔ تم لوگ اندھے ہو۔ دیکھتے نہین ہو کہ بلا نوکرون کے ہمارا کام کیونکر چلیگا۔"
نوکرون نے دیکھا کہ یہ اسطرح ہرگز چھٹی نہ دینگے چنانچہ اسوقت تو وہا نسے چلے آئے دن بھر خوب دل لگا کر کام کیا آٹھ بجے رات کے قریب جب بابو امرت رائے سیر کرکے آئے تو کوئی ٹم ٹم تھامنے والا نہ تھا۔ چارونطرف گھوم گھام کر پکارا مگر صدا اسے نہ برخاست سمجھ گئے کمبختون نے دھوکا دیا۔ خود گھوڑے کو کھولا۔ پھیرنے کی کہان فرصت۔ ساز اُتار اصطبل مین باندھ دیا اندر گئے تو کیا دیکھتے ہین کہ پورنا بیٹھی کھانا پکا رہی ہی اور بلو دہر اُدھر دوڑ رہی ہی۔ نوکرون پر دانت پیسکر رہگئے۔ پورنا سے کہا۔ پیاری آج تمکو بڑی تکلیف ہو رہی ہی کمبختون نے سخت دھوکہ دیا۔"

پورنا۔ (ہنسکر) آج آپکو اپنے ہاتھ کی رسوئین کھلاؤنگی۔ کوئی بھاری سی انعام دیجئیگا۔"
امرت رائے کو اُسوقت دل لگی کہان سوجھتی تھی۔ بیچارے چاول دال کھانا بھول گئے تھے کشمیری برہمن نہایت نفیس کھانے تیار کرتا تھا۔ اس شہر مین ایسا باہنر باورچی کہین نہ تھا کتنے شرفا اُسکو نوکر رکھنے کے لیے منھ پھیلا ئے ہوئے تھے۔ مگر کوئی اسقدر فیاضی سی تنخواہ نہین دے سکتا تھا۔ اُسکے جانے کا بابو صاحب کو سخت افسوس ہوا۔
بیوی سے پوچھا یہ بدمعاش تمسے پوچھنے بھی آئے تھے یا یونہین چلے گئے۔"

پورنا۔ مجھسے تو کوئی بھی نہین پوچھنے آیا۔ مہراج البتہ آیا اور روتا تھا کہ مجھے لوگ مارنے کو دھمکا رہے ہین۔"

امرت رائے (غصے سے ہاتھ ملکر) نہین معلوم یہ ظالم کیا کرنیوالے ہین۔"
یہ کہکر باہر آئے۔ کپڑے اُتارے۔ کہان تو روز خدمتگار آکر کپڑے اُتارتا تھا جوتے

کھولتا تھا۔ ہاتھ منھ دھلواتا اور پھر اچ اچھے سے اچھے کھانے تیار رکھتا اور کہان
یکایک آج سناٹا ہو گیا۔ بیچارے ناک بھون سکوڑے اندر پھر گئے۔ پورنا صاف
تھالیون مین کھانا پروسے بیٹھی ہوئی تھی اور دل مین خوش بھی تھی کہ آج مجھے اُنکی
یہ خدمت کرنیکا موقع ملا۔ مگر جب اُنکا چہرہ دیکھا تو سہم گئی۔ کچھ بولنے کی جرأت
نہ پڑی۔ سہان بلو نے کہا۔ "سرکار آپ کھا مکھاہ اُداس ہوتے ہین۔ نوکر چاکر
تو پیسے کے یار ہین۔ یہی سب دو ایک روز اِدھر اُدھر رہین گے پھر آپ ہی
آپ جھک مار کر کے آئین گے"۔
امرت رائے (غصے کو ضبط کر کے) نہین معلوم بلو یہ کن لوگون کی شرارت ہے۔
انھین ظالمون نے تمام نوکرون کو اُبھار کر بھگا دیا ہے۔ اور ابھی نہین معلوم
کیا کرنے والے ہین۔ مجھے تو خوف ہے کہ سارے شہر مین کوئی آدمی ہمارے
یہان نوکری کرنے نہ آئیگا۔ ہان علاقے پر سے کہار آ سکتے ہین۔ مگر وہ سب دیہاتی گنوار
ہوتے ہین۔ بجز بار برداری کے اور کسی کام کے نہین ہوتے"۔ یہ کہکر کھانے بیٹھے۔ دو چار
نوالے کھاسے تو کھانا مزیدار معلوم ہوا۔ پورنا نہایت لذید کھانے بنا سکتی تھی۔ اس فن مین اُنکو
خاص ملکہ تھا۔ گر جلدی مین بجز معمولی چیزون کے اور کچھ نہ بنا سکتی تھی۔ تاہم بابو صاحب
نے کھانے کی بڑی تعریف کی اور عملی طور پر اُس کا ثبوت بھی دیا۔ رات تو اسطرح
کام چلا۔ علی الصباح وہ بائیسکل پر سوار ہو کر چند انگریزون سے ملنے گئے
اور بلو بازار سودا خریدنے گئی۔ مگر اُسے کتنا تعجب ہوا جبکہ بنیون اُسکو کوئی
چیز بھی ندی۔ جس دوکان پر جاتی وہین ٹکا سا جواب پاتی۔ سارا بازار چھان
ڈالا مگر کہین سودا نہ ملا۔ ناچار مایوس ہو کر لوٹی۔ اور پورنا سے سارا
قصہ بیان کیا۔ پورنا نے آج ارادہ کیا تھا کہ ذرا اپنے فن کے جوہر دکھلاؤنگی
چیزونکے نہ ملنے سے دل مین اینٹھ کر رہ گئی ناچار سادے کھانے پکا کر دھر دیئے۔
اسیطرح دو تین دن گذرے چوتھے دن بابو صاحب کے علاقے پر
سے چند موٹے تازے سہٹے کٹے کہار آئے جنکے بھدے بھدے
ہاتھ پاؤن اور پھولے ہوئے کندھے اس قابل نہ تھے کہ ایک تہذیب
یافتہ جنٹلمین کی خدمت کر سکے۔ بابو صاحب ان کو دیکھ کر خوب ہنسے

اور کچھ زاد راہ دیکر اُلٹے قدم واپس کیا اور اُسی وقت منشی گلزاری
لال کے پاس تار بھیجا کہ مجھکو چند خدمتگارون کی اشد ضرورت ہے۔
منشی جی بھی صاحب پہلے ہی سے سوچے ہوئے تھے کہ
بنارس جیسے شہر مین جسقدر مخالفت ہو تھوڑی ہے۔ تار پاتے ہی انھون نے
اپنے ہوٹل سے پانچ خدمتگارون کو روانہ کیا جن مین ایک کشمیری کا
مہراج بھی تھا۔ دوسرے دن یہ نئے خادم آپہونچے سب کے سب ایسے ہی
تھے۔ جو نہ برادری کے غلام تھے اور نہ جنکو برادری سے خارج ہونے
کا خوف تھا ان کو بھی مخالفین نے برانگیختہ کرنا چاہا مگر کچھ داؤن نہ چلا۔ نوکرون
کا انتظام تو اسطرح ہوا سودے کا یہ بندوبست کیا گیا کہ لکھنؤ سے تمام روزآنہ
ضروریات کی چیزین اکٹھی منگالین جو کئی مہینون کے لیئے کافی تھین مخالفون
نے جب دیکھا کہ ان شرارتون سے بابو صاحب کو کوئی گزند نہ پہونچا
تو اور ہی چال چلے۔ اُن کے موکلون کو بہکانا شروع کیا کہ وہ تو عیسائی ہو گئے ہین
بدھوا بواہ کیا ہے۔ سب جانورون کا گوشت کھاتے ہین۔ چھوت بچار نہین مانتے
ان کو چھونا گناہ ہے۔ گو دیہات مین بھی ریفارم کے لکچر دیئے گئے تھے اور
امرت رائے کے پرجوش پیرو متواتر دورے کر رہے تھے۔ مگر
ان لکچرون مین ابھی تک بدھوا بواہ کا ذکر مصلحتاً نہین کیا گیا تھا چنانچہ
جب اُن کے موکلون نے جنمین زیادہ تر راجپوت اور بھومہار تھے یہ
حالات سنے تو قسم کھائی کہ اُن کو اپنا مقدمہ نہ دینگے۔ رام! رام! بدھوا سے
بواہ کر لیا!! عنقریب دو ہفتے تک بابو امرت رائے صاحب کے موکلون
مین یہ باتین پھیلین اور مخالفین نے اُن کے خوب کان بھرے جسکا نتیجہ یہ ہوا
کہ بابو صاحب کی وکالت کی سرد بازاری شروع ہو گئی جہان مارے
مقدمون کے سانس لینے کی فرصت نہ ملتی تھی وہان اب دن بھر ہاتھ پر
ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی نوبت آ گئی۔ حتی کہ تیسرے ہفتے مین ایک
مقدمہ بھی نہ ملا۔ ان کی بازار ٹھنڈی ہوئی تو منشی گلزاری لال و بابو دان
ناتھ صاحب کی چاندی ہو گئی۔ جب تین ہفتے تک بابو امرت رائے صاحب

کو کبھی اجلاس پر جانے کی نوبت نہ آئی۔ تو جج صاحب کو تعجب ہوا وہ بابو امرت راے صاحب کی ذہانت و طباعی کی بڑی قدر کرتے تھے اور اکثر اُن کو اپنے مکان پر بلا کر پیچیدہ مقدمات مین اُن کی راے لیا کرتے تھے اور بارہا اُن کو سنگین مقدمات کی تحقیقاتی کمیشن کا پریسیڈنٹ بنایا تھا۔ اُنھون نے سررشتہ دار سے اُنکے اسطرح مفقود ہو جانے کا سبب پوچھا۔ سررشتہ دار صاحب قوم کے مسلمان اور نہایت راستباز آدمی تھے اُنھون نے من و عن سب حال کہہ سُنایا دوسرے دن امرت راے کو اجلاس پر خود بنفس نفیس بلایا اور دیہاتی زمینداروں کے روبرو اُنسے دیر تک آہستہ آہستہ گفتگو کی امرت راے ابھی بے تکلفی سے مُسکرا مُسکرا کر اُنکی باتون کا جواب دیتے تھے کئی وکیل اُسوقت صاحب بہادر کے پاس کاغذات ملاحظہ کے لیئے لائے مگر صاحب نے ذرا بھی توجہ نہ کی۔ جب امرت راے چلے تو صاحب نے کرسی سے اُٹھکر اُنسے ہاتھ ملایا اور ذرا آواز مین بولے "اچھا بابو صاحب! جیسا آپ کہتا ہے ہم ایسا مکدمے مین اُسی ما پھک کریگا۔ جج صاحب یہ چال چلکر منتظر تھے کہ دیکھین اسکا کیا اثر ہوتا ہے چنانچہ جب کچہری برخاست ہوئی تو اُن زمینداروں مین جنکے مقدمے آج پیش تھے یون باتین ہونے لگین۔

ٹھاکر صاحب۔ (پگڑی باندھے مونچھین اُمیٹھے مرزائی پہنے اور گلے مین بڑے بڑے دانون کا مالا ڈالے) "آج جج صاحب امرت راے سے خوب خوب بات کرت رہین۔ جرور سے جرور اُنہی کے راے کے متابک پھیسلا ہوے"

مصر جی۔ (سر گھٹائے ٹیکا لگائے برہنہ تن۔ انگوچھا کندھے پر رکھے ہوئے) "ہان جات تو ایسے پرت ہے۔ جب بابو صاحب چلے لاگن تو جج صاحب بولن کہ آپ جیسا کہین گے ویسا کیا جائیگا"

ٹھاکر۔ دکھائی کبھی امرت راے سمان وکیل پہتی مان ناہین باکی پھر سنائی ہو

گوا۔ رانڈ سے بیاہ کس ٹا

مصر جی'' اتنے تو بیچ پڑا ہے۔ ہمکا تو جان پر بنت ہے کہ جرور مکدمہ ہار جائے۔ اتنا وکیل ہتین۔ باکی انکو برابری کر پانا ہین نا۔ کس بحث کرت ہے۔ مانو سرستی جبھا پہ بیٹھی ہاہے سو اگر انکا وکیل نہ کیے ہویت تو جرور ہمار جیت ہوئی جات ٹا

اسیطرح کی باتین دونو نین ہوئین اور چراغ جلتے دونون بابو امرت رائے کے پاس آئے اور مقدمے کی روئداد بیان کی اور اپنے خطاؤن کی معافی چاہی۔ بابو صاحب نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ مقدمہ مین جان نہین ہے تاہم انھون نے اُسکو لے لیا اور دوسرے دن ایسی پر زور اور مدلل بحث کی کہ فریق ثانی کے وکلا ء کھڑے منھ تاکا کئے اور شام ہوتے ہوتے میدان امرت رائے کے ہاتھ تھا۔ اس مقدمے کا جیتنا تھا اور پھر ہی برخاست ہونے کے بعد جج صاحب کا اُنکو مبارکباد دینا غضب کہ گھر جاتے جاتے بابو صاحب کے دروازے پر موکلوں کی بھیڑ لگ گئی اور ایک ہفتے کے اندر اندر انکی وکالت دونی آب و تاب سے چمکی مخالفون کو پھر نیچا دیکھنا پڑا سچ ہے خدا مہربان ہو تو کل مہربان ٹا

اسی اثنا ء مین وہ گھاٹ جو بابو صاحب صرف کثیر سے بنوا رہے تھے تیار ہو گیا اور مخالفین کو بھی مجبوراً معترف ہونا پڑا کہ ایسا خوبصورت گھاٹ اس صوبے مین کہین نہین۔ چوطرفہ سنگین پہار دیواری کھنچی ہوئی تھی اور دریا سے نہرون کے راستہ پانی آتا تھا۔ اناتھ آلہ بھی تیار ہو گیا! ہا! کیسی عالیشان پختہ عمارت تھی۔ عین دریا کے کنارے پر۔ اُسکے چارو نطرف احاطہ گھیر کر پھول لگا دیا تھا۔ پھاٹک پر سنگ مرمر کے دو تختے دھل کیے ہوئے تھے۔ ایک پر اُن اصحاب کے اسمائے گرامی کھدے ہوئے تھے جنکی فیاضی سے وہ عمارت تعمیر ہوئی تھی اور دوسرے پر عمارت کا نام اور اُسکے اغراض جلی حروف مین سے لکھے ہوئے تھے۔ گو عمارت تعمیر ہو چکی تھی مگر ابھی تک دستور العمل کی پوری

پیروری ہی نہ ہو سکتی تھی۔ وقت یہ تھی کہ سینا پرونا۔ گل بوٹے کاڑھنا جراب وغیرہ بنانا سکھانے کے لیے ہندوستانیاں نہ ملتی تھیں۔ ہاں لالہ دھنک دھاری لال صاحب پر اُستانیاں مہیا کرنیکا بار ڈالا گیا تھا اور بہت جلد کامیابی کی امید تھی۔ اس عمارت کا افتتاحی جلسہ بڑے دھوم دھام سے ہوا۔ دلدار نگر کے مہاراجہ صاحب نے جو خود بھی نہایت فیاض اور نیک مرد تھے عمارت کو دست مبارک سے کھولا اور گو خود بدھوا بواہ کے مخالفین میں سے تھے مگر اس اناتھ آسرے کے ساتھ بھی ہمدردی ظاہر کی اور بابو امرت رائے کے ساعی جمیلہ کی قرار واقعی داد دی۔ شہر کے تمام شرفا بلا استثنا اس جلسے میں شریک ہوئے اور مہاراجہ صاحب کی باموقع فیاضی نے دم کی دم میں کئی ہزار روپیہ وصول کرا دیا اور آج امرت رائے کو معلوم ہوا کہ مین نے اپنی زندگی مین کچھ کام کیا ہے۔

جب سے شادی ہوئی تھی پورنا نے بابو صاحب کو کبھی اتنا خوش نہ پایا تھا جتنا شادی سے پہلے پاتی تھی۔ اُس پورے سات مہینے بھر بیچارے ترددات مین مبتلا تھے۔ ایک ہفتہ مہمانوں کی رخصتی مین لگا ایک ہفتے تک نوکرون نے تکلیف دی بعد ازان دو تین ہفتے تک دولت کی بھرد بازاری رہی جو اسوجہ سے اور بھی تفکر کا باعث ہو رہی تھی کہ گھاٹ اور اناتھ آلے کے ٹھیکہ دار بنگلے بل ادا کرنے تھے۔ جب تورا ویکا ات سدھری تو اس افتتاحی جلسے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ غرض اس ڈیڑھ مہینے تک اُن کو تفکرات سے آزادی نہ ملی۔ آج جب وہ آئے تو از حد خوش تھے چہرہ منور ہو رہا تھا۔ پورنا انکو متفکر دیکھتی تو اسکو نہایت رنج ہوتا تھا اور اُنکی فکر دور کرنیکی برابر کوشش کیا کرتی تھی۔ آج انکو خوش دیکھا تو نہال ہو گئی۔ بابو صاحب نے اُسے گلے سے لگا کر کہا۔

"وہ پیاری پورنا ہمکو آج معلوم ہوتا ہے کہ زندگی مین کوئی کام کیا ہے"

پورنا۔ "ایشور آپ کے ارادوں میں برکت دے۔ ابھی آپ نہ معلوم کیا کیا کرینگے؟"
امرت رائے۔ "تم کو اس اناتھ آشرم کی نگرانی کرنا ہوگی کیوں اچھا ہوگا نہ؟"
پورنا۔ (ہنسکر) "وہ تم سب مجھے سکھا دینا؟"
امرت رائے۔ "میں تم کو لیکر مدراس اور پونا چلونگا وہاں کے خیرات خانوں کا انتظام دیکھوں گا اور ضرورت کے موافق ترمیم کر کے وہی قواعد یہاں بھی جاری کرونگا پیاری کل سے تم کو مس ولیم گانا سکھانے آیا کرینگی؟"
پورنا۔ (ہنسکر) "تم مجھے کیا کیا سکھلاؤ گے مجھ سے بیاہ کرنے میں تمنے دھوکا کھایا؟"
امرت رائے۔ "بیشک دھوکا کھایا۔ محبت کی بلا اپنے سر لی؟"
اسیطرح دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ آج سے دونوں میاں بیوی بڑے چین سے بسر کرنے لگے۔ جوں جوں دونوں کی فطرتی خوبیاں ایک دوسرے پر ظاہر ہوتی تھیں انکی محبت بڑھتی جاتی تھی بیوی شوہر کی عاشق اور شوہر بیوی کا دلدادہ۔ دونوں ایک جان دو قالب تھے جب بابو امرت رائے کچہری جاتے تو پورنا گانا سیکھتی جب وہ کچہری سے آجاتے تو انکو گانا سناتی۔ بعد ازاں دونوں شام کو باغ میں سیر کرتے اسیطرح ہنسی خوشی ایک مہینہ سے بڑھ ہو گیا۔ خوشی کے ایام جلد گذر جاتے ہیں۔

بارھواں باب

وہ شکوۂ غیر کا دماغ کسے؟
وہ یار سے بھی مجھے گلا نہ رہا!

پورنا کی شادی ہوئے دو ماہ سے زیادہ گذر چکے ہیں۔ مگر اُسکے چہرہ پر مسرت و اطمینان کی علامتیں نظر نہیں آتیں۔ وہ ہردم کچھ متفکر سی رہا کرتی ہے۔ اُسکا چہرہ زرد ہے۔ آنکھیں بیٹھی ہوئی۔ سر کے بال بکھرے

پریشان اُسکے دلمین ابھی تک بابو امرت رائے کی محبت باقی ہے۔ وہ ہرچند چاہتی ہے کہ دل سے اُنکی صورت نکال ڈالے مگر اُس کا کچھ قابو نہین چلتا۔ گو بابو دان ناتھ اُسکے ساتھ سچی محبت ظاہر کرتے ہین اور علاوہ وجیہ شکیل نوجوان ہونیکے۔ نہایت ہنس مکھ ظریف طبع و ملنسار آدمی ہین مگر پریما کا دل اُنسے نہین ملتا۔ وہ اُنکی خاطر کرنیمین کوئی دقیقہ نہین فروگذاشت کرتی۔ جب وہ موجود ہوتے ہین تو وہ ہنستی بھی ہے بات چیت بھی کرتی اور محبت بھی جتاتی ہے۔ مگر جب وہ چلے جاتے ہین تو وہ پھر غمگین ہوتی ہے اپنے میکے مین اُسکو رونیکی آزادی تھی۔ یہان رو بھی نہین سکتی۔ یا روتی ہے تو چھپکر۔ اُسکی بوڑھی ساس اُسکو پان کیطرح پھیرا کرتی ہے۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ اُسکا پاس ولحاظ کرتی ہے بلکہ اسوجہ سے کہ وہ اپنے ساتھ نہایت بیش قیمت چیز لائی ہے۔ بیچاری پریما کی زندگی واقعی ناقابل رشک ہے اُسکی ہنسی زہرخند ہوتی ہے۔ اُسکے گفتگو کے لہجے مین ایک بیچارگی اور دل افتادگی سی پائی جاتی ہے وہ کبھی کبھی ساس کے تقاضے سے ستار بھی بجاتی ہے۔ مگر اُسکے چہرے پر وہ رونق اور چمک دمک نہین پائی جاتی جو دلی اطمینان کا پرتو ہوتی ہے وہ زیادہ تر اپنے ہی کمرے مین بیٹھی رہتی ہے۔ ہان کبھی کبھی گا کر دل بہلاتی ہے۔ مگر اُسکا گانا ایسا نہین ہوتا کہ اسکو خوشی حاصل ہو۔ برعکس اُسکے وہ دردناک نغمے گاتی ہے اور اکثر روتی ہے۔ اُسکو معلوم ہوتا ہے کہ میرے دل پر کوئی بوجھ دھرا ہوا ہے۔

بابو دان ناتھ اتنا تو شادی کرنیکے پہلے ہی جانتے تھے کہ پریما امرت رائے پر جان دیتی ہے۔ مگر اُنھون نے سمجھا تھا کہ اُسکی محبت معمولی محبت ہوگی جب مین اُسکو بیاہ کر لاؤنگا اور اُسکے ساتھ اخلاص و پیار سے پیش آؤنگا تو وہ سب بھول جائیگی۔ اور پھر ہماری زندگی بڑے اطمینان سے بسر ہوگی چنانچہ ایک مہینے تک اُنھون نے اُسکی دلگرفتگی کی بہت زیادہ پروانہ کی۔ مگر اُنکو کیا معلوم تھا کہ وہ محبت کا پودھا جو پانچ برس تک خون دل سے سینچ سینچ کر پروان چڑھایا گیا ہے مہینے دو مہینے مین ہرگز نہین مرجھا سکتا۔ اُنھون نے دوسرے

مہینے بھر بھی ضبط کیا۔ مگر جب اب بھی پریا کے چہرے پر شگفتگی و بشاشت نہ نظر آئی تب تو اُن کو صدمہ ہونے لگا۔ محبت اور حسد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دان ناتھ بھی محبت کرتے تھے مگر بھی محبت کے عوض بھی محبت چاہتے بھی تھے ایک روز وہ معمول سے سویرے مکان پر واپس آئے اور پریا کے کمرے مین گئے تو دیکھا کہ وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے۔ انکو دیکھتے ہی اُسنے سر اُٹھایا۔ ہائے! محبت کے لہجے مین بولی!! بھئی آج نہ معلوم کیون لالہ جی کی یاد آگئی تھی بڑی دیر سے رو رہی ہون"

دان ناتھ نے اُسکو دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا کہ امرت رائے کے فراق مین یہ آنسو بہائے جا رہے ہین۔ اُسپر پریا نے جو یون ہوا بتلائی تو انکو نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ روکھے لہجے مین بولے "تمہاری آنکھین ہین تمھارے آنسو بھی جتنا رویا جائے رو لو۔ چاہے یہ رونا کسی زندہ آدمی کی لئے ہو یا مردہ کیلیے"

پریا اس آخری جملے پر چونک پڑی اور بلا کچھ جواب دیے شوہر کیطرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی دان ناتھ نے پھر کہا۔

"کیا تاکتی ہو پریا مین ایسا احمق نہین ہون۔ مین نے بھی آدمی دیکھے ہین، اور آدمی پہچانتا ہون۔ گو تمنے مجھکو بالکل گوکھا سمجھ رکھا ہوگا۔ مین تمھاری ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھا ہون مگر جتنا ہی دیکھتا ہون اُتنا ہی زیادہ صدمہ دل کو ہوتا ہے۔ کیونکہ تمھارا برتاؤ میرے ساتھ پھیکا ہے گو تمکو یہ سُننا ناگوار معلوم ہوگا مگر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ تم مجھ سے محبت نہین کرتین۔ مین نے اتبک اس نازک معاملے پر زبان کھولنے کی جرأت نہین کی اور ایشور جانتا ہے کہ مین تمھاری کسقدر محبت کرتا ہون۔ مگر محبت چاہے جو کچھ برداشت کرے بےنیازی نہین برداشت کر سکتی اور وہ بھی کیسی بےنیازی جسکا وجود کسی رقیب کے فراق سے ہو۔ کوئی آدمی خوشی سے نہین دیکھ سکتا کہ اُسکی بیوی دوسرے کے فراق مین آنسو بہائے کیا تم نہین جانتی ہو کہ ہندو عورت کو شاستر کے مطابق اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال کرنا بھی گنہگار بنا دیتا ہے پریا تم ایک اعلیٰ درجے کی شریف

خاندان کی بیٹی ہو اور جس خاندانکی تم ہو وہ بھی اس شہر مین کسی سے ہیٹا نہین ہا
کیا تمھارے لیے یہ باعث ننگ و شرم نہین ہے کہ تم اُس آدمی کے فراق
مین آنسو بہاؤ جسنے باوجود تمھارے والد کے متواتر تقاضو نکے ایک اوار
ہ رانڈ بسمتی کو تمپر ترجیح دی۔ افسوس ہے کہ تم اُس آدمی کو دلمین جگہ دیتی ہو جو تمھارا
بھولکر بھی خیال نہین کرتا۔ انھین آنکھون نے امرت راے کو تمھاری تصویر
پرزہ پرزہ کرکے پیرون تلے روندتے دیکھا ہے انھین کانون نے انکو تمھاری
شان مین جا و بیجا باتین کہتے سنا ہے تمکو تعجب کیون ہوتا ہے پریا گیا۔ میری
باتونکا یقین نہین آیا۔ کیا امرت راے نے آن مہربانیونکا اصلی ثبوت نہین
دیدیا۔ کیا انھون نے ڈنکے کی چوٹ نہین ثابت کردیا کہ وہ خاک برابر تمھاری
قدر نہین کرتے۔ مانا کہ کوئی زمانہ تھا جب وہ بھی تمسے شادی کرنے کا
ارمان رکھتے تھے مگر اب وہ امرت راے نہین رہگیا۔ اب وہ امرت راے ہی
جسکی آوارگی اور بدچلنی کی شہر کا بچہ بچہ قسم کھا سکتا ہے۔ مگر افسوس! تم ابھی تک
اُس ننگ خاندان کے فراق مین آنسو بہا بہا کر اپنے اور میرے خاندان کے ماتھے
پر کلنک کا ٹیکا لگاتی ہو۔

دان ناتھ غصے کے جوش مین تھے۔ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اور گو آنکھو نسے
شعلے نہ نکلتے ہون مگر انمین انتہا درجے کی درشتی ضرور پائی جاتی تھی پریما
بیچاری کا سر نیچا کئے کھڑی رو رہی تھی۔ شوہر کی ایک ایک بات اُسکے سینے
کے پار ہوئی جاتی تھی۔ سنتے سنتے کلیجہ مُنھ کو آگیا۔ آخر نہ ضبط ہو سکا۔ نہ رہا گیا
دان ناتھ کے پیرون پر گر پڑی اور گرم گرم اشکون کے قطرون نے انکو بھگا دیا۔
دان ناتھ نے فوراً پیر کھسکا لیا۔ پریما کو چارپائی پر بٹھا دیا اور بولے۔

پریا۔ دُرست تمھارے رونے سے میرے دلکو صدمہ ہوتا ہے۔ مین تمکو رلانا نہین چاہتا
مگر اُن باتونکو کہے بلا رہ بھی نہین سکتا جو اگر دلمین رہگئین تو نتیجہ برا ہوگا۔ کان کھولکر
سُنو مین تمکو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہون تمھاری آسایش کے لیے مین اپنی
جان نچھاور کرنیکے لیے حاضر ہون مین تمھارے ذرا سے اشارے پر اپنی کو صدقے
کر سکتا ہون۔ مگر تمکو سواے اپنے کسی اور کا خیال کرتے نہین دیکھ سکتا۔ سُنکر پریما اب مجھسے

اب یہ نہین دیکھا جا سکتا۔ ایک مہینے سے مجھکو اسی وقت ہو رہی ہے مگر اب دل پک گیا ہے۔ اب وہ ذرا سی ٹھیس بھی نہین برداشت کر سکتا اگر اس آگہی پر بھی تم اپنے دل پر قابو نہ پا سکو تو میرا کچھ قصور نہین بس اتنا کہے دیتا ہون کہ ایک عورت کے دو شوہر نہین زندہ رہ سکتے ؟

یہ کہتے ہوے بابو دان ناتھ غصے مین بھرے باہر چلے آئے۔ بیچاری پریا کو ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے کلیجے مین چھری ماردی اسکو آجتک کسی نے بھولکر بھی کوئی کڑی بات نہین سنائی تھی۔ اسکی بھاوج کبھی کبھی جلی کٹی دیا کرتی تھین مگر وہ ایسے سخت نہین معلوم ہوتے تھے۔ وہ گھنٹون روتی رہی۔ بعد ازان اسنے شوہر کی پیاری باتون کو سوچنا شروع کیا اور اسکے کانون مین یہ آخری الفاظ گونجنے لگے۔ ایک عورت کے دو شوہر زندہ نہین رہ سکتے

اسکا کیا مطلب ہے ؟

تیرھوان باب

چند حسرتناک سانحے

ہم پہلے کہہ چکے ہین کہ تمام تر دقت سے آزادی پانیکے بعد ایک ماہ تک پورنا نے بڑے چین سے بسر کی۔ رات دن چلے جاتے تھے کسی قسم کی فکر کی پرچھائین بھی نہ دکھائی دیتی تھی۔ ہان یہ تھا کہ جب بابو امرت راے کہیں چلے جاتے تو اکیلے اسکا جی بہت گھبراتا۔ پس اسنے ایک روز اُنسے کہا کہ اگر کوئی ہرج نہو تو رام کلی اور لچھمی کو اسی جگہ بلا لیجیے تاکہ اُنکی صحبت مین وقت کٹ جایا کرے۔ رام کلی کو ناظرین جانتے ہین لچھمی بھی ایک کایستھ کی لڑکی تھی اور گونے ہی کے دن بیوہ ہو گئی تھی ان دونون عورتون نے پورنا کی شادی ہو جانیکے بعد اپنی رضامندی سے دوسری شادیان کی تھین اور بابو امرت راے نے اُنکے لیے ایک مکان کرایہ پر لیا تھا اور اُنکے خانہ داری کے اخراجات کے متحمل بھی ہوتے تھے۔ بابو صاحب کو پورنا کی تجویز بہت اچھی معلوم ہوئی اور دوسرے

ہی دن رام کلی اور لچھمی اسی بنگلے کے ایک حصے مین ٹھہرا دیگئین۔ پورنا نے ان دونون عورتون کو شادی ہونیکے بعد نہ دیکھا تھا اب رام کلی کو دیکھا تو وہ پہچانی نہ جاتی تھی اور لچھمی نے بھی خوب رنگ روپ نکالے تھے۔ دونون عورتین پورنا کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگین۔ بابو صاحب کی تجویز تھی کہ ان عورتونکی تعلیم اچھی ہو جائے تو انا تھالے کی نگرانی انھین کے سپرد کردون۔ چنانچہ ایک ہنر مند لیڈی دوپہر کو آتی اور تینون کو شام تک پڑھایا کرتی۔ رام کلی اب بھی دلگی مین اپنی ساس کو کوسا کرتی تھی۔ ایک روز پورنا نے اس سے مسکرا کر پوچھا "کیون رمن آجکل مندر پوجا کرنے نہین جاتی ہو"

رام کلی نے جھینپ کر جواب دیا۔ سکھی تم بھی کہانکا ذکر لے بیٹھین اب تو مجھکو مندر کے نام سے بھی نفرت ہے"

لچھمی کو رام کلی کے پہلے حالات معلوم تھے۔ وہ اکثر اسکو چھیڑا کرتی اسوقت بھی نہ رہا گیا بول اٹھی۔

"ہان ہوا اب مندر کا ہیکو جاؤ گی اب تو ہنسنے بولنے کا سامان گھر ہی پہ موجود ہے"

رام کلی (ٹھنک کر) "تمسے کون بولتا ہے جو تمین زہر اگلتے ہین انکو منع کردو یہ ہماری باتو مین نہ دخل دیا کرین نہین تو مین بھی کبھی کچھ کہ بیٹھونگی تو روتی پھرینگی"

لچھمی (مسکرا کر) "مین نے جھوٹ تھوڑی ہی کہا تھا جو تکو ایسا کڑوا معلوم ہوا۔ سو اگر سچ بات کہنے مین ایسی گرم ہوتی ہو تو جھوٹ ہی بولا کرونگی۔ مگر ایک بات بتلا دو۔ مہنت جی نے منتر دیتے وقت تمہارے کان مین کیا کہا تھا ہماری بھتی کھاکے جو جھوٹھ ہوئے"

پورنا ہنسنے لگی مگر رام کلی روندھی ہو کر بولی "سنا لچھمی مجھسے شرارت کرو گی تو ٹھیک نہ ہوگا۔ مین جتنا طرح دیتی ہون۔ تم اتنا ہی سر چڑھی جاتی ہو آپ سے مطلب۔ مہنت نے میرے کان مین کچھ ہی کہا تھا۔ بڑی آئین وہان سے سیتا بن کے"

پورنا "لچھمی تم ہماری سکھی کو ناحق ستاتی ہو۔ جو بات پوچھنا ہو ذرا ملائمیت سے پوچھنا چاہیے۔ کیون"

ہان ہو! تم اُن سے نہ پوچھو۔ مجھکو بتلا دو۔ اُس تمبولی نے تمکو پان کھلاتے وقت کیا کہا تھا۔

رامکلی ۔ (بگڑکر) اب تمھین بھی چھیڑ خانی کی سوجھی۔ مین کچھ کہہ بیٹھونگی تو برا مان جاؤ گی۔"

اسیطرح تینون سکھیون مین ہنسی مذاق بولی ٹھولی ہوا کرتی تھی۔ ساتھ پڑھتین ساتھ ہوا کھانے جایا کرتین کئی مرتبہ گنگا اشنان کو گئین۔ مگر اُسی زنانے گھاٹ پر جو امرت سار اسے نے بنوایا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تینون بہنین ہین۔ انھین خوشیون مین ایک مہینہ گذر گیا۔ گویا وقت بھاگا جاتا تھا۔ مگر فلک نا ہنجار سے کسی کی خوشی کب دیکھی جاتی ہے۔ ایک روز پورنا اپنے سکھیوں کے ساتھ باغ مین ٹہل ٹہل کے گہنے بنانے کیلئے پھول چن رہی تھی کہ ایک عورت نے آکے اُسکے ہاتھ مین ایک خط دیا۔ پورنا نے حرف پہچانا پریما کا خط یہ لکھا ہوا تھا۔

پیاری پورنا۔ تم سے ملاقات کرنے کا بہت جی چاہتا ہے مگر یہان گھر سے باہر پاؤن نکالنے کی ممانعت ہے اسلیے مجبوراً یہ خط لکھتی ہون مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے جو خط مین نہین لکھ سکتی۔ اگر تم کسی معتبر عورت کو اس خط کا جواب دیکر بھیجو تو اُس سے زبانی کہدونگی۔ نہایت ضروری بات ہے

تمھاری سکھی پریما

خط پڑھتے ہی پریما کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اُسکو اس خط کی مختصر عبارت نہین معلوم کیون کھٹکنے لگی۔ فوراً بلو کو بلایا اور پریما کے خط کا جواب لکھکر اُدھر روانہ کیا۔ اور اُسکے واپس آنے مین آدھ گھنٹہ جو لگا وہ پورنا نے نہایت بے چینی سے کاٹا۔ نو بجتے بجتے بلو واپس آئی۔ چہرہ زرد۔ رنگ فق۔ بدحواس۔ پورنا نے اُسکو دیکھتے ہی پوچھا "کیون بلو! خیریت تو ہے؟"

بلو ۔ بیٹا! مجھو سے کیا کہون ہو کچھ کہتے نہین بنتا۔ نہ جانے ابھی کیا ہونیوالا ہے۔"

پورنا۔ (گھبراکر) "کیا کہا کچھ خط وط تو نہین دیا"
بلو۔ "خط کہان سے دیتین۔ ہمکو اندر بلاتے ڈرتی تھین دیکھتے ہی رونے لگین اور کہا بلو مین کیا کرون۔ میرا جی یہان بالکل نہین لگتا۔

مین اکثر پچھلی باتین یاد کرکے رویا کرتی ہون۔ ایک دن اُنھون نے (بابو دان ناتھ) مجھے روتے دیکھ لیا۔ بہت بگڑے بہت جھلائے اور چلتے وقت دھمکا کر کہا کہ ایک عورت کے دو چاہنے والے نہین زندہ رہ سکتے"

یہ کہکر بلو خاموش ہو گئی پورنا کے سمجھ مین پوری بات نہ آئی۔ اُسنے کہا ہان ہان خاموش کیون ہو گئین۔ جلدی کہو۔ میرا دم رُکا ہوا ہے۔ بلو نے روکر جواب دیا "بس اب اور کیا کہون۔ دان ناتھ کی نیت بُری ہے۔ وہ سمجھتے ہین کہ پورنا بابو امرت رائے کی محبت مین روتی ہے"

اتنا سننا تھا کہ پورنا پر ساری باتین روشن ہو گئین۔ پیر تلے سے مٹی نکل گئی کچھ غشی سی آ گئی۔ دونون سکھیان دوڑی ہوئی آئین اُسکو سنبھالا پوچھنے لگین کیا ہو گیا ہوا۔ پورنا نے بہانہ کرکے ٹال دیا۔ مگر یہ منحوس خبر اُسکے کلیجہ مین تیر کیطرح ترازو ہو گئی۔ ایشور سے دعا مانگنے لگی کہ آج کسیطرح وہ صحیح سلامت گھر آجاتے تو اُنسے سب باتین کہتی پھر خیال آیا کہ ابھی اُنسے کچھ کہنا مناسب نہین۔ گھبرا جائینگے۔ اسی حیص بیص مین پڑی تھی۔ شام کیوقت جب بابو امرت رائے حسب معمول کچہری سے آئے تو دیکھا کہ پورنا پستول لیے کھڑکی سے کسی چیز پر نشانہ لگا رہی ہے اُنکو دیکھتے ہی اُسنے پستول الگ رکھدیا امرت رائے نے ہنسکر کہا "شکار کیلئے نظرین کافی ہین۔ پستول پر مشق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"
پورنا نے اپنی سراسیمگی کو چھپایا اور بولی مجھے پستول چلانا سکھا دو۔ ہم نے دو تین بار چلایا مگر نشانہ ٹھیک نہین پڑتا"

بابو صاحب کو پورنا کے اس شوق پر اچنبھا ہوا۔ کہان تو روز اُنکو دیکھتے ہی سب دھندا چھوڑکر خدمت کرنے کے لیئے دوڑتی تھی اور کہان آج

پستول دھن سوار ہے مگر حسینون کے اندر ایسے کچھ نرالے ہوتے ہین یہ سوچکر اُسکو چلانا نہ آیا۔ اُسکے نے پستول کو ہاتھ مین لیا اور دو تین مرتبہ نشانہ لگا کر اُسکو چلانا سیکھ لیا۔ اور اب پورنا نے فیر کیا تو نشانہ ٹھیک پڑا دوسرا فیر کیا۔ وہ بھی ٹھیک۔ چہرہ خوشی سے چمک گیا۔ پستول رکھدیا اور شوہر کی خاطر و مدارات مین مصروف ہو گئی"

امرت راے "پیاری آج مین نے ایک نہایت ہوشیار مصور بلایا ہے جو تمھاری پورے قد کی تصویر بنائیگا۔

پورنا۔ میری تصویر کھنچا کر کیا کروگے"

امرت راے "کمرے مین لگاؤنگا"

پورنا۔ تم بھی میرے ساتھ بیٹھو"

امرت راے "آج تم اپنی تصویر کھنچوالو پھر دوسرے دن ہم دونون ساتھ بیٹھینگے"

پورنا تصویر کھنچانے کی تیاریان کرنے لگی۔ اسکی دونون سکھیان اُسکا بناؤ سنگار کرنے لگین مگر اُسکا دل آج بیٹھا جاتا تھا کسی نامعلوم حادثہ کا خوف اُسکے دل پر غالب ہوا جاتا تھا۔ چار بجے کے قریب مصور آیا اور ڈیڑھ گھنٹہ تک پورنا کے تصویر کا خاکہ کھینچتا رہا۔ اُسکے چلے جانیکے بعد پورنا نے پھر پستول اُٹھا لیا اور اکیلے اپنی کھڑکی سے نشانہ لگایا جب غروب آفتاب کے وقت بابو امرت راے حسب معمول سیر کے لیے جانے لگے تو پورنا نے پوچھا "کہان جارہے ہو؟"

امرت راے "ذرا سیر کر آؤن۔ دو چار صاحبون سے ملاقات کرنا ہے"

پورنا "پیارے ہاتھ پکڑ کر) آج میرے ساتھ باغ مین سیر کرو آج نہ جانے دونگی"

امرت راے "پیاری مین ابھی لوٹا آتا ہون دیر نہ ہوگی"

پورنا "نہین مین آج نہ جانے دونگی"

یہ کہکر پورنا نے شوہر کا ہاتھ پکڑکر کھینچ لیا۔ وہ یہ حال دیکھکر پھولی صدیر
بہت خوش ہوئے۔ گلے لگا کر کہا اچھا لو پیاری شوق سے نکلتے ہین دینگے۔
بڑی دیر تک پورنا اپنے پیارے پتی کے ہاتھ مین ہاتھ دیئے روشون
مین ٹہلتی رہی اور اُنکی پیاری پیاری باتون کو شوق سے اپنے کانون کو خوش کرتی
رہی۔ وہ بار بار چاہتی کہ اُنسے دان ناتھ کا سارا بھید کہہ دون مگر جب
سوچتی کہ انکو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔ جو کچھ سر پر آئیگی اُنکے خاطر سے مین
اکیلے بھگت لونگی۔

سیر کرنیکے بعد تھوڑی دیر تک سکھیون نے چند نغمے الاپے۔ بعد ازان
کئی صاحب ملاقات کے لیے آ گئے۔ اُن سے باتین ہونے لگین۔
اسی اثنا مین نو بجنے کو آ گئے۔ بابو صاحب نے کھانا کھایا اور اخبار لیکر
لیٹے اور پڑھتے پڑھتے سو گئے۔ مگر غریب پورنا کی آنکھون مین نیند
کہان۔ دس بجے تک وہ اُنکے سرہانے بیٹھی ایک قصہ کی کتاب پڑھتی
رہی۔ جب تمام کنبہ کے لوگ سو گئے اور چارون طرف سناٹا چھا گیا تو
اُسے اکیلے ڈر معلوم ہونے لگا۔ ڈرتے ہی ڈرتے وہ اُٹھی اور چارون طرف
کے دروازے بند کر دیے۔ جب ذرا اطمینان ہوا تو پنکھا لیکر شوہر کو جھلنے لگی
جوانی کی نیند ہزار ضبط کرنے پر بھی ایک جھپکی آ ہی گئی۔ مگر ایسا ڈراونا خواب دیکھا
کہ چونک پڑی۔ ہاتھ پاؤن تھر تھر کانپنے لگے۔ دل دھڑکنے لگا۔ بے اختیار
شوہر کا ہاتھ پکڑا کہ جگا دے مگر پھر یہ سمجھکر کہ اُنکی پیاری نیند اُچٹ جائیگی تو
اُنکو تکلیف ہوگی اُنکا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اب اسوقت اُسکی حالت ناگفتہ
بہ ہے چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ ڈری ہوئی نگاہون سے ادھر اُدھر تاک
رہی ہے۔ پتا بھی کھڑکتا ہے تو چونک پڑتی ہے۔ لیمپ مین شاید تیل نہین ہے اُسکی
دھندلی روشنی مین وہ سناٹا اور بھی خوفناک ہو رہا ہے۔ تصویرین جو دیوارون کی
زینت دے رہی ہین اُسوقت اُسکو گھورتی ہوئی معلوم ہوتی ہین۔

یکایک گھنٹے کی آواز کان مین آئی۔ گھڑی کی سوئیون پر نگاہ پڑی۔ بارہ
بجے تھے۔ وہ اُٹھی کہ لیمپ گل کر دے۔ دفعۃً اسکو کئی آدمیون کے پاؤن کی آہٹ

معلوم ہوئی - اُسکا دل بانسون اچھلنے لگا - جھٹ پستول ہاتھ مین لیلیا اور جبتک وہ بابو امرت رائے کو جگائے کہ وہ مضبوط دروازہ آپ ہی آپ کھلگیا اور کئی آدمی دھڑ دھڑاتے اندر گھس آئے پورنا نے فوراً پستول سر کیا - تڑاقے کی آواز آئی - اور اُس کے ساتھ ہی کچھ کھٹ پٹ کی آوازین بھی سنائی دین - دو آوازین پستول کے چھوٹنے کی اور ہوئین - پھر دھماکے کی آواز آئی - اتنے مین بابو امرت رائے چلائے دوڑو! دوڑو! چور! چور! اس آواز کے سنتے ہی دو آدمی اُنکی طرف لپکے مگر اتنے مین دروازے پر لالٹین کی روشنی نظر آئی - اور کئی سپاہی وردیان ڈالے کمرہ مین داخل ہوئے - چور بھاگنے لگے - مگر دو کے دونون پکڑے گئے سپاہیون نے لالٹین لیکر زمین پر دیکھا تو دو لاشین نظر آئین - ایک پورنا کی لاش تھی اُسکو دیکھتے ہی بابو امرت رائے ہائے! ہائے! کرکے گر پڑے اور بیہوش ہوگئے - دوسری لاش ایک مرد کی تھی سپاہیون نے غور سے دیکھا تو چونک کر بولے ارے! یہ تو بابو دان ناتھ ہین - سینہ مین گولی لگ گئی!!

خاتمہ

پورنا کو دنیا سے اُٹھے ایک برس بیت گیا ہے - شام کا وقت ہے ٹھنڈی روح پرور ہوا چل رہی ہے - سورج کی رخصتی نگاہین کھڑکی کے دروازون سے بابو امرت رائے کے آراستہ و پیراستہ کمرہ مین جاتی اور پورنا کے قد آدم تصویر کے قدمونکا چپکے سے بوسہ لیکر کھسک جاتے ہین - سارا کمرہ جھگمگا رہا ہے - رام کلی اور لکھمی جنکے چہرے اسوقت کھلے جاتے ہین کمرہ کی آرائش مین مصروف ہین - اور رہ رہ کر کھڑکی کے اوٹ سے تاکتی ہین - گویا کسی کی آمد کا انتظار کر رہی ہین - دفعتہ رام کلی نے خوش ہوکر کہا سکھی! وہ دیکھو! وہ آرہی ہین - اسوقت اُن کے لباس کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہین!!

ایک لحظہ مین ایک نہایت خوبصورت فٹن پھاٹک کے اندر داخل ہوئی اور برآمدہ مین آکر رکی اسمین سے بابو امرت رائے اُترے مگر تنہا نہین - اُنکا ایک ہاتھ پریما کے ہاتھ مین تھا - بابو امرت رائ

کا دجیہ چہرہ گو زرد تھا مگر اُسوقت ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسم نمایاں تھا۔ اور گلابی رنگ کی نوشیروانی اور دھانی رنگ کا بنارسی دوپٹہ اور نیلے کنارے کی ریشمی دھوتی اُسوقت انپر قیامت کا جوبن پیدا کر رہی تھی پیشانی پر زعفران کا ٹیکہ اور گلے مین خوبصورت ہار اس زیبائش کے اور بھی پریکا (دیو) پر یما حسن کی تصویر اور جوانی کی تصویر بنا رہی تھی۔ اُسکے چہرہ پر وہ زردی اور نقاہت۔ وہ پژمردگی اور خموشی نہ تھی جو پہلے پائی جاتی تھی بلکہ اُنکا گلابی رنگ جسکا گدرایا ہوا بدن اُسکا انوکھا بناؤ چناؤ اُسے نظروں مین کھپائے دیتے تھے چہرہ کندن کیطرح دمک رہا ہے۔ گلابی رنگ کی سبز حاشیہ کی ساڑی۔ اور اُودے رنگ کی کلائیوں پر چست کی ہوئی کرتی اسوقت غضب ڈھا رہی ہے۔ اُسپر ہاتھوں مین جڑاؤ کڑے سر پر آڑی رکھی ہوئی جھومر اور پاؤن مین زردوزی کام کی خوشنما جوتی اور بھی سونے مین سہاگہ ہو رہا ہے۔ اس وضع اور اس بناوٹ نے بابو صاحب کو خاص الخاص حیرت مین ڈالدیا کیونکہ پورنا کی تصویر بھی یہی لباس پہنے دکھائی دیتی ہے اور نظر اول مین کوئی مشکل سے کہہ سکتا ہے کہ اسوقت پریما ہی کی صورت منعکس ہو کر آئینہ مین پورنا کی جھلک نہین دکھا رہی ہے۔

بابو امرت رائے نے پریما کو اُس کرسی پر بٹھا دیا جو خاص اسی لیے بڑے تکلف سے سجائی گئی تھی اور مسکرا کر بولے "پیاری پریما۔ آج میری زندگی کا سب سے مبارک دن ہے"

پریما نے پورنا کی تصویر کی طرف حسرت آلود نگاہوں سے دیکھکر کہا "ہماری زندگی کا کیون نہین کہتے"

پریما نے یہ جواب دیا ہی تھا کہ اُسکی نظر ایک سُرخ چیز پر جا پڑی جو پورنا کی تصویر کے نیچے ایک خوبصورت دیوارگیری پر دھری ہوئی تھی۔ اُسنے فرط شوق سے اُسے ہاتھ مین لے لیا۔ دیکھا تو پستول تھا۔

بابو امرت رائے نے بھری ہوئی آواز مین کہا۔ "یہ پیاری پورنا کی آخری یادگار ہے اُس دیوی کی اُسی سے میری جان بچائی گئی تھی"

یہ کہتے کہتے آواز کانپنے لگی اور آنکھوں مین آنسو ڈبڈبا آئے"

یہ سُنکر پریما نے اُس پستول کا بوسہ لیا اور پھر بڑے ادب کے ساتھ اُسکو اُسی مقام پر رکھدیا"

تمام شد



سب سے بڑے خون ریز و خون آشام مگر شریف الطبع ڈاکو کی مختصر و
تعجب خیز ڈاکہ زنی کے حالات اور بہادر و چالاک جاسوس کی
معرکہ آرا جاسوسیاں دلچسپ عنوان سے ضبط تحریر میں آئی ہیں۔

مولفہ

مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

تصانیف و تراجم مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

(۱) ظالم عشاق
(۲) انجم و گنجہ
(۳) غمگین عاشق
(۴) نرالا عاشق
(۵) مظلوم لڑکی
(۶) جنگ طرابلس
(۷) محل خانۂ شاہی
(۸) بسنتی دیوی
(۹) خریدارِ حسن
(۱۰) بنگالی جاسوس
(۱۱) بے زبان دوست
(۱۲) نازنینِ پریں
(۱۳) سرلا دیوی
(۱۴) اعجازِ محبت
(۱۵) ظریف الطبع
(۱۶) فطرتی جاسوس
(۱۷) سراغ رسان عاشق
(۱۸) امریکن جاسوس
(۱۹) انجامِ عشق (مثنوی)
(۲۰) دو آتشہ اردو (مثنوی)
(۲۱) انگریز ڈاکو
(۲۲) بہار جاوید (تذکرہ)
(۲۳) گلشن سخن (ابتدائی کلام)
(۲۴) خوفناک سازش
(۲۵) خوفناک انتقام
(۲۶) خوفناک قتل۔
(۲۷) خوفناک دوست
(۲۸) خونی آقا
(۲۹) بحری لاش
(۳۰) باب جنان (توجیحات)
(۳۱) لاڈو بیگم
(۳۲) کلام خنجر (دیوان)
(۳۳) مناجات
(۳۴) مناقب
(۳۵) خونی بھائی
(۳۶) خوش نصیب قاتل
(۳۷) امریکن نازنین
(۳۸) چالاک چور
(۳۹) خوش نصیب لڑکی۔
(۴۰) خونی رقیب
(۴۱) عروسِ جاسوس
(۴۲) خدائی لاٹھی
(۴۳) طائر شب
(۴۴) بہار سخن (مجموعۂ غزلیات)

۷۸۶

"خوفناک ڈاکو"

۱

"ہوٹل"

قصبہ نیومارکٹ کا کارونیشن ہوٹل بہ لحاظ قدامت و وسعت، اور بخیال آسائش و راحت بہت مشہور تھا، موسم بہار میں جب ولایتی اُمرا شہری زندگی سے اُکتا کر دیہات و قصبات کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے تفریح حاصل کرنے کا قصد کر کے نیومارکٹ آتے تو اُن کی ضروریات زندگی اور عیش و آرام کے لئے یہی ایک ہوٹل تھا جو کافی سمجھا جاتا، آڈر دینے پر ہر قسم کی لطیف و خوش ذائقہ غذائیں تیار کرنے کو اچھے اچھے باورچی ملازم تھے، فرنیچر بھی کافی مقدار میں تھا۔ نسبتاً اور ہوٹلوں سے وسیع اور شاندار، کمرے صاف ستھرے ہوادار، گاڑی گھوڑے رکھنے کے اصطبل، الغرض وہ تمام چیزیں جو انگلستان کے شوقین طبع امیروں کے لئے لازمی تھیں، اس ہوٹل میں پائی جاتی تھیں اور یہی خصوصیت تھی جس نے کارونیشن ہوٹل کو اپنے رقیب ہوٹلوں پر نمایاں امتیاز دے رکھا تھا۔

جس طرح کارونیشن ہوٹل دوسرے ہوٹلوں پر فوق رکھتا تھا، اسی طرح نیومارکٹ، قصبہ بھی قرب جوار اور گاؤں سے بہتر خیال کیا جاتا تھا۔ فصل بہار میں یہاں کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور صحت بخش ہوتی تھی، قدرتی مناظر کی کمی نہ تھی۔ ایک طرف ہرے بھرے شاداب کھیت باد بہاری کی چھیڑ چھاڑ سے لہراتے دکھائی دیتے تھے تو دوسری طرف صاف وشفاف ندیاں ترنم حال نواز کر [illegible]

اداسے بہتی نظر آتی تھی اُس کی چھوٹی چھوٹی نازک لہریں لبِ معشوق کی طرح مُسکراتی معلوم ہوتی تھیں۔ ایک طرف سبز سبز صحرا اپنی کیفیت سے لُبھاتا تھا تو اس کے سامنے چھوٹی چھوٹی گُل پوش پہاڑیاں ناظرین کی للچائی نظروں کو اپنے منظر میں جذب کرنے کو تیار تھیں۔ لُطف تو یہ ہے، باوجود ان حسین و باکیف مناظر کے قصبہ کے اندر شہریت بھی پائی جاتی تھی۔ بازاریں بھی تھیں اور مکانات بھی، کھیل تماشے بھی سیزن کے موقعہ پر جمع ہو جایا کرتے تھے، ریس کورس بھی بنایا گیا تھا جہاں شہسواران یورپ اپنے اپنے گھوڑوں کو دَوڑا کر لاکھوں کی ہار جیت کرنے کے علاوہ اپنے اپنے گھوڑوں کی صبا رفتاری پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے۔

سیزن کے زمانے میں قصبہ اپنی حالت سے ترقی کر کے چھوٹا سا شہر بن جایا کرتا تھا۔ مکانات، سرائیں، ہوٹل، مسافروں اور سیاحوں سے بھر جاتے تھے خصوصاً کارونیشن ہوٹل میں تو تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی تھی، حتیٰ کہ ہوٹل کی وہ ملازمہ عورتیں، جو حسن ظاہری اور پُر فریب اداؤں سے عاشق تن نوجوانوں کو پھانس پھونس کر ہوٹل لاتیں اور متواتر فرمائشات ٹھونک کر اُن کے پاکٹ خالی کرایا کرتی تھیں، وہ تک تنگ و تاریک کوٹھریوں میں شب گذاری پر مجبور ہوتی تھیں۔ پھر اُن غریبوں کا کیا ذکر جو ادنیٰ اور ذلیل خدمتوں پر معمور تھے، وہ تو کبھی اصطبل میں پڑے ہوئے گھوڑوں کی لید کی بُو سونگھتے تھے اور کبھی میدان میں قدرت کے بچھائے ہوئے فرش زمردیں پر لیٹ کر رات کاٹ دیا کرتے تھے۔

یہ فصل بھی وہی ہے جب نیو مارکٹ اپنی آغوش میں یورپ کے مختلف ملکوں، مختلف پارٹیوں، اور مختلف طبقوں کے لوگوں کو لے کر اترا آتا ہے۔ مکانات، سرائیں، ہوٹل، مسافروں سے کھچا کھچ بھرے پڑے ہیں، جن کم نصیبوں کو آنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ انھیں قیام کرنے کو ٹھکانا نہیں ملتا! ہر چند مقررہ نرخ سے دہ چند کرایہ ادا کرنے کو تیار ہیں! وہ کوٹھریاں! جنھیں کوئی ذی حس انسان اپنے قیام کے واسطے مجبوراً بھی انتخاب کرنے سے انکار کر دیگا۔ اس وقت لوگوں کو خواہش کرنے سے نہیں ملتیں!!

کارونیشن ہوٹل قصبہ کے ایک کنارے چوڑی سڑک کے پاس واقع ہوا تھا، یہ سڑک لندن سے چل کر نیو مارکٹ اور نیو مارکٹ سے بڑھ کر سیدھی ناروچ چلی گئی تھی۔

جس زمانے کا ذکر قلم بند کیا جا رہا ہے، وہ زمانہ آج کی طرح ترقی یافتہ نہ تھا، نہ تو موٹر عالم وجود میں رونما ہوئے تھے نہ مصنوعات جدیدہ میں سے اکثر چیزیں صورت پذیر ہوئی تھیں۔ ریل نکل چکی تھی، لیکن اس قدر کمی کے ساتھ کہ عدم و وجود برابر تھا! اس کی لائنیں مکڑی کے جال کی طرح زمینوں پر نہ پھیلی تھیں، اس لئے اگلے طریقوں پر استفادہ عمل پذیر ہوتے تھے۔ چونکہ اہل یورپ منزل ترقی کی جانب گام فرسا ہو چکے تھے اس لئے انھوں نے ڈاک کا سلسلہ قائم کر لیا تھا۔ جنھیں اپنے طور پر شکرم رکھ سکتے

ہیں۔ ان کا یہ قاعدہ تھا کہ دس دس بارہ بارہ میل کے فاصلہ پر چوکیاں بنی تھیں جہاں گھوڑے بدلے جاتے تھے، اور رات دن میں کوئی وقت سفر سے خالی نہ تھا۔ شہر میں رات کو بھی بدستور اپنا سفر جاری رکھتی تھیں، اُن کے سفر کے اوقات مقرر تھے، گھوڑوں کی رفتار کے لحاظ سے ہر مقام پر پہنچنے کا ٹائم تعین کر دیا گیا تھا۔ کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے میں اتنا عرصہ لگے گا۔ اور وقت شناس کارکن وقت کی قدر و قیمت جان کر بغیر کسی اتفاقیہ حادثے میں مبتلا ہونے کے کبھی تاخیر روا نہ رکھتے تھے۔ ٹھیک وقت پر ایک چوکی سے روانہ ہو کر صحیح ٹائم پر دوسری چوکی پر مسافروں کو پہنچا دیتے۔ علیٰ ہذالقیاس اسی طرح سفر کرنے والے ہر جگہ کا اندازہ کر لیتے تھے کہ انھیں منزل مقصود تک پہنچنے میں کتنا وقت صرف ہو گا؟ جس طرح ریلوے میں، ڈاک، اور پسنجر کا فرق رکھا گیا ہے، اسی طرح جب بھی فرق تھا۔ یعنے اُمرا کے واسطے خاص گاڑیاں تھیں، جن میں چار قوی تن اور برق رفتار گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ اُن گاڑیوں پر سفر کرنے والوں کو دُونا کرایہ ادا کرنا ہوتا تھا، دوسری گاڑیاں جو متوسطین اور غربا کے لئے مخصوص تھیں اُن میں صرف دو گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ بعض نواب ان گاڑیوں پر سفر کرنا عار تصور کرتے تھے اور بجائے تاجروں کی گاڑیوں کے اپنی ذاتی گاڑیوں پر سفر کرنا پسند کرتے تھے، وہ سفر سے ایک یوم پیشتر چوکیوں پر اپنے گھوڑے روانہ کر دیتے تھے جو کرایہ ادا کرنے پر اصطبل میں بحفاظت باندھ دئے جاتے تھے اور جب اُن کا مالک چوکی پر پہنچتا تو تھکے ہوئے گھوڑوں کو وہاں چھوڑ کر تازہ دم گھوڑے جوت کر آگے بڑھتا تھا۔ خطوط کے واسطے بھی خاص طور پر انتظام تھا اور روزمرہ انھیں شکرموں پر ڈاک آیا جایا کرتی تھی۔ اکثر گورنمنٹ کے احکام بھی انھیں شکرموں پر جایا کرتے تھے کیونکہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر احکام منتقل کرنے کا اس طریقے کے سوا کوئی اور طریقہ نہ تھا۔

جو گاڑیاں لندن سے روانہ ہو کر ناروچ جایا کرتی تھیں، وہ کارونیشن ہوٹل کے سامنے آکر رکتی تھیں، اور منزل کے تھکے ماندے گھوڑے کھول کر تازہ دم گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ مسافروں کو رات کا کھانا بھی یہیں کھانا پڑتا تھا۔ جو اکثر کارونیشن ہوٹل سے ملتا تھا۔ شاذ ہی کوئی ایسا ہو جو کسی اور جگہ جانے کی تکلیف اُٹھاتا ہو کیونکہ ہوٹل کے واقف کار منیجر نے اپنے یہاں اُن کھانوں کا بھی انتظام کر رکھا تھا جو بہت تھوڑی قیمت میں غریبوں کی شکم پُری کر سکتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ روزانہ سائیس اور ڈاک کے منتظم وقت سے پانچ منٹ پہلے کُل سامانوں سے درست ہو کر ہوٹل کے سامنے والی سڑک پر آکر کھڑے ہو جایا کرتے تھے، کیونکہ ڈاک کا بڈھا اور تجربہ کار کوچوان وقت کا سختی سے پابند تھا، اس کی پابندی نے خاصی شہرت حاصل کر لی تھی اور اکثر قصباتی متوطنین

اند پر اپنی گھڑیوں کو درست کرنے کے عادی تھے، کوچوان میں جہاں پابندئی وقت کی خوبی تھی وہاں
لسُول گوئی کا ناقابل علاج مرض بھی تھا جس سے بعض بعض نازک دماغ حضرات اس کی گاڑی پر
سفر کرنے سے احتراز کرتے تھے، چونکہ کوچوان نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں صرف کر دیا تھا
اس لئے مسافروں سے راہ میں اپنے چشم دید واقعات بڑے مبالغے کے ساتھ بیان کرتا رہتا تھا، واقعات
بیان کرنے کے پہلے طول وطویل تمہید ہوتی تھی اس کے بعد مختصر سا واقعہ بھی لمبے چوڑے الفاظ میں ذکر کیا
جاتا تھا۔

اسوقت بھی کارونیشن ہوٹل کے سامنے چند سائیس ساز پڑے ہوئے گھوڑوں کی باگ ڈوریں ہاتھوں
میں لیے ٹہل رہے ہیں اُن کے ساتھ اُن کا ایک افسر بھی ہے جس کے ہاتھ میں پُرانی وضع کا ہنٹر ہے،
یہ لوگ ٹہل ٹہل کر ڈاک کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، خلاف معمول آج ڈاک کے آنے میں تاخیر ہوگئی
ہے، جو وقت اس کے پہونچنے کا مقرر تھا اس سے چند منٹ زیادہ گذر چکے تھے لیکن اب تک دُور سے
گاڑی کی پرچھائیں بھی نظر نہ آتی تھی!

مارچ کی ابتدائی تاریخیں تھیں، سقف نیلی پر اودی اودی گھٹائیں رخش ہوا کی پشت پر سوار ہو کر
ادہر سے اُدہر، اُدہر سے ادہر دوڑتی پھرتی تھیں، یورپی ولائتوں میں یہی فصل بہار کی ابتدا سمجھی جاتی
ہے، تفرج گاہیں اور مقامات تفریح زندہ دل ہستیوں سے بھرے رہتے ہیں، موسم سرما میں جہاں برف
کے انبار نظر آتے تھے اس فصل میں وہاں دھوئی دھائی سبزہ پوش زمین نمودار ہو جاتی ہے، جس کے
سبزہ خوابیدہ کو حسینان یورپ اپنے پائے اعجاز نما سے روندتے اور پامال کرتے پھرتے ہیں علی الخصوص
قصبہ نیو مارکیٹ میں گھوڑدوڑ کا یہی زمانہ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ارل کونٹ و لارڈ اپنے اپنے گھوڑے دوڑاتے
ہیں۔ عام خلقت ان دوڑوں میں شریک ہو کر اپنے ذوق و شوق کی داد دیتی ہے، چنانچہ قرب وجوار
کے شوقین اطبع کھیلنے والے اور محض تماشائی کثرت سے نیو مارکٹ میں جمع ہوگئے ہیں۔ اگرچہ قصبہ
میں رہنے کی گنجائش باقی نہیں تاہم ریس کے شیدائی چھولداریاں اور خیمہ باربرداری کے جانوروں پر لدوا
لدوا کر آتے اور میدانوں میں بستے جاتے ہیں، آمد کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ ہر ڈاک سے چار چھ سواریاں
ایسی اُترتی ہیں جن کا مقصد سفر محض تفریح اور گھوڑدوڑ کی شرکت ہوتا ہے، جب ڈاک گاڑی کے آنے
میں تاخیر ہوئی تو ایک سائیس نے لندن کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج ڈاک لیٹ ہوگئی ہے، ۱۵ منٹ وقت سے زیادہ گذر گئے، لیٹ نہ ہوتی تو اب تک نیو مارکٹ
پہنچ گئی ہوتی۔" دوسرے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ سوچکر سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

وہاں ابہت لیٹ ہے۔ بوڑھا کوچوان سختی سے وقت کا پابند ہے، وہ کبھی بلا وجہ اتنی تاخیر نہیں کرتا۔ ... کئی بار ہا معائنہ کیا ہے جہاں گھنٹہ گھر نہیں ہوتے وہاں والے اس کی آمد سے اپنی اپنی گھڑیاں صحیح کرتے ہیں!"

گولڈ ہیلتھ نامی ایک ضعیف العمر شخص ڈاک کا ڈرائیور تھا۔ وہ اپنے فرائض کو بحسن و خوبی خاص اصول و قاعدے سے انجام دینے کا عادی تھا۔ یہ تو پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ اکثر ولایتوں کو سیاحت نے اسے انتہا کا گپی بنا دیا تھا۔ بعض بعض مرتبہ تو ایسی بعید القیاس باتیں سناتا گویا طلسم ہوشربا کی کوئی داستان بیان کر رہا ہے؟ سلسلہ تقریر ایسا لچھے دار ہوتا جیسے الف لیلہ کی مسلسل کہانیاں! ندی، پہاڑ، جھرنے، جنگل، وادی، طوفان، برق و باد، ریگستان وغیرہم کے واقعات جب بیان کرنے پر آ جاتا تو معلوم ہوتا آنکھوں کے سامنے تصویر کھینچ رہا ہے۔ تاہم انداز بیان عجیب واقع ہوا تھا، اگر سچ بھی کہتا تو سننے والے غلط ہی خیال کرتے! کبھی کبھی وہ اپنے اسفار کے اُن واقعات کا تذکرہ نہایت فخر و مباہات سے کرتا کہ فلاں صحرائے لق و دق میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں دَل دَل تھی جس میں میری گاڑی اتفاقیہ طور پر پھنس گئی۔ میں نے ذرا سی فکر میں یوں تدبیر نکالی اور اس طرح دَل دَل سے گاڑی نکال کر اپنی سواریوں کی جان بچائی! کبھی بجلی گرنے کے واقعات گاہ طوفان باد و باراں میں گاڑی کے اُلٹنے اور چوٹ آنے کے قصے رنگین الفاظ میں دوہرا کر وقت بسر کرتا تھا، خاص لوگوں کے علاوہ ہر سفر کرنے والا گولڈ ہیلتھ سے نہایت خوش تھا۔ کیونکہ اس کی بحر رواں کی طرح نہ تھمنے والی تقریر اس وقت تک تمام نہ ہوتی، جب تک ڈاک منزل پر پہنچ کر رُک نہ جاتی!"

ڈاک میں گولڈ ہیلتھ کوچوان کے علاوہ کمپنی کی طرف سے ہارلی نام ایک محافظ بھی رہتا تھا۔ گاڑی کی حفاظت اور مسافروں کے آرام کی تدبیریں اس کے فرائض میں داخل تھیں، شکرم ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن کی طرف ہارلی کی اجازت سے روانہ ہوتی تھی، راستے میں بھی کسی ضرورت پیش آنے پر شکرم کو روک لینے کا اختیار ہارلی کو حاصل تھا، مسافروں کو راہ میں جس چیز کی ضرورت یا جس بات کی تکلیف محسوس ہوتی تھی تو وہ اپنے شکایات یا حاجات ہارلی کے روبرو پیش کرتے تھے اور وہ بخندہ پیشانی اُن کا تدارک کرتا تھا۔ چونکہ راہ میں اکثر چوری ڈکیتی کا خوف رہتا تھا اس لئے ہارلی کے پاس اسلحہ اور کئی کئی پستول گولیوں سے بھرے ہوئے ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔"

رفتہ رفتہ آفتاب عالم تاب اپنی تابناک شعاعیں مرغ زریں بال کی طرح سمیٹ کر آشیانہ مغرب میں جا بیٹھا۔ شام کی سہانی تاریکی پہاڑوں کی چوٹیوں اور سربلند درختوں کی پھنگیوں سے اُترتی ہوئی،

...اؤں، میدانوں اور ندیوں کی سطح پر پھیل گئی تھی۔ اگرچہ اکثر عافیت نشین لوگوں کی نگاہوں میں یہ وقت نہایت سہانا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو بستیوں سے دور کف دست میدانوں، یا گنجان جنگلوں میں رواروی کرتے منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں ان کے واسطے یہ وقت انتہا کا مایوس کن ثابت ہوتا ہے۔"

نیو مارکٹ کی بازاروں میں چراغ روشن ہو گئے، شیطان کی آنت کی طرح لندن سے آنے والی سڑک بالکل تاریک ہو گئی، اب تک شکرم کا پتہ نہیں! جو لوگ شکرم کے منتظر تھے ان کے قلوب کو طرح طرح کے اوہام اور وسوسوں نے گھیر لیا، انھوں نے خیال کیا۔

"کوئی نہ کوئی واقعہ تو ضروری پیش آیا ہے جو اتنی تاخیر ہوئی!"

۲

"وجہ تاخیر"

لوگوں کا وہم فی الحقیقت بے جا نہ تھا، ان دنوں نارمنڈ نامی ایک قوی ہیکل انگریز نے پیشہ رہزنی اختیار کر لیا تھا۔ اس کی خون آشام کارروائیوں نے انگلینڈ خاص اور ممالک یورپ کو ہلا دیا تھا کوئی دل ایسا نظر نہ آتا تھا جو نارمنڈ کی ہیبت و جبروت سے خالی ہو۔ اس نے ہزار دل ہستیوں کا خون اپنی تلوار سے بہا کر یورپ کی زمین پر خونی گل کاریاں کی تھیں، وہاں کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ اس کی سخت گیریوں اور بے رحمیوں کا آئینہ دار تھا۔ اس زمانے کے نامی نامی سراغ رساں اور شجیع الملک ابن ابلیس نارمنڈ کی گرفتاری کا بیڑا اٹھا کر عرصہ تک جنگلوں اور صحراؤں میں خراب و خستہ پھرا کئے، بہت کم نصیب تو ایسے تھے جو میدان جستجو میں قدم رکھتے ہی کتوں کی موت قتل کر دیے گئے، جن کی رسی دراز تھی وہ ناکامیوں سے تنگ ہو کر بیٹھ رہے۔ سنا جاتا ہے بعضوں نے دھوکے دھڑی میں نارمنڈ کو گرفتار کر کے قانون کے حوالے بھی کر دیا لیکن اس کے قبل کہ عدالت سے اس کی قسمت کا فیصلہ جاری ہو، نارمنڈ حوالات یا جیل سے نکل بھاگا، دو چار مرتبہ کے بعد حکومت کی طرف سے سخت و شدید انتظامات ہوئے لیکن جس طرح آب رواں کا روکنا دشوار تھا اسی طرح نارمنڈ کا حوالات کی کوٹھری میں ٹھیرنا مشکل!"

رفتہ رفتہ اس کی قوت ترقی کرنے لگی اور اس زمانے میں جس کا ذکر حوالۂ قلم ہو رہا ہے اس قدر طاقت

بڑھ گئی تھی کہ حکومت تک کو مشکلیں آپڑی تھیں، اطراف یورپ میں نارمنڈ کے ماتحت پھیلے ہوئے تھے جو نوں دن فتنے برپا کرتے رہتے تھے، راہیں مخدوش ہوگئی تھیں عوام سفر کرتے ڈرتے تھے، اُمرا بھی اُسی وقت کہیں جانے کی جرأت کرسکتے تھے جب اُن کے ساتھ خادموں کی کافی مقدار ہو اور آلات حرب و ضرب معقول تعداد میں ہوں، ورنہ اکیلے دوکیلے سفر کرنا گویا آپ کو شیر کے بھٹ میں لے جانا تھا"

نارمنڈ کے ڈاکو یا راہزن ہونے میں کلام نہیں، بظاہر یہ پیشہ قلوب کو پتھر سے زیادہ سخت کردیتا ہے لیکن نارمنڈ اس خصوصیت سے مطلقاً آزاد تھا، اس نے کبھی کسی غریب پر ہاتھ نہیں اُٹھایا نہ کمزور سے تعرض کیا۔ البتہ اُمرا اس کے اصلی شکار تھے جنھیں خالی چھوڑ دینا اس کی طبیعت کو ناگزیر تھا۔ اُس کا خیال تھا، یہ غرور کے پتلے ہرگز قابل رحم نہیں ہوسکتے۔ یہ لوگ غریبوں کی محنت سے فائدے اُٹھاتے اور اُن سے کام لے کر شان و شوکت دکھاتے ہیں، جاڑوں کے زمانے میں خود تو سنگین عمارتوں کے آتش خانوں میں مخملی اور اونی لبادوں میں آسائش کرتے ہیں لیکن جن مفلوک الحال خلقت کے زور بازو سے مستفید ہوتے ہیں، ان کی خبر تک نہیں لیتے! وہ خدا کی بیاری ہستیاں اس عالم میں جبکہ برف کثرت سے گرتی ہوتی ہے پُرانے جھونپڑوں میں جو غریبوں کی ستر پوشی کو بھی کافی نہیں چہ جائے کہ سردی سے تحفظ کرسکے کھلے میدانوں میں، سرد ہوا کے تیر کھا کھا کر زندگی کے دن گذارنے پر مجبور ہوئے ہیں جس وقت جھونپڑے میں ان کے معصوم بچے شدت بھوک سے بلک بلک کر اپنے والدین سے غذا طلب کرتے ہوتے ہیں ٹھیک اسی گھڑی یہ خود پسند و راحت طلب لمبے لمبے دسترخوانوں پر لطیف و مرغن غذائیں، چٹخاریں لے لے کر کھاتے ہوتے ہیں ان کے گرد خوشامدیوں کا جم غفیر ہوتا ہے جو ایک ایک نوالہ ایک ایک لقمہ پر تعریفوں کی بوچھار کردیتا ہے اور یہ خوشامد طلب پھولے نہیں سماتے! کیا ان بے رحمیوں اور مظالم کے بعد بھی ایسے انسان نما حیوان کسی رحم و مہربانی کے مستحق سمجھے جاسکتے ہیں؟"

یہی وجہ تھی کہ اُسے اُمرا سے سخت دشمنی اور نفرت پیدا ہوگئی تھی اور وہ چُن چُن کر ایسے لوگوں کو زک دینے اور نقصان پہنچانے میں سرگرم کار تھا۔ مُفلسوں، ناداروں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت شریفانہ تھا، اکثر ان کے مدد کا شریک ہوتا جسے قابل امداد سمجھتا سخنے قدمے درمے شریک ہوتا۔ اُن کے اموال کی نگرانی فرض سمجھتا، بارہا ایسا ہوا کہ امیروں کے ساتھ غلطی سے غریبوں کا مال بھی کٹ گیا لیکن نارمنڈ نے مطلع ہوتے ہی فوراً اُن کا مال معہ کچھ اضافہ کے واپس کردیا"

یہ ایسے اسباب تھے جنھوں نے اعلیٰ طبقہ میں نارمنڈ کو نہایت پر ہیبت بنا رکھا تھا، کوئی جلسہ کوئی محفل، حتیٰ کہ کوئی صحبت اس کے ذکر و اذکار سے خالی نہ تھی، جہاں دو بڑے آدمی بھی ایک جگہ بیٹھے

نارمنڈ کی حیرت انگیز باتیں بیان ہونے لگیں، کوئی شک نہیں کہ نارمنڈ نے اپنے عہد میں نپولین اعظم کی سی تیزدستی اور چالاکی کا نمونہ پیش کر دیا تھا۔ عجب نہیں جو بعد میں نپولین نے اسی مشہور ڈاکو کے حالات زندگی سے سبق حاصل کرنے کے بعد اس کی پیروی کر کے دنیا کو غرق حیرت کر دیا، جس طرح نارمنڈ برقی سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو جایا کرتا تھا بعینہ نپولین نے بھی وہی اصول اختیار کیا تھا۔ اور دونوں میں فرق تھا تو اتنا کہ ایک بادشاہی حیثیت سے ہمسایہ سلطنتوں اور ریاستوں پر حملہ ور ہو کر انھیں محکوم بنانے کی کوشش کرتا تھا اور دوسرا خلاف اصول فطرت دوسروں کا مال بزور قوت اپنے قبضہ میں لاتا تھا۔ اگر دونوں کا تقابل کیا جائے تو نارمنڈ میں صفت رحم اور غریب پروری ایسا بہتر وصف نظر آنے لگتا جو نپولین میں نام کو نہ تھا۔ بہرنوع نارمنڈ کی شخصیت کسی حیثیت سے سہی تاہم یورپ والوں کو بجبر و اکراہ تسلیم کرنا پڑی۔ اور سب نے مان لیا کہ وہ تنہا ایسا شخص ہے جس پر حکومتوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا!"

نارمنڈ اپنے تین چار مخصوص ماتحتوں کے ساتھ یورپ کی غیر آباد سڑکوں، صحراؤں، اور پہاڑیوں میں رات دن گشت لگاتا رہتا اور نئے نئے شکاروں کو قبضہ میں لاتا تھا، اس کے جاں باز و سرفروش ساتھی سایہ کی طرح اس کے ساتھ لگے رہتے اور اشاروں پر کام کرتے تھے۔

جن دنوں نارمنڈ اپنے رعب و جلال کا سکہ جما چکا تھا، اسی زمانے میں یورپ کی سرزمین پر ایک شخص اور بھی پیدا ہو چکا تھا جس نے اس بہادر ڈاکو کی گرفتاری کا بیڑا اٹھایا تھا، وہ انگلینڈ کی خفیہ پولیس میں بحیثیت سب انسپکٹر کے کام کرتا تھا اور اسمتھ ارتھر نام تھا، اگرچہ اپنے بہت سے تجربے کار جاسوسوں کو نارمنڈ یا اس کے ہمراہیوں کے ہاتھوں خاک و خون میں لوٹتے دیکھا اور سنا تھا مگر اپنے ارادے کو کمزور نہ ہونے دیا تھا، کوئی گھڑی کوئی لمحہ خیال سے خالی نہ رہتا تھا، کئی مرتبہ نارمنڈ سے دوبدو مقابلہ ہوا اور بدقسمتی سے ہر مرتبہ اسمتھ ارتھر کو زک اٹھا کر پسپا ہونا پڑا! لیکن ان وقتی شکستوں نے ہمت و استقلال میں کوئی فرق نہ پڑنے دیا۔ کئی مرتبہ بطور تنبیہ نارمنڈ نے اسے مجروح کر کے چھوڑ دیا۔ کئی مرتبہ زدوکوب کر کے درختوں سے باندھ دیا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اسمتھ ارتھر کے عزائم لازوال تھے، اُس میں نہ جانے کہاں کا استقلال پیدا ہو گیا تھا؟ کوئی بات بھی میدان ثبات سے اس کے قدموں کو نہ ڈگا سکی، بالآخر نارمنڈ کو اس کی دلیری ماننا پڑی، بعض موقعوں پر اس نے صاف لفظوں میں اسمتھ ارتھر کی بہادری و استقلال کا اعتراف کیا! یہ واقعات تھے جو ہمارا قصہ شروع ہونے کے پیشتر وقوع پذیر ہو کر اس عہد کے ناظرینوں کو متضاد خیالات امید و بیم میں مبتلا کر چکے تھے!!

جس وقت نیو مارکٹ میں ہوٹل کے سامنے کھڑے ہوئے سائیس شکرم کے متعلق مختلف اوہام اور وسوسوں

میں مبتلا تھے، ٹھیک اسی وقت ایک نوجوان وخوش رو خادمہ ہوٹل سے نکلکر ان کے پاس آئی اور ایک کو مخاطب بناکر دریافت کیا۔
"ڈاک گاری کہاں ہے؟
سائیس تو شکرم کی جستجو میں ایسے غرق تھے کہ خادمہ کے سوال کو سمجھنا تو درکنار سنا تک نہیں لیکن اُن کا افسر جو اپنے کو ہمیشہ لئے دئے رہتا اور اکثر سے ممتاز ثابت کرنے کی کوشش کرتا، خادمہ سے معمولی طور پر مخاطب ہوکر بولا۔
"شکرم اب تک یہاں نہیں پہنچی! معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آیا؟ مجھے اندیشہ ہے، کہیں نارمنڈ یا اُسکے گروہ والوں سے تو مڈبھیڑ نہیں ہوگئی؟"
خادمہ سن سے ہوگئی، وہ سن وسال میں بیس بائیس سال سے زیادہ نہ تھی، یورپ میں یہ زمانہ نہایت فراغ بالی اور بے خبری کا ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو بجز نازو عشوہ ستانی کے دنیا کے کسی کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، نوجوان اُن کے واسطے آسمان وزمین ہلانے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ تاہم نارمنڈ کی ہیبت کا طائر وہ طائر تھا۔ جس نے ایسی بھولی بھالی لڑکیوں کے قلب نازک میں آشیانہ بنالیا تھا، نارمنڈ کا نام ایسا نہ تھا جو خادمہ کو چند منٹ تک ہوش میں آنے دیتا۔
وہ اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی مرمریں بت معلوم ہورہی تھی، اتنی دیر میں ہوٹل کا مالک ٹہلتا ہوا نکل آیا، اس نے خادمہ کو سوال کرتے اور سائیسوں کے افسر کو جواب دیتے سنا تھا۔ شکرم کا وقت پر نہ آنا معمولی بات نہ تھی بلکہ کسی بڑے واقعہ کی اطلاع تھی کیونکہ گولڈ اسمتھ کی پابندی وقت قریب قریب ضرب المثل بن گئی تھی۔ وقت معینہ کی خلاف ورزی انتہائی تشویش ناک تھی، ہوٹل کے مالک نے جیب سے گھڑی نکال کر دیکھتے ہوئے کہا۔
"اوہ! کیا فال بد منہ سے نکالتے ہو؟ نارمنڈ ڈاک کے کوچوان گولڈ اسمتھ اور محافظ ہارلی سے کبھی نہیں لڑسکتا وہ دونوں اپنے اپنے کام میں نہایت ہوشیار ہیں اُن کی چالاکی سے ڈاکوؤں کو اتنا موقعہ ہی نہیں مل سکتا جو حملہ ور ہوسکیں۔ بالفرض مان لیا جائے کہ سوئے اتفاق سے وہ ڈاکوؤں میں گھر گئے تو یاد رکھو یہ دونوں اول درجہ کے بہادر اور ثابت قدم ظاہر ہوں گے، (کچھ سوچکر) خوب یاد آگیا آج ہی گولڈ اسمتھ کے نام ایک خط آیا ہے، جو شاید میرے کمرے میں میز پر رکھا ہے (بہ آواز بلند پکار کر) ہیلین ہیلین!! یہاں آؤ" صاف وستھرے کپڑوں والی نوجوان جمیلہ لڑکی زنانہ لوچ کے ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی ہوٹل کے مالک کے سامنے آکھڑی ہوئی، ہوٹل کے مالک نے تحکمانہ انداز سے کہا۔

"ہیلن! میرے لکھنے کی میز پر گولڈ ہلتھ کے نام کا خط رکھا ہے، جا کر لے آؤ۔"

لڑکی حکم پاتے ہی چلی، مگر ہوٹل کے مالک نے اسے روک کر کہا:۔

"ہیلن! یہاں لانے کی کوئی ضرورت نہیں، خیال رکھنا جیسے ہی شکرم آئے فوراً لا کر گولڈ ہلتھ کو دیدینا وہ بڑا باتونی ہے۔ اگر باتوں میں لگ جائے گا تو پھر کسی کی نہ سنے گا۔ اس لئے قصہ شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ میں خط پہنچ جانا چاہئے، خبردار! بھولنا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں، ضروری خط ہے کیونکہ لانے والے نے تاکید کر دی تھی کہ شکرم آتے ہی فوراً دے دیا جائے۔"

ہوٹل کے مالک کا جملہ ختم ہوتے ہی ایک سائیس نے کسی قدر بلند آواز میں انگلی سے بتاتے ہوئے کہا "وہ، ڈاک آگئی! آؤ آؤ، بوڑھے کوچوان آؤ! آج کیا واقعہ پیش آیا جو اتنی دیر ہوئی، ڈاک کے بارے میں ہم لوگ عجیب عجیب خیالی پلاؤ پکا رہے تھے! کچھ کہو تو، مسٹر گولڈ ہلتھ!"

شکرم آکر اپنی جگہ کھڑی ہو گئی، گولڈ ہلتھ نے ہاتھوں سے راس گھوڑوں کی پشت پر ڈالتے ہوئے سائیس سے کہا:۔

"ہاں ایک واقعہ پیش آگیا۔ محافظ ڈاک مسٹر ہارلی اتفاقیہ طور پر شکرم سے گر گئے، اُن کے گھٹنے سخت مجروح ہو گئے، کم بخت سڑکیں بہت خراب و خستہ ہو رہی ہیں، جا بجا نوکدار کنکر پڑے ہیں شاید کوئی کنکر گھٹنے میں چبھ گیا تھا، اُن کے زخم کی مرہم پٹی میں خلاف اُمید زیادہ وقت صرف کرنا پڑا۔ ہر چند میں نے گھوڑوں کو رسمی رفتار سے کسی قدر تیز ہنکا کر کمی پوری کرنے کی کوشش کی مگر کہاں تک؟ آخر دیر ہو ہی گئی!"

افسر۔ "اب اُن کا کیا حال ہے؟"

گولڈ ہلتھ۔ "اچھے ہیں۔ اندیشہ کی بات نہیں، دو چار روز میں زخم بالکل مندمل ہو جائیں گے۔ تاہم کام کر سکتے ہیں، انھیں اچھے ہونے تک چارپائی پر پڑنا نہ ہوگا۔"

نیو مارکٹ والوں کو اپنی مضبوطی اور زخموں سے لاپرواہی دکھانے کو ہارلی شکرم سے کود کر اُترا حالانکہ کودنے میں تکلیف محسوس ہوئی مگر اس نے چشم و ابرو سے ظاہر نہ ہونے دیا اور مسافروں کو مخاطب کر کے کہا:۔

"یہاں تیس منٹ قیام کیا جائے گا، اس عرصہ میں آپ لوگ اپنی ضروریات کے انتظام میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ خواہ ہوٹل سے بندوبست کریں یا بازار جائیں وقت معینہ گزرنے کے بعد گاڑی آگے کو روانہ ہو گی، میں اُمید کرتا ہوں مسٹر گولڈ ہلتھ، گھوڑوں کی رفتار تیز کر کے اگلی چوکی پر ٹھیک وقت میں پہنچا دینگے۔"

مسافر اُتر اُتر کر ہوٹل کے ہال روم میں چلے گئے، اور اپنی اپنی ضروریات فراہم کرنے کا حکم دیکر اُن کے آنے کا انتظار کرنے لگے"

گولڈ ہلتھ اور ہارکی اپنی قیام گاہ میں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے اور آتش سیال سے جام لبریز کر کے راہ کی تھکن دُور کرنے میں مصروف ہوئے۔ حسب عادت، گولڈ ہلتھ مزیدار باتیں کرتا جاتا تھا اور ہارکی سے ہر بات داد چاہتا تھا"

ہارکی، اپنے ساتھی گولڈ ہلتھ کے خلاف نہایت کم گو اور خاموش آدمی تھا، ضرورت کے وقت مختصر الفاظ میں اپنا مطلب ادا کرنا پسند کرتا تھا۔ اسنے گولڈ ہلتھ کی بے سرو پا باتوں پر ذرا التفات نہ کی۔ گلاس لبوں سے لگا کر ایک سانس میں خالی کر دیا"

گولڈ ہلتھ جب باتوں میں مصروف ہوجاتا تو اس امر کا خیال نہ کرتا کہ وہ جس کو مخاطب بنا کر باتیں کر رہا ہے، آیا وہ بھی اس کی گفتگو دھیان دے کر سنتا ہے یا نہیں؟ اسی واسطے اس نے ہارکی کی لاپرواہی اور سرد مہری کا کوئی اثر نہ لیا۔ جب گلاس خالی ہوگیا تو پھر دونوں گلاس بھرے اور پینا شروع کیا، اس مرتبہ پہلا سا طریقہ نہ تھا اب ایک ایک گھونٹ مزا لے کر پیا جانے لگا۔ تھوڑی دیر میں نصف سے زیادہ بوتل خالی ہوگئی۔



"غلط شبہ"

گولڈ ہلتھ اور ہارکی شراب نوشی میں مشغول تھے کہ ہیلن ہاتھ میں لفافہ لئے کمرے میں داخل ہوئی اور گولڈ ہلتھ کے پاس جاکر لفافہ والا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا"

"مسٹر گولڈ ہلتھ! ایک خوبصورت، شریف نوجوان آپ کو یہ خط دے گیا ہے"

بوڑھے کوچوان نے لڑکی کے ہاتھ سے لفافہ لے کر سرنامہ پڑھا، پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھا، اس وقت اُس کی آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہوگئی تھی، جھریاں پڑے ہوئے چہرے پر سُرخی نمایاں تھی جس سے اس کے دلی کیفیات کا بخوبی مشاہدہ کیا جاتا تھا، اس نے ہلکا سا تبسم ظاہر کرتے ہوئے طنزاً یہ کہا"

"او ہو! حسن مردانہ کا اندازہ کرنے کی صلاحیت تمہاری آنکھوں میں پیدا ہوگئی؟"
ہارلی نے اتنی دیر میں جب تک ہیلین، کوچوان سے مخاطب رہی، جیب سے چرمی منی بیگ نکال کر اس میں سے ایک کراؤن (روپیہ) نکالا اور لڑکی کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر انگلیوں سے کچھ اشارا کیا جسے لڑکی نے فوراً سمجھ لیا اور کراؤن اٹھا کر کمرہ سے نکلی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد کوچوان نے محافظ شکرم کو مخاطب کر کے کہا:۔

"مجھے اس خط کو پڑھ لینا چاہیئے، ہال برن کی جھونپڑیوں، اور نارویچ کے عالی شان ہوٹلوں میں صدہا خطوط پا کر بھی یہ استعجاب نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اس جگہ ایک لفافہ نے تعجب میں ڈال دیا ہے!"
اتنا کہنے کے بعد اس نے لفافہ کی قید کو چاک کر کے خط نکالا، مختصر عبارت تھی، لیکن مضمون نہایت حیرتناک اور مشوش کن تھا، جیسے پڑھتے ہی گولڈ لتھ چونک پڑا! اسے چونکتے دیکھ کر ہارلی نے دریافت کیا:۔
"کیا معاملہ ہے، مسٹر گولڈلتھ؟ کیا کوئی وقوعہ پیش آگیا؟"
گولڈلتھ نے محافظ کے سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا:۔
"خاموش! یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔ میں خط کا مضمون پڑھتا ہوں، سن لو۔"
یہ کہہ کر اس نے کسی قدر بلند آواز میں خط پڑھنا شروع کیا۔ یہ تو قبل ہی لکھ دیا گیا ہے، خط کی عبارت بالکل مختصر اور چند سطروں میں مرقوم تھی، لکھا تھا:۔
"تمہاری گاڑی کے مسافروں میں، ایک تنومند و وجیہ شخص سرخ کوٹ اور سیاہ لبادہ پہنے"
"ہوئے سفر کر رہا ہے۔ وہ شخص مخدوش ہے! تم کو ہر حال میں اس سے ہوشیار رہنا نہایت"
"ضروری ہے۔ یہ شخص شہر کے ان خفیہ ڈاکوؤں میں ہے جن کے حالات سے ہنوز پولیس"
"مطلع نہیں ہے، شب کی تاریکیوں، اور صحراؤں کے گھنے دامنوں میں خوں ریزی کرنا"
"اس کا پیشہ ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اسے فوراً نیو مارکٹ میں اتار دو، ورنہ آگے بڑھ کر تمہاری"
"ڈاک پر حملہ ہو جائے گا۔ وقت گذر جانے کے بعد پچھتانا یا افسوس کرنا تحصیل حاصل کا"
"مصداق ہے۔ اطلاعاً تحریر ہے۔ آگے تم جانو اور تمہارا کام! ہمارا جو حق تھا، ادا کر دیا، والسلام"
"تمہارا خیر اندیش"
مضمون سن کر محافظ شکرم کو بھی فکر دامن گیر ہوگئی، اس نے بہت غور کیا، کچھ سمجھ میں نہ آیا! خط لکھنے والے نے اپنا نام تحریر نہ کیا تھا جو اس کی نسبت کوئی رائے قائم کی جاتی، اکثر راوی قابل اطمینان نہیں ہوتے ان کی خبروں پر یقین کر لینا اندھی تقلید سمجھی جاتی ہے، لیکن یہ تو اس وقت ہو سکتا تھا جبکہ راوی نے اپنا نام

لکھا ہوتا۔ گمنامی کی حالت میں صحت و عدم صحت کی نسبت کچھ کہا نہیں جا سکتا، کامل غور کے بعد اُس نے لبوں سے مُہرِ سکوت توڑی۔"

"نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے! یکایک اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں!"

گولڈ ہلتھ - "میں بھی چکر میں ہوں، مگر کچھ نہ کچھ اصلیت تو ضرور ہے، ہم روزانہ ان راستوں سے آتے جاتے ہیں ہر قسم اور ہر درجہ کے مسافر گاڑیوں پر سفر کرتے ہیں، آج سے پہلے کبھی کسی کے متعلق ایسی اطلاع نہیں دی گئی، اِن باتوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کم از کم یہ آدمی مخدوش ضرور ہے! کیا عجب ہے نارمنڈ کے جتھے کا کوئی ڈاکو ہو۔ جو موقعہ پاکر راستے میں ڈاکہ ڈالے اور ہمارے مسافروں کو پورا پورا نقصان پہنچ جائے، بہرطور ہمیں خط کے مضمون پر التفات کرنا چاہیے۔"

ہارتی - اپنے خیالات کی دُھن میں "ہت تیرا بھلا ہو لال کوٹ اور سیاہ لبادے والے! افسوس ہے ہم لوگوں پر کہ باوجود اس قدر ہوشیار و تجربے کار ہونے کے تیرے عزائم ناپاک سے باخبر نہ ہو سکے! خط کا مضمون یقیناً درست ہے، دماغ پر زور دینے سے یہ معمہ اس طرح حل ہوا جاتا ہے" یعنی اس کے پاس اسباب نہیں ہے جو اس کے بدارادوں کا بیّن ثبوت ہے، ورنہ کوئی مُسافر خواہ وُہ چند گھنٹوں ہی کے واسطے سفر کیوں نہ کرے۔ تھوڑا بہت اسباب اپنے ساتھ رکھتا ہے (اُنگلی سے ایک سمت بتاکر) وہ دیکھو، ظالم غریب بلی بنا کھڑا ہے! اُف کیسا خوفناک ہے! سب سے الگ تھلگ رہنے میں اس نے بھلائی سوچی ہے۔ اگر مُسافروں کے قریب رہے گا تو ضرور کسی نہ کسی سے گفتگو کرنا پڑیگی، اسی طرح راز کھُل جانے کا اندیشہ لگا رہے گا" "بہت ممکن ہے کوئی مشکوک بات زبان سے نکل جائے، بدمعاش کنکھیوں سے سب کی طرف دیکھتا بھی جاتا ہے! گویا سب کا بھید لے رہا ہے!"

سیاہ لبادے اور سُرخ کوٹ والا مُسافر اگرچہ فربہ اندام ضرور تھا لیکن بھدا پھیلا نہ تھا، اس کے دست و بازو قوی، سینہ کشادہ، قد لانبا اور چہرہ خوش منظر تھا، سردی کی حفاظت کی غرض سے کئی کپڑے تلے اوپر پہن لینے سے اصلیت سے کچھ زیادہ نظر آتا تھا، اُس نے ٹوپی کو چہرے کی طرف جھکا پہنا تھا کہ لوگوں کو چہرا صاف طور پر نظر نہ آسکے، اور اس کارروائی میں تھوڑا بہت کامیاب بھی ہوا تھا، دُور تو دُور! قریب سے دیکھنے والوں کو بھی بخوبی اُس کا منہ دکھائی نہ دیتا تھا، وہ تمام مسافروں سے علیحدہ ایک میز کے کنارے جا بیٹھا اور خالی گلاس کو ہاتھوں سے نچا نچا کر وقت کاٹنے میں مشغول ہو گیا۔ اتنے میں ہوٹل کا ایک بوائے اس کے قریب سے گذرا اور گلاس کو خالی دیکھ کر اس اُمید سے اس کی طرف دیکھنے لگا کہ شاید وہ کسی چیز کی فرمائش کرے، چند سکنڈ تک تو وہ اس کی طرف

متوجہ نہ ہوا۔ جب سر اُٹھا کر بوئے کو کھڑا پایا تو آہستہ سے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔"
"ایک پیگ وہسکی"
ہوٹل کے چھوکرے نہایت تیز ہوتے ہیں ایک وقت میں کئی کئی گاہکوں کی فرمائشات پوری کرنے میں انھیں مطلق رُکاوٹ نہیں ہوتی! لڑکے نے دو منٹ کے اندر ہی مسافر کے سامنے وہسکی کا لبالب گلاس لاکر رکھدیا اور وہ ذائقہ لے لے کر پینے میں مصروف ہوگیا۔
یہ مسافر جب شکرم پر سفر کر رہا تھا، اس وقت بھی وہ اپنی جبلّی عادت کے موافق سب مسافروں سے الگ تھا اور اب تک کسی سے کوئی بات نہ کی تھی جس سے اس کا بالکل ہی خشک اور بدمزہ ہونا پایا جاتا تھا۔"
ہارلی نے بڑی وضاحت سے اپنے خیالات کا انکشاف کیا اور حتی المقدور گولڈ لتھ کو اپنا موافق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ایک ایک لفظ کو اس طرح زور دے کر ادا کیا جیسے ہائی کورٹ میں وکلا و بیرسٹران اپنے موکل کی طرف داری میں بحث کرتے ہوئے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مؤثر پُر معنی الفاظ استعمال کرتے ہیں یا جج کسی سنگین مقدمہ کی تجویز لکھتے وقت قانون اور اسباب سزا و جزا کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے وہی الفاظ حوالہ قلم کرتا ہے جو اس کے خیالات کو ظاہر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں!
گولڈ لتھ خاموشی سے محافظ شکرم کی تقریر سنتا رہا۔ ازبسکہ مدلل تقریر تھی اور تمام وہ واقعات تلاش کر کر کے پیش کئے گئے تھے جو خط کی تائید میں اکسیر سے کم نہ تھے، اس لئے اسے یقین ہو چلا اور اس نے نہایت متفکرانہ انداز سے جھکا ہوا سر اُٹھا کر جس سے غور و خوض کے مضمحل کن آثار نمایاں تھے کہا۔
"آخر اب کیا کیا جائے؟ کیا ہمیں اس باب میں اُس سے کچھ کہنا چاہیئے؟"
ہارلی۔ کچھ سوچکر "نہیں! یوں کچھ کہنا سراسر غلطی ہوگا۔ بغیر کسی ثبوت کے چور، ڈاکو، یا خونی کہہ بیٹھنا بداخلاقی کے علاوہ حماقت بھی ہے، جس پر کوئی ذی عقل اعتبار نہیں کر سکتا!"
گولڈ لتھ۔ مشکوک مسافر کی طرف نظریں جمائے ہوئے "میرے نزدیک تو کوئی نقصان نہیں!"
ہارلی۔ سرد بازو کو جھولا دیکر "سراسر نقصان ہے، ہمیں بغیر مزید حالات معلوم کئے ہوئے اُسے کسی الزام سے متہم کرنا مناسب نہیں، ذرا توقف کرو میں اس سے سلسلہ گفتگو چھیڑ کر کچھ دریافت کرتا ہوں"
کاروینشن ہوٹل کا قاعدہ تھا، جب کھانا تیار ہو جاتا تو ایک خانساماں بلند آواز سے پکار کر مسافروں کو آگاہ کر دیتا، چنانچہ اُس اصول قدیم کے موافق ایک خانساماں نے مسافروں کو مخاطب کر کے میز تیار ہونے کی اطلاع دی۔ سب مسافر کرسیوں سے اُٹھ اُٹھ کر کھانے کے کمرے کی طرف بڑھے، لیکن سیاہ

لباوے اور سُرخ کوٹ والا مُسافر سابق کی طرح اپنی جگہ بیٹھا رہا اور وہسکی کا شغل جاری رکھا!"
جب سب لوگ کھانے کی میز کے گرد جمع ہو گئے تو خوبصورت ہیلن ایک کرسی خالی دیکھ کر سیاہ لبادے والے مُسافر کے پاس آکر نغمہ خیز آواز میں بولی۔
"آپ کی کرسی خالی ہے جناب! اور کھانا بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے"
سیاہ لبادے والے مُسافر نے بدستور گلاس کو لبوں سے لگا کر ایک گھونٹ پیا اور اسی طرح سر جھکائے ہوئے جواب دیا"
"مجھے اشتہا نہیں ہے، اسوقت بجز وہسکی کے نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا"
ہارلی جو، اس عجیب العادت شخص سے بات چیت کرنے کا پہلو تلاش کر رہا تھا، ٹہلتا ہوا ادہر آگیا اور بھید بھرے الفاظ سنے جو اسنے خوب صورت ہیلن کے سوال کے جواب میں کہے تھے، موقعہ پاتے ہی قریب گیا اور باعنوانِ شائستہ پوچھا"
"کیا میں دریافت کر سکتا ہوں، جناب والا کہاں تشریف لیجائیں گے"
مسافر" کولن گر"
ہارلی۔ تعجب سے وہی الفاظ دوہراتے ہوئے "کولن گر! آہا! کل تو وہاں دو مجرموں کو پھانسی کی سزا دی جانے والی ہے، شاید آپ کو خونی مناظر سے دلچسپی ہے۔ اسی واسطے صعوبات سفر کی پرواہ نہیں کی گئی؟"
مسافر۔ گردن ہلاتے ہوئے۔ مجھے خبر ہے، لیکن کوئی انسان خونی منظروں سے محظوظ نہیں ہو سکتا!"
ہارلی" اپنی دُھن میں"۔ اہا! آپ کو معلوم ہے؟ تو اب ــــ"
ہارلی کا دل زور زور دھڑکنے لگا، اس کے خیال کی تصدیق کو یہ چند مختصر سی لفظیں بہت کافی تھیں۔ سیاہ لبادے والے کی طرف سے جو خیالات بُذہن میں جانشین ہو چکے تھے پختہ ہو گئے اور گویا اب کوئی ایسی تحقیق باقی نہیں رہی جس کی ضرورت محسوس کیجاتی"
محافظ شکرم کو اچھی طرح علم تھا کہ کولن گر چھوٹا سا پُروا ہے۔ جہاں گورنمنٹ نے پولیس کا ہیڈ کوارٹر بنایا ہے۔ قرب و جوار کے ملکوں سے جن مرگ نصیبوں کو عدالت پھانسی کی سزا تجویز کرتی ہے، وہ اس خونخوار پُروے میں لاکر پھانسی چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ ایسے قوی وجوہات تھے جنھوں نے ہارلی کو مُسافر کی طرف سے صرف مشکوک ہی نہیں کیا بلکہ اُن خیالات کو جو گمنام خط دیکھنے کے بعد دل میں موجزن ہو گئے تھے انھیں یقین سے بدل دیا۔ اس کی آنکھوں میں مُسافر کی کوئی وقعت نہ رہی۔ اس کو ایسا معلوم ہونے

"گویا شریفوں کے لباس میں نہایت خوفناک خونی مجرم ہی! اسوقت خیالات میں ایسا غرق ہوا کہ اپنے گھٹنے کی چوٹ بھی فراموش کردی جو آج ہی شکرم سے گر پڑنے کی وجہ سے آئی تھی! اس سے زیادہ گفتگو کی ضرورت نہ سمجھ کر الٹے قدموں گولڈ ہلتھ کے پاس واپس آ کر بولا"

"گولڈ ہلتھ! یہ شخص تو کوئی نہایت خوفناک ڈاکو معلوم ہوتا ہی! اس کی صورت بہت پُر ہیبت ہی چار آنکھیں ہوتے ہی میرا تمام نشہ ہرن ہو گیا! جلد ایک گلاس بھرو۔ سوڈا بالکل نہ ڈالنا، دل ٹھکانے ہو تو اطمینان سے اس موضوع پر غور کیا جائے"

دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے، بوتل کا کاگ کھلا اور گلاس میں گلابی گلابی شراب بھر گئی، جام پر جام چلنے لگا۔ دل سے ہیبت دور کرنے کا علاج شراب خواری سے زیادہ مفید کوئی نہیں۔ کیسا ہی خوف کیوں نہ ہو ایک جام میں غائب! پہلے تو دونوں میں ادھر اُدھر کی گپ شپ ہوتی رہی، چونکہ خیالات سیاہ لبادے والے مسافر کی طرف رجوع تھے اس لئے پھر وہی پریشاں کن قصہ نکل آیا۔

گولڈ ہلتھ۔ شراب پیتے ہوئے۔ یہ شخص نہایت خطرناک ہی!"

ہارلی "اور اوّل درجہ کا فطرتی بھی ہی۔ شریفوں کی پوشاک پہنکر اپنی خباثت کو کیونکر چھپایا ہی؟"

گولڈ ہلتھ "کوئی نہیں! بس آئرلنڈ کے جتھے کا سمجھو! وہی ہو اس کے سوا اور کسی میں یہ چالاکی یہ ہمت وجرات نہیں ہو سکتی"

ہارلی "بہت صحیح ہو، جبھی تو ڈاک پر چھاپہ مارنے کے قصد سے سفر اختیار کیا ہی"

باتوں نے مئے نوشی میں خلل نہ ڈالا، برابر گلاس پر گلاس چلتا رہا۔ ہیلن نے جو دو بوتلیں لا کر دی تھیں، اب بالکل خالی ہو گئیں، نچوڑنے سے ایک قطرہ نہ نکل سکتا، مجبوراً دونوں نے گلاس ٹیبل پر رکھ دئے اور اپنے بچاؤ کی تدبیروں پر غور کرنے لگے، گولڈ ہلتھ نے نہایت مشکل سوال کیا"

"اب کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکر یہ بلا سر سے ٹالی جائے؟ میں تو اسے ایک میل بھی اپنی گاڑی پر نہ لے جاؤں گا"

ہارلی "دیکھو! ہم لوگ اس کے منہ پر تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے، بالفرض ہم نے اس سے کہا کہ "تو چور ہی" "ڈاکو ہی"، اور درحقیقت وہ چور ڈاکو نہیں بلکہ کوئی لارڈ یا ڈیوک ہوا، تو کیا ہوگا؟ اس حالت میں تو ہم لوگ بے موت مر جائیں گے"

گولڈ ہلتھ "ہارلی! تم میں ذرا بھی عقل نہیں! بھلا اسے چور ڈاکو کہنے کی کیا ضرورت ہی؟ میری رائے میں اس سے جا کر کہنا چاہیئے کہ گاڑی کو بن گر میں گھڑی نہ ہوگی، بہانہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہی؟ اچھا!

چلو میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔"

ہارلی:۔" واقعہ یہ ہی کہ مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہی، کبھی غلط بیانی نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہی کہ ہم لوگ یقیناً کولن گر میں قیام کریں گے تو کیسے جھوٹ بولوں؟"

گولڈ ہلتھ:۔" خیر! خیر! تم سے کچھ نہ ہوگا، میں ہی اب مرحلے طے کر لوں گا۔"

گولڈ ہلتھ کرسی سے اُٹھکر بڑے بڑے قدم بڑھاتا ہوا سُرخ کوٹ اور سیاہ لبادے والے مُسافر کی طرف چلا اور اُس کے پاس پہنچکر بولا:۔

"مسٹر! مجھے یہ کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہی کہ جناب کسی طرح بھی آج رات کو کولن گر نہیں پہنچ سکتے! کیونکہ راہ میں سڑک پر ایک بڑا نالہ ملتا ہی جس کے سبب سے شکرم دوسرے راستے سے ناروچ جائے گی، کولن گر جانے کے واسطے کوئی صاف راستہ نہیں، ہم لوگ بالکل مجبور ہیں!"

مُسافر:۔" لیکن مجھے تو کسی نہ کسی طرح آج ہی کولن گر پہنچنا ہی۔"

گولڈ ہلتھ:۔" بے شک آپ کی صورت سے ظاہر ہے کہ آپ کو وہاں نہایت ضروری کام ہی۔"

مُسافر نے متفکرانہ انداز سے سر جھکا کر سوچنا شروع کیا۔ چہرے سے شکستگی رونما ہوئی، اُسے خاموش پاکر بوڑھے کوچوان (گولڈ ہلتھ) نے محافظ شکرم سے کہا:۔

"مسٹر ہارلی! صاحب کا اسباب شکرم سے اُتار کر فوراً ہوٹل کے امانت خانے میں بھجوا دیجئے۔"

گولڈ ہلتھ، جسوقت سیاہ لبادے والے مُسافر سے باتوں میں مصروف تھا، ہیلین دُور سے کھڑی اُنکی گفتگو کو بغور سُن رہی تھی، سیاہ لبادے والا مُسافر بہ لحاظ حُسن صورت سو پچاس مردوں میں ایک تھی اُسکی آنکھوں میں سے شرافت وعالی نسبی جھلک مارتی دکھائی دیتی تھی، ہیلین کا دل کسی طرح قبول نہ کرتا تھا کہ وہ ایسے مذموم کاموں کا عامل خیال کرے، اسنے اپنا شبہ رفع کرنے کو کئی مرتبہ کسی نہ کسی بہانے سے اس کے پاس جاکر بات چیت کرنے کا موقعہ نکالا تھا۔



۴

"ڈاکو کا سپنا"

ٹھیک وقت پر شکرم تیار ہو کر سفر کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر آگئی، جہاں سے مسافر شکرم پر سوار ہوتے ہیں، ڈاک کا قاعدہ ہے وہ مسافروں کا انتظار بالکل نہیں کرتی، ٹھیک وقت پر چل کھڑی ہوتی ہے اس لئے گاڑی روانہ ہونے سے کچھ پہلے، تمام مسافر اسباب لے کر اسٹیشن پر آجاتے ہیں۔ آج بھی حسب معمول مسافر تیار ہو ہو کر ۵ منٹ پہلے اسٹیشن پر آگئے۔ لیکن سیاہ لبادے والا مسافروں میں موجود نہ تھا"

ہوٹل کا مالک، وقت پر ہوٹل سے نکل آیا، اس کا معمول تھا، جب ڈاک کے روانہ ہونے کا وقت قریب آتا تو ہوٹل سے نکلکر گارڈ کو ڈاک چھوڑنے کی اجازت دیتا تھا، اس نے اسٹیشن پر آکر جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا، ڈاک روانہ ہونے میں ۳۰ سکنڈ باقی تھے، اس نے سیٹی نکال کر بجائی۔ نصف منٹ بعد گاڑی گھڑگھڑاتی ہوئی منزل کی طرف روانہ ہوگئی، ہوٹل کا مالک اُسوقت تک، ہاتھ میں ٹوپی لئے وہیں کھڑا رہا جب تک ڈاک اس کی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل نہ ہوئی"

اندھیری رات تھی، چاند ہندوستان کی پاکدامن پردہ نشینوں کی طرح اہل عالم کی نظر سے روپوش تھا۔ صحرا کے گھنے درختوں کے درمیان کنکر کٹی ہوئی سیدھی سڑک بعینہٖ سفید خط معلوم ہوتا تھا، جیسے کسی مصور نے سیاہ تختہ کاغذ پر کھینچدیا ہو۔ ہر طرف ہُو مار رہا تھا، اور بجز گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ کے جنگل کے سکونِ مطلق کو کوئی آواز متحرک کرنے والی نہ تھی، جیسا خوفناک جنگل تھا، ویسا ہی خوفناک وقت تھا ایسے خطرناک وقتوں میں اکیلے دوکیلے مسافروں کی ہمت نہیں پڑتی کہ سفر کرسکیں اگر کوئی بھولا بھٹکا سڑک سے ہٹ کر گنجان درختوں میں پہنچا تو گویا زندگی کو بیچ ڈالا۔ پھر اس کا صحیح وسالم نکل آنا مشکل ہی نہیں قریب قریب غیر ممکنات میں داخل تھا!، صحرا کیا تھا اچھی خاصی بھول بھلیاں تھا اگر ڈاکو وں کے ہاتھ سے بچا اور درندوں نے بھی ترس کھاکر چھوڑدیا تو راستہ پانا ممکن نہیں! یونہیں بھٹک بھٹک کر مرجانا پڑا"

شکرم اپنے صحیح راستے پر چل رہی تھی، نیومارکیٹ سے تازہ دم گھوڑے جوتے گئے تھے اس لئے بوڑھے کوچوان گوڈ ہلتہ کو اپنے چابک سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑی، صرف زبان سے ٹخ ٹخ کرکے گھوڑوں کو

اُن کی پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ محافظ شکرم، گاڑی کے پیچھے اپنی بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے حواس خمسہ صحرا کی فضائیت اور وقت کی جاذبیت میں محو تھے، گاڑی کے پہیوں سے جو مختلف الصوت آواز پیدا تھی، اسی صدا پر دبی آواز میں کچھ اشعار گنگناتا جاتا تھا، مسافر خاموشی کے عالم میں گاڑی پر بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے، پہیوں کے متحرک ہونے سے گاڑی میں جو حرکت پیدا تھی، وہ انھیں باقاعدہ اونگھنے کی اجازت بھی نہ دیتی تھی کیونکہ ہر مرتبہ وہ جھوم جھوم کر گرنے کے قریب ہوجاتے تھے جس سے آنکھ کھل جاتی تھی۔ بعض نیند کے متوالے تو جھونکے لیتے لیتے گر بھی پڑے جس پر چند زندہ دل مسافر مسکرائے۔ کسی مرتبہ دو قریب قریب بیٹھ کر اونگھنے والوں کے سر آپس میں ٹکرا گئے لیکن پچھلے پہر کی گہری نیند نے انھیں چوٹ کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور وہ سنبھل کر پھر اونگھنے میں مشغول ہوگئے، بات بات پر معافی مانگنا اور شکر گذاری کرنا جو ترقی یافتہ اقوام کا اصل اصول بن گیا ہے، اُنھیں اس قاعدہ پر عمل کرنے کا وقت نہ ملتا تھا۔

رفتہ رفتہ شکرم بہت پُرانے فلک شکوہ اور پھیلے درخت کے برابر پہنچی تو بوڑھے کوچوان کی نگاہ تین سواروں پر پڑی جو اپنے چہروں پر موٹی موٹی نقابیں ڈالے تھے، وہ تینوں سوار نہایت قدآور اور مضبوط گھوڑوں پر سوار تھے، اُن کے گھوڑے درختوں کی چھاؤں سے بڑھتے ہوئے شکرم کی طرف آرہے تھے!
گولڈ ہلتھ نے انھیں دیکھتے ہی کسی قدر خوفزدہ گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"ہارلی! ڈاکو آگئے!!"

گولڈ ہلتھ کی زبان نے فقرہ ختم کیا تھا کہ ان میں کا ایک سوار گھوڑے کو اڑ دے کر شکرم کے قریب پہنچا اور ڈپٹ کر کہا۔

گولڈ ہلتھ! اب کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی۔ تحفظ کا خیال فضول ہے، میں نے جو کہا تھا، پورا کردیا، آگاہ ہوجاؤ، میرا ہی نام مارلنڈ ہے!"

"آہ میرے خدا!"

انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں بوڑھے کوچوان کی زبان سے مذکورہ بالا جملہ ادا ہوا جو ہارلی کی طرف رُخ پھیر کر کہا گیا تھا، ہنوز محافظ شکرم اب تک ان واقعات سے خبردار نہ تھا، وہ بدستور گانے میں مصروف تھا، گولڈ ہلتھ نے پھر اُدھر متوجہ ہو کر کہا۔

"ہارلی! ہم لوگ سخت خطرے میں مبتلا ہوگئے! وہی مشہور و معروف ڈاکو، مارلنڈ ــــ"

اگر نیستاں میں شیر کا نام لیا جاتا تو شاید اُن لوگوں پر جو بستے وہاں موجود ہوتے، اسقدر خائف نہیں

ہو سکتے تھے جس قدر ہارلنڈ کے نام نے اہلِ شکرم کو مخوف کر دیا ۔ ہارلی تو اس طرح چونک پڑا جیسے دھوکے میں کوئی کنوئیں کے اندر گر پڑے! یہ سب کچھ ہوا تاہم اسکو اپنے فرائض کا پورا پورا خیال تھا، اس نے سب سے پہلے ڈاک کے تھیلے کی حفاظت کا خیال کیا، اسنے جوں ہی اپنی پستول اُٹھانے کا قصد کیا ویسے ہی ہارلنڈ کے ایک ساتھی نے اس کے قریب پہنچکر اپنے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے کہا۔

،، خبردار ہارلی! اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی یا پستول چلانے کا قصد کیا تو یاد رکھو میرے ریوالور کی گولی تمھارا بھیجا توڑتی ہوئی پار گذر جائے گی۔ مجھے معلوم ہے تمھارے پاس ایک چرمی تھیلا رہتا ہے اس میں اسلحہ رکھتے ہو، مہربانی کر کے اس تھیلے کو سڑک پر ڈال دو۔ خلاف ورزی کرنے میں تمھاری جان کی خیریت نہیں،،

ہارلی بالکل ہی مجبور تھا، چالاک لٹیروں نے نہایت پھرتی سے ہر بات کا انتظام کر لیا تھا، اس نے لمبی اور ٹھنڈی سانس لی اور بدحواسی کے عالم میں خیال کیا۔

،، میرے اگریمنٹ میں یہ شرط مندرج نہیں کہ تم کو وقت پڑنے پر جان بھی نذر کرنا پڑے گی! ڈاکوؤں،،

،، کی گولیوں سے اپنا بھیجا تڑوانا پڑے گا، بہر نوع مجھے اپنی جان کا تحفظ لازم ہے۔

یہ خیال کر کے اس نے بے چون و چرا اسلحہ کا چرمی تھیلا اس نقاب پوش ڈاکو کی طرف بڑھا دیا، اور مایوسانہ غم انگیز لہجہ میں کہا۔

،، لے ظالم! اب تو راضی ہوا؟،،

ڈاکو۔ ہاں! تم بہت اچھے اور سمجھدار آدمی ہو۔

اس ہلچل میں شکرم کے سب مسافر جو غنودگی کے عالم میں بیٹھے ہوئے نیند کے جھونکے لے رہے تھے ہوشیار ہو گئے۔ اور گھبرا کر چاروں جانب حونق نگاہوں سے دیکھنے لگے، ٹھیک اسی وقت ایک اور نقاب پوش ان لوگوں کے پاس آیا اور تپلی نال والی پستول سے دھمکا کر بولا۔

خبردار تم لوگوں میں کوئی ہماری مدافعت کی کوشش نہ کرے، ذرا بھی کسی نے جنبش کی اور اس کی جان کی خیریت نہیں!،،

اُدھر گولڈ سمتھ کو ہارلنڈ نے پہلے ہی سے قابو میں کر کے کسی قسم کی مخالفت سے روک دیا تھا، گولڈ سمتھ نے جب اپنی کنپٹی پر پستول کی نالی دیکھی تو خوف کے مارے اسکی روح نکلنے لگی! اسنے فوراً گھوڑوں کی باگ کھینچ لی، ہارلنڈ نے اس سے کہا۔

،، گولڈ سمتھ! مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں نے تمھیں دھوکا دیا! معلوم ہوتا ہے تم کو میرا لکھا ہوا خط مل گیا اور تم نے سوئے اتفاق سے اس کی فریب دہ عبارت کا یقین کر لیا۔

گولڈ اسمتھ نے نہایت حیرت و استعجاب سے مارلنڈ کا منہ دیکھتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے۔

"تمھارا خط"

مارلنڈ۔ "ہاں میرا خط! میں نے تمھیں ایک خط کے ذریعہ سے دھوکہ دیا اور وہ خط نیو مارکٹ کے کارنیشن ہوٹل میں رکھ آیا تھا۔ مجھے یقین تھا وہاں پہنچتے ہی تمھیں میرا خط ملے گا البتہ اس کی عبارت کا یقین کروگے یا نہیں؟ اس سوال کو حل نہ کرسکا تھا۔ کیونکہ تمھاری طول طویل سیاحت اور تجربہ کاری نے مذبذب حالت میں مبتلا کر رکھا تھا!"

گولڈ اسمتھ۔ حیرت سے "ہیں! تو وہ سرخ کوٹ اور سیاہ لبادے والا آدمی کون تھا؟"

مارلنڈ۔ "مسٹر اسمتھ ارتھر مشہور و قابل سراغرساں! اس کو کسی نہ کسی طرح ہمارے ارادوں کی اطلاع ہوگئی تھی کہ ہم لوگ آج شکرم پر ڈاکہ ڈالیں گے، اسی وجہ سے وہ بھیس تبدیل کرکے تمھاری شکرم پر سفر کر رہا تھا، چونکہ وہ ہمارے کاموں میں مخل ہونا چاہتا تھا، اور درحقیقت اس کی دخل درانداری سے ہمیں نقصان پہنچنے کی توقع تھی، اسی واسطے ہمارا پہلا فرض تھا کہ اس کے روکنے کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لیں، اسی غرض سے میں نے تمھیں خط لکھ کر سخت غلط فہمی میں ڈال دیا۔"

گولڈ اسمتھ۔ "اوہ! ہم تو اسے تمھارے جتھے کا ایک آدمی خیال کئے ہوئے تھے!"

مارلنڈ۔ "اسی خیال سے تو میں نے کہا، کہ میں نے تم کو نہایت دلچسپ دھوکا دیا!"

گولڈ اسمتھ۔ "شکرم کو روکنے سے تمھارا کیا مطلب ہے؟"

مارلنڈ۔ "تھوڑا تامل کرو، ابھی معلوم ہوجائے گا میں نے کیوں شکرم کو روکا ہے۔"

مارلنڈ نے اس کی طرف سے نظریں ہٹاکر شکرم کے مسافروں کی طرف توجہ کی اور انھیں مخاطب کرکے اپنی پاٹ دار اور خوفناک آواز سے کہا۔

"تم لوگ مہربانی کرکے پورے امن و اطمینان سے شکرم خالی کردو۔ عورتیں سڑک کے بائیں طرف اور مرد داہنی جانب قطار باندھ کر کھڑے ہوجائیں، خبردار اس کے خلاف نہ ہو، ورنہ مارلنڈ کو جان لینے میں ذرا بھی باک نہ ہوگا۔"

جب سے مارلنڈ کا نام سنا تھا، سب مسافر خوف جان سے تھرتھرا رہے تھے، اس کا نادری حکم سننے کے بعد کس میں جرات ہوسکتی تھی، جو حکم عدولی کرسکتا؟ فوراً مسافروں نے شکرم خالی کردی اور مارلنڈ کی ہدایتوں کے موافق داہنے بائیں صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

مارلنڈ۔ "تم لوگوں میں گریسے گوری کس کا نام ہے؟

ایک قوی الجثہ مسافر نے صف سے آگے بڑھنے کی جرأت کی اور مارلنڈ کے سامنے آکر ادب آموز انداز کہا!
جناب والا! گرے گوری اس حقیر کا نام ہے! جناب کو میرا نام کیونکر معلوم ہوا۔
مارلنڈ۔ " اوہ! تمھیں اس سوال کی کیا ضرورت ہے؟ کسی طرح مجھے معلوم ہوا۔ میں نے سنا ہے تم سرکاری ملازم ہو۔ کسی غریب ملازمت پیشہ کو ستا کر روپیہ وصول کرنا مجھے پسند نہیں۔ لیکن تم رعایا کو مجبور کر کے بہ جبر ٹیکس وصول کرتے ہو، رشوت لے لے کر خوب موٹے تازے ہو گئے ہو اور مفلس قلاش بھی نہیں ہو، لندن میں تمھاری بہت کچھ املاک و جائداد ہے۔ اس لئے اپنی جائداد سے کچھ رقم مجھے بھی دو (اپنے ایک ساتھی کی طرف دیکھکر) قب! تمھاری کیا رائے ہے! اس شخص پر کتنا ٹیکس ہونا چاہئے؟ تم جو رقم تجویز کرو گے میں خوشی سے منظور کر لوں گا (گرے گوری سے) مہربانی کر کے اپنا بٹوا نکالو، میرا خیال ہے آج اسمیں معقول رقم موجود ہوگی "

گرے گوری کو مجبوراً اپنا منی بیگ نکال کر مارلنڈ کے حوالے کرنا پڑا۔ اس کا منی بیگ لے کر مارلنڈ نے اور اور مسافروں سے بھی منی بیگ طلب کئے، اور سب کو بے چون و چرا تعمیل ارشاد کرنا پڑی، جن لوگوں نے غربت و افلاس کا عذر پیش کر کے جامہ تلاشی دیدی وہ کورے چھوڑ دئے گئے، جن لوگوں نے سرتابی کی یا مالدار پائے گئے اُن کا نقد روپیہ برضا و رغبت یا بہ جبر و قوت چھین لیا گیا، مستورات ہر طرح کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں، کیونکہ مارلنڈ فرقہ نسواں کی کامل عزت کرتا تھا، اور اپنے اس خیال پہ اس درجہ راسخ تھا کہ کبھی کسی موقعہ پر اس نے کسی عورت سے درشت کلام کرنا بھی روا نہ رکھتا تھا "

تحصیل کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد مارلنڈ کی نگاہ ڈاک کے تھیلوں پر پڑی جو شکرم کے ایک گوشہ میں حفاظت و احتیاط سے رکھے ہوئے تھے اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر حکم دیا "

" قب! تم لوگ ہارلی سے تھیلوں کی کنجیاں حاصل کرو مجھے اسمیں بعض خطوط کی ضرورت ہے "

قب اور اُس کا دوسرا ساتھی ہارلی کے پاس گئے اور کنجیاں طلب کیں، ہارلی کو کنجیاں دینا گوارا نہ ہوا مگر ڈاکوؤں سے لڑنے کی طاقت نہ رکھتا تھا، اس لئے منت و خوشامد سے کام نکالنا چاہا۔ ہاتھ جوڑے زبانی چاپ لوسی کی اور حتہ المقدور تالیف قلوب کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، لیکن کوئی خوشامد، کوئی عذر مسموع نہ ہوا، ناچار کنجیاں پاکٹ سے نکالکر ڈاکوؤں کے حوالے کرنا پڑیں "

دراصل، مارلنڈ کا قصد ڈاک کے خطوط لوٹنے کا نہ تھا، اسے صرف اپنے خیال کی تصدیق منظور تھی اسی سبب سے اس نے ڈاک کے ہر تھیلے کو کھول کھول کر تلاشی لی، اور چند خطوط اور ایک پارسل نذر جیب کرنے کے بعد تھیلوں کے بند کرنے کا حکم نافذ کیا۔ اسی وقت تھیلوں کے منہ بند کر دئے گئے "

فیصلے دیکھنے کی غرض سے مارلنڈ گھوڑے کی پشت سے اتر آیا تھا، تلاشی کے بعد مگر گھوڑے پر سوار ہونے کی لئے بڑھا، اسی وقت ایک گولی اس کے کان کے قریب سے سنسناتی ہوئی نکل گئی، اسنے پلٹ کر دیکھا تو گرے گوری گولی چلانے کی پستول اس کی جیب میں جاتے ہوئے نظر آئی۔ مارلنڈ نے بجلی کی سرعت سے بڑھکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوری قوت سے ڈھکیل دیا۔ جس کے صدمہ سے گرے گوری کچھ دور تک لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا۔ اب مارلنڈ نے جیب سے ریوالور نکال کر گرے گوری کی طرف فیر کر دیا، گولی گرے گوری کے پاؤں میں لگی، اس نے دہشت زدہ ہوکر خود کو مردہ تصور کر لیا اور سڑک پر چاروں خانے چت لیٹ کر الٹی الٹی سانسیں لینے لگا، دونوں آنکھیں اس طرح بند کرلیں گویا اب دنیا کا منظر دیکھنے کی غرض سے قیامت تک نہ کھل سکیں گی!"

اس حادثہ سے دوسرے مسافر جن کے قلوب پہلے ہی سے مرعوب ہو رہے تھے اور بھی خائف ہو گئے لیکن مارلنڈ نے اُن میں سے کسی سے بھی کوئی تعرض نہ کیا بلکہ دو چار الفاظ کہہ کر سب کو مطمئن کر دیا اور کہا"

"آپ لوگ خوف نہ کریں کسی بے خطا کے ساتھ سختی نہ کی جائے گی، جن لوگوں نے میرے احکام کی تعمیل میں عذر و انکار نہیں کیا میں اُن کی جانوں کا ذمہ دار ہوں، ہاں جو میرے ساتھ گستاخی کرے گا اُس کا خون پانی کی طرح بہا دیا جائے گا"

جملہ ختم کر کے مارلنڈ اپنے تینوں ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو گیا، اس وقت اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار تھی، جس طرح شیر اپنے شکار کا شکم چاک کر کے خون پی لینے کے بعد رعب چہرے سے فرحت و مسرت ظاہر کرتا ہے، مارلنڈ اپنے چہرے سے دلی بشاشت کی جھلک دکھا رہا تھا، اس نے گھوڑے کی پشت زین پر پہنچتے ہی کہا"

"میرا کام حسب دل خواہ ختم ہو گیا، گوڈ لیٹھ! اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ میرا رخصتی سلام قبول کرو امیر مطیع حکم مسافرو تم کو بھی میرا سلام قبول کرنا چاہئیے!——"

آخری لفظیں تمام و کمال ادا نہ ہو سکی تھیں کہ سن سن کرتی ہوئی متواتر تین گولیاں اس کے قریب سے گذر گئیں!"

مارلنڈ نے چونک کر اُس طرف نظر کی جدہر سے یکے بعد دیگرے تین گولیاں آئی تھیں۔ لیکن کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔ اُس نے پھر اور پھر دیکھا، گہری نظریں ڈالیں، لیکن مایوسی ہی مایوسی نظر پڑی!

مارلنڈ کو تعجب کے ساتھ ساتھ شدید غصہ بھی آ گیا! جس قدر قوت تھی اس سے کچھ زیادہ زور کیساتھ چلا کر کہا"

"کون بزدل دشمن ہے، جو رات کی تاریکی میں بھی تنا ور درختوں کی آڑ لے کر گولی چلاتا ہے؟"

کیا مجھے اپنے اس دشمن کی اطلاع نہیں ؟ یاد رکھ جو شخص دھوکا دے کر دوسروں کو نقصان پہنچاتا اور قتل و غارت کرتا ہے، اسے اسی طرح مارنا مناسب ہے ۔"

یہ اس شخص کے الفاظ تھے جس نے مارلنڈ کو چھپ کر اپنی گولیوں کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا !"

مارلنڈ کو پتھر کا جواب پتھر کے ذریعہ سے ملا اس نے سنا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ بھاری اور بلند آواز میں سامنے کے گھنے جنگل سے کہہ رہا ہے۔ اس کے غصہ کا تھرمامیٹر ایکسو دس ڈگری پر پہنچ گیا، اگرچہ اسمیں غصہ پی جانے کی خاص صفت موجود تھی لیکن اس موقعہ پر ضبط نہ کر سکا جس طرف سے آواز آئی تھی اسی جانب بڑی تیزی سے لپکا۔"

اس کے دونوں فرماں بردار ساتھی اسے تنہا جاتے دیکھکر اس کی امداد کی نیت سے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اسی کی سی تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔"

کچھ دور جانے کے بعد نہ معلوم مارلنڈ نے کیا دیکھا کہ اس کا غصہ کچھ اور زیادہ ہو گیا اسوقت دونوں آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں منہ سے کف جاری تھا، اس نے غضبناک نگاہوں سے سامنے کی طرف دیکھ کر ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔"

"اسمتھ ارتھر! غضب کیا تو نے! میری جان ہی لے لی ہوتی !"

۵

"اسمتھ ارتھر کی چال"

اس امر میں مطلق شک وشبہ کو گنجائش نہ رہی کہ سرخ کوٹ اور سیاہ لبادے والا مسافر، چور ڈاکو یا مارلنڈ کے جیسے کا نہ تھا، بلکہ نہایت شریف مشہور اور قابل جاسوس اسمتھ ارتھر تھا جس کی نسبت گولڈ لچھ، ہارنی نیز تمام اُن لوگوں نے جنھیں جنھیں مارلنڈ کے گمنام خط کا مضمون معلوم ہو سکا تھا اُنھوں نے ڈاکو اور خونی ہونے کا گمان کر کے شکرم پر جانے سے روک دیا تھا ۔"

اسمتھ ارتھر کو بخوبی علم ہو چکا تھا کہ کس طرح وہ ایک زبردست و چالاک حریف مارلنڈ کی جستجو میں زادِ

گھومتا رہتا تھا، بعینہٖ اسی عنوان سے مارلنڈ بھی اپنے بچاؤ کی تدبیریں اور اسمتھ آرتھر کے نیچا دکھانے کی کوششوں میں سرگرم کار تھا، یہی سبب تھا کہ اسمتھ آرتھر، کسی کو ساتھ لئے بغیر تن تنہا ایسے خطرناک سفر کے لئے کمر بستہ ہو کر شکرم کے ذریعہ سے روانہ ہوا تھا اس کا خیال تھا کسی کو ساتھ لینے سے راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ یقیناً مارلنڈ کو معلوم ہو جائے گا جس سے میرا سارا کیا دھرا خاک میں مل جائیگا، علاوہ ازیں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ وہ تنہا رہ کر ہر طرح کا روپ بدل سکتا تھا جو دوسرے کی ہمراہی میں اس کے واسطے بوجوہ چند قریب قریب ناممکن تھا!

گولڈ لتھ، ہارکی، مالک ہوٹل اور دیگر آدمیوں کا غیر مہذبانہ برتاؤ دیکھ کر اس کے دل کو سخت رنج پہونچا۔ لیکن وہ مجبور تھا، اس کے اختیار میں غلط فہمی کو رفع کرنا نہ تھا۔ اس صورت میں آخر وہ کیا کر سکتا تھا؟ سب کے قلوب اس کی طرف سے منحرف ہو رہے تھے کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اس کو مارلنڈ کے خط کی بنا پر خونی ڈاکو نہ سمجھ رکھا ہو!

شکرم اسے چھوڑ کر روانہ ہو گئی، وہ پرحسرت نگاہوں سے ایک کنارے کھڑا ہوا دیکھتا رہا، سراسر اس کے ارمانوں کا خون ہو رہا تھا، اس کی کوششیں کامیابی کے دروازے تک پہنچ کر ناکامیوں سے ہم آغوش کی جا رہی تھیں، مگر وہ زبان ہلانے کی بھی قدرت نہ رکھتا تھا! ہر چند اسے اس واقعہ سے مغلوب الغضب بھی دیا، لیکن وہ سمجھدار تھا۔ ضبط و تحمل اور غیظ و غضب کے مقامات جانتا تھا اس وقت تھوڑا غصہ بھی زہر تھا۔ معمولی انسانوں کی طرح بے محل غصہ کر کے اپنے بنائے کام کو بگاڑ دینا اس کا شیوہ نہ تھا عرصہ دراز کی مشق نے اس میں برداشت کا کافی مادہ پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ وقت پر غصہ کو شربت کے لذیذ و لطیف گھونٹوں کی طرح پی جانے کا عادی ہو رہا تھا، اسنے جو مسلک اختیار کیا تھا وہ دنیا کی شارع عام سے الگ تھا۔ ضرورت پر ہر طرح کی سختی برداشت کرنا وہ راستہ تھا جس کے ذریعے سے وہ بہت جلد کامیابی کے قریب ہو جایا کرتا تھا!

یہی وجہ تھی کہ آج بھی اس نے غصہ سے کام نہیں لیا۔ نہ اس ناکامیابی نے اس کی ہمت و استقلال میں فرق آنے دیا۔ بلکہ گولڈ لتھ اور ہارکی کا یہ طریقہ اس کے واسطے تازیانہ ہو گیا، اس نے کسی قدر زیادہ کوشش سے کام لینا شروع کیا!

سب سے پہلے اس نے اس مسئلے پر غور کیا کہ کیا وجہ تھی جو ان لوگوں نے میرے ساتھ ایسی سرد مہری کا برتاؤ برتا؟ غور و خوض کے بعد اس نے ہوٹل والوں سے اپنا راز ظاہر کر کے انھیں ہم خیال بنانے کی کوشش کی، لیکن مارلنڈ کی چال کارگر ہو چکی تھی، کسی نے اس کی باتوں پر اعتبار نہ کیا نہ اسے سرکاری جاسوس تسلیم

...اقفہ ہوئے!"

اسمتھ ارتھر نے ان لوگوں کا خیال تبدیل کرنے اور اپنے قول کی صداقت راسخ کرنے کے لئے بہت سی تدابیر سریع الاثر عمل میں لائیں، افسوس! کہ ان میں کوئی تدبیر بھی ان کے مشکوک دلوں کو اُس کی طرف سے صاف نہ کر سکی!"

ان لوگوں سے مجبور ہو کر وہ قریب کے تھانے میں گیا، اور وہاں کے پولیس افسر سے مل کر محکمۂ سراغرسانی کا سارٹیفکٹ دکھایا، جب پولیس افسر نے اسے پہچان لیا تو اپنی ساری رام کہانی بیان کی کہ کیونکر اور کس غرض سے اس نے لندن سے سفر اختیار کیا، کیوں، کس وجہ سے کوئن گر میں ڈوڈا کہ زن کو پھانسی کی سزا دی جائے گی؟ کس طریقہ پر لندن کی عدالت سے پھانسی دینے کے حکم نامہ وہاں جا رہے ہیں؟ وہ کیا وسائل ہیں جن سے مارلنڈ کو ان امور کا حال معلوم ہوا؟ اور کن طریقوں سے مارلنڈ نے راستے میں شکرم روک کر ان کاغذات کو اپنے قبضہ میں کر لینے کا عزم بالجزم کر لیا ہے؟ اور خود اسمتہ آرتھر کے عنوان سے شکرم کی حفاظت کے لئے گھر سے نکلا؟ اور مارلنڈ کے حملوں سے سب کو محفوظ رکھنے پر کمربستہ ہوا؟ وہ کیا مصلحت تھی جس کے لئے اس نے تنہا اس شکرم پر سفر کیا جس پر ڈاکوؤں نے چھاپہ مارنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے؟ آخر میں وہ فریب بیان کئے جس کے ذریعہ سے مارلنڈ نے اہل کاران ڈاک اور ہوٹل کے آدمیوں کو اس سے مشکوک کر دیا! اسنجر پولیس افسر سے بالتفصیل کل واقعات بیان کر دیئے۔"

پولیس افسر نے، اسمتہ ارتھر سے کل حالات معلوم کر کے بہت افسوس ظاہر کیا اور ان کی احمقانہ غلط فہمی پر رنجیدہ ہو گیا، وہ حقیقت میں سچا پولیس کا آدمی تھا، اپنے فرائض کو سمجھتا تھا محض حکومت کرنے اور غریب رعایا کو بھیڑ بکری سمجھ کر ظلم و ستم توڑنے کا عادی نہ تھا، اس لئے اپنا افسوس ظاہر کرنے کے بعد اسمتہ ارتھر سے شکرم کے بچاؤ کی تدبیر دریافت کی۔"

افسر پولیس:۔ "اب ہمیں کسی تدبیر سے گاڑی کو ڈاکوؤں کے حملہ سے بچانا چاہیئے۔"

اسمتھ ارتھر:۔ "کچھ نہیں، صرف ایک گھوڑا فراہم ہونا چاہیئے، جو نہایت تیز ہو۔"

افسر پولیس کچھ اور سوال کرنے والا تھا، لیکن اسمتہ ارتھر نے اسے کچھ کہنے سے روک دیا اور کہا۔

"یہ وقت زیادہ گفتگو کا نہیں خطرہ کا وقت سر پر کھڑا ہے! جو جو ٹائم گذرے گا شکرم ہم سے دور ہوتی جائے گی، میری واپسی پر جسقدر دریافت طلب امور ہوں گے، انھیں صاف کر لیجیئے گا۔"

افسر پولیس نے اس خواہش کو منظور کر لیا اور فوراً گھوڑے کے انتظام کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں برق رفتار گھوڑا ساز و سامان سے تیار کر کے پیش کیا گیا، اسمتہ ارتھر نے وقت ضائع نہ کی گھوڑے پر سوار ہو کر

تیزی سے اسی طرف روانہ ہوگیا، جدھر شکرم گئی تھی"

تخمیناً اسوقت رات کے ۱۱ بج چکے تھے۔ شکرم کم سے کم دس بارہ میل آگے بڑھ گئی ہوگی، اسمتہ ارتھر نے اپنی کے بھروسہ پر گھوڑے کو اس کی پوری قوت سے چھوڑ دیا، رات کے سناٹے میں اس کے ٹاپوں کی آواز سنسان جنگل میں مہیب سماں پیدا کر رہی تھی، پولیس آفس سے نصف میل گیا ہوگا کہ سامنے سیدھی سڑک نظر آئی - اسمتہ ارتھر نے وہی سڑک اختیار کی، شاید چند گز کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ سامنے سے سُرخ روشنی معلوم ہوئی، روشنی دیکھ کر اسے سخت تعجب ہوا، ان راستوں پر رات کے وقت کوئی پیادہ مسافر شاذ ہی دکھائی دیتا تھا، اور بجز قدرتی قندیل (ماہ) کے گورنمنٹ کی طرف سے روشنی کا کوئی بندوبست نہ تھا،، اسمتہ ارتھر کے تعجب کے ساتھ ہی گھوڑا بھی روشنی دیکھکر ٹھٹک گیا! چونکہ اسمتہ ارتھر کو شکرم تک پہنچنے کی تعجیل تھی اس لئے اپنے ایڑ دیکر اُسے پھر بڑھایا، لیکن اس کی رفتار کو قائم نہ رکھ سکا، کیونکہ سامنے ایک خوش جمال لڑکی لالٹین ہاتھ میں لئے کھڑی تھی، اسمتہ ارتھر جب قریب پہنچا تو اسنے لالٹین والا ہاتھ ہلا کر اسے گھوڑا روکنے کا اشارہ کیا۔

اس حالت میں اسمتہ ارتھر کو رُکنا اور آگے بڑھنے میں تاخیر کرنا سخت ناگوار تھا، پھر اس صورت میں ڈاک کے لٹ جانے کا ضرر رساں وقت سر پر موجود تھا، تاہم وہ چند لمحہ ٹھہرنے پر مجبور ہوگیا، ایسی رات ایسے مہیب سنسان جنگل میں نوعمر خوب صورت لڑکی کا تن تنہا کھڑا ہونا تعجب خیز تھا اور کسی امر کی خبر دیتا تھا، ان وجوہ سے مجبوراً اسے اپنا گھوڑا روکنا پڑا"

اُس خوب رُو لڑکی نے اپنے پاس سے ایک سربند لفافہ نکال کر اسمتہ ارتھر کے ہاتھ میں دیا، اور کہا "

"مہربانی فرما کر اس خط کو فرصت کے اوقات میں شروع سے آخر تک پڑھ لیجئے گا۔ اگر آپ کو ڈاک گاڑی تک جلد پہنچنے کی خواہش ہو تو سیدھی سڑک چھوڑ کر سامنے والی پگڈنڈی پر ہو لیجئے یہ راستہ کا بھر کاٹ کر بہت جلد آپ کو اس تک پہنچا دے گی، اگرچہ ایسے ہولناک وقت میں میرا اس طرح موجود ہونا شبہ سے خالی نہیں، تاہم میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ دوست ہوں، کوئی دشمن نہیں ہوں"

جملہ تمام کرتے ہی لڑکی چھلاوے کی طرح چوکڑی بھر کر جھاڑیوں میں غائب ہوگئی، اور اسمتہ ارتھر واقعہ کی نوعیت جاننے سے محروم رہا!

اسمتہ ارتھر عجب شش و پنج میں پڑا تھا، نہ تو سوچنے کا وقت تھا، نہ بے غور کئے اس کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا تھا، اس تازہ واقعہ نے اس کی عقل کو حیران کر دیا! بالآخر اسنے بہت جلد فیصلہ کر لیا اور ہرچہ بادا باد کہتا ہوا لڑکی کے بتائے ہوئے راستے پر چل کھڑا ہوا"

گھوڑا اپنی پوری رفتار سے راہ طے کر رہا تھا، یک ڈنڈی معمولی پگ ڈنڈیوں کی طرح پتلی اور دشوار

[illegible]، بلکہ کشادہ و ہموار تھی، جس پر گھوڑے کو گذرتے ہوئے کوئی زحمت نہ تھی۔ پگ ڈنڈی کے دونوں جانب کھیتا اور ہرا بھرا صحرا تھا، بڑے چھوٹے، گھنیرے درخت گذرگاہ کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھے، ان کی پتوں سے چاندنی چھن چھن کر راستے کو منقش کر رہی تھی۔"

پگ ڈنڈی سڑک کی طرح خطِ استوا معلوم نہ ہوتی تھی بلکہ اس کے خلاف سرسبز کھیتوں کے درمیان سے گھومتی پھرتی ہوئی ایک جانب چلی گئی تھی۔"

اسمتہ ارتھر کو بجز لڑکی کی باتوں پر نہ تو بالکل ہی بے اعتباری تھی، نہ پورا پورا بھروسہ ہی کر لیا تھا، بلکہ اپنی دھن اور شکرم تک پہنچنے کی کوشش میں اس نے غور کرنے کی ضرورت ہی خیال نہ کی تھی اور یہ خیال کر کے کہ اکثر دیہاتی لڑکیاں اور لڑکے ایسے آسان اور نزدیک راستوں سے واقف ہوتے ہیں جو بہت جلد پھیر کاٹ کر منزلِ مقصود تک پہونچا دیتے ہیں، اسی خیال کی وجہ سے اسنے بلا پس و پیش لڑکی کی بتائی ہوئی راہ اختیار کر لی تھی۔"

علاوہ بریں لڑکی کا مشورہ مان لینے میں ایک خاص مصلحت یہ بھی تھی کہ شاہراہ عام تخمیناً دس میل دور تک سیدھی چلی گئی تھی، اس کے بعد ایک جانب مڑی تھی، وہ موڑ بہایت طول و طویل تھا، برخلاف اس کے پگ ڈنڈی کچھ دور جا کر موڑ سے مل گئی تھی اور کئی میل کی مسافت گھٹا دی تھی، انھیں اسباب پر نظر کر کے اسمتہ آرتھر نے سڑک چھوڑ کر پگ ڈنڈی پر چلنا پسند کیا تھا، تخمیناً تیس چالیس منٹ گھوڑا پگ ڈنڈی پر دوڑتا رہا۔ اس کے بعد بڑی سی چڑھائی ملی۔"

ہنوز پوری چڑھائی طے نہ ہوئی تھی کہ پستول دغنے کی آواز آئی! اسمتہ ارتھر نے فوراً گھوڑے کی باگ کھینچی اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر منظر پر نظر کی پھر سامنے کی طرف دیکھ کر واقعات پر غور کیا، ایسا معلوم ہوا سڑک بالکل ہی قریب آگئی ہے۔ ریوالور کے دغنے کی آواز ظاہر کرتی ہے، اسی مقام پر شکرم لوٹی جا رہی ہے! لیکن وہ بغیر موقعہ واردات کو دیکھے اور دوست دشمن کی تمیز کئے یا اپنی حفاظت کی تدبیروں پر غور کئے ہوئے ایسے خطرناک مقام پر کیونکر جا سکتا تھا؟ اس لئے اسمتہ آرتھر نے سڑک کے کنارے گنجان درختوں کی آڑ میں چھپ کر پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کر حالات معلوم کئے، گھوڑے کو ایک مخفی جگہ اس خیال سے باندھ دیا کہ اس کی ٹاپوں کی صدا دشمنوں کو ہوشیار نہ کر دے، چند گام آگے بڑھنے پر شکرم کی لالٹین کی روشنی میں گاڑی کے قریب ایک سوار کھڑا دیکھا۔"

یہ وہ وقت تھا جب گریس گوری نے پستول داغ کر مارلنڈ کو زخمی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، جس کے دغنے کی آواز اسمتہ ارتھر نے گنجان جنگل میں چند لمحہ قبل سنی تھی، اس واقعہ کے بعد ہی مارلنڈ

کی گولی نے گرے گوری کے پاؤں کو مجروح کر دیا تھا اور وہ اپنے آپ کو مُردہ سمجھ کر وسط سڑک پر آنکھیں بند کرکے بے حس و حرکت ہو کر لیٹ گیا تھا، اور مارلنڈ فتح یاب سپہ سالار کی طرح اپنے جانباز ہمراہیوں کو لے کر وہاں سے چلا تھا، ہنوز موقعہ واردات سے آگے نہ بڑھا تھا کہ اسمتھ ارتھر قضائے مبرم کی طرح جا پہونچا اور اسکی داغی ہوئی تین گولیاں یکے بعد دیگر مارلنڈ کے کان کے پاس سے سنسناتی ہوئی گذر گئیں۔"

گولیوں سے بچکر مارلنڈ غضب ناک شیر کی طرح جدید حملہ ور کی طرف لپکا، اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر اسمتھ ارتھر نہایت پھرتی سے ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جہاں چھوٹی چھوٹی پُر از برگ شاخوں نے اُسے اپنی آڑ میں پناہ دیکر قوی تن دشمن کی نگاہوں سے مخفی کر دیا، مارلنڈ نے تھوڑی دیر ادہر اُدہر اس کی تلاش جاری رکھی، مگر رات کے جبکہ چاند پر لکۂ ابر چھائے ہوئے تھے گنجان جھاڑیوں میں چالاک جاسوس کو ڈھونڈھ نکالنا آسان نہ تھا، خود مارلنڈ کو بھی غور کرنے کے بعد دشواریاں نظر آنے لگیں اور وہ انتقام کے عزائم کو کسی اور وقت پر منحصر کر کے جنگل سے نکلکر پھر سڑک پر آگیا، اس کی مہیب پر جلال صورت دیکھکر ایک مرتبہ پھر ستم دیدہ مسافر داری کے قلوب کانپ گئے! لیکن مارلنڈ نے تنکرم یا سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے مسافروں کی طرف توجہ کر لیا۔ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا ایک سمت چلا گیا۔"

اسمتھ ارتھر بھی کھٹکا رفع ہونے کا خیال کرکے درخت سے اُتر کر سڑک پر آگیا اور گولڈ اسمتھ ہارلی کو طنزیہ طور پر سلام کرکے بولا۔"

"کیوں! بغیر سوچے سمجھے کام کر گذرنے کا انجام دیکھا؟ مجھے تو لندن ہی میں اس ڈاکہ کا راز معلوم ہو گیا تھا۔"

کوچوان، گارڈ، اور تمام مسافر بہادر و پختہ کار جاسوس کو چاروں جانب سے گھیر کر کھڑے ہو گئے ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی داستان سُنانے لگا، جتنے مسافر تھے، سب نے کوچوان اور گارڈ کو خوب لتھاڑا، سارا الزام انھیں دونوں کے سر رکھ دیا، پھر اسمتھ ارتھر سے بمنت تنکرم پر سوار ہو کر سفر کرنے کی التجا کی۔"

اسمتھ ارتھر کو وہ واقعہ یاد آگیا جس کی غرض سے اس نے سفر کی زحمتیں برداشت کی تھیں، ڈوڈ ا کو ڈسٹرکٹ کو علی الصباح ۷ بجے پھانسی دی جانے والی تھی، پھانسی کے حکم نامہ ابھی تنکرم پر بذریعہ پوسٹ کولن گرجا رہے تھے، اس نے ہارلی کو قریب بُلا کر ڈاک کے متعلق دریافت کیا۔"

"کیا مارلنڈ نے ڈاک کے تھیلوں کو کھولا تھا؟"

ہارلی "جی ہاں۔"

ہارلی کے "ہاں" کہنے پر اسمتھ آرتھر کو نہایت قلق ہوا، اُس نے سمجھ لیا جس کام کا بار اُس پر رکھا گیا تھا

تھا اور...ن کو نہ پہنچ سکا! خودبخود ایک سوال اس کی زبان پر آ گیا۔"

"اب کس عنوان سے صبح سات بجے سے قبل کولن گر پہنچنا چاہئیے؟"

گاڑی اگر اپنی پوری رفتار سے راستہ طے کرتی رہتی اور درمیان میں کسی واقعہ کی وجہ سے ٹھنا نہ پڑتا تو البتہ صبح ۶ بجے کولن گر پہنچ سکتی تھی۔ سوئے اتفاق سے نیو مارکٹ قصبہ میں ۳۰ منٹ لیٹ پہنچی تھی، اور یہاں تو پورے دو گھنٹے لیٹ ہوگئی، اس حالت میں کیوں کر کولن گر وقت مقررہ پر پہنچنے کی اُمید کی جاسکتی ہے؟"

یہ خیالات تھے جو آناً فاناً میں اسمتھ ارتھر کے قلب دماغ پر مستولی ہو کر غائب ہو گئے، اس نے مسافروں کی درخواست کو عنوان شائستہ سے مسترد کر کے ان لوگوں کو پھر سفر پر تیار کیا اور شکرم پر سوار کر کے کولن گر کی طرف روانہ کر دیا۔ اس کے بعد خود جنگل میں داخل ہوا، جس جگہ گھوڑا باندھ گیا تھا وہ وہیں بندھا تھا، اسکی ...کر گردن پیار سے تھپ تھپائی اور درخت کے تنے سے باگ ڈور کھول کر سڑک پر لایا، پھر اس کی ...یری کے ساتھ کولن گر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۳۰ منٹ سُستانے سے گھوڑا پھر تازہ دم ...منزل مارنے کی پوری قوت آگئی تھی۔ اسوقت رات بھیگ چکی تھی، اسمتھ ارتھر گھوڑے کو ...ٹ بھگاتا ہوا پندرہ میل والی چوکی پر پہنچا۔ اور وہاں کے انچارج سے ملکر اپنا کُل واقعہ مختصر الفاظ میں ...ان کیا اور اپنا گھوڑا اس کی حفاظت میں چھوڑ کر اس کے عوض میں دوسرا تیز رفتار گھوڑا لیا اور صبح ۶ بجے ...کولن گر پہنچ گیا۔"

واقعات نے وہاں اُس کے لئے جو خبریں مُہیا کر رکھی تھیں، ان کے گوش گذار ہوتے ہی اس کا حوصلہ پست ہو گیا! اب تک دشمن کو نیچا دکھانے میں، اس نے جس محنت شاقہ سے کام لیا تھا وہ بار ور نہ ہو سکی، ہر مقام، ہر موقعہ پر دشمن کی نمایاں فتح نظر آئی! کولن گر کے پولیس افسر نے اُس کی صورت دیکھتے ہی افسوسناک انداز سے کہا۔"

"مسٹر اسمتھ ارتھر! نہایت افسوس ہے، آپ نے نہایت عرق ریزی و جاں کاہی سے جن دو مجرموں کو گرفتار کر کے عدالت سپرد کیا تھا اور حکام نے بالاتفاق آرا اُن کے واسطے پھانسی کی سزا تجویز کر کے یہاں کے جیل میں بھیجا تھا آج علی الصباح وہ دونوں ڈاکو بجبر چھین لئے گئے! مارلنڈ نے ہم لوگوں کو غافل پاکر جیل پر چھاپا مارا، چند سنتری جو دروازہ پر پہرا دے رہے تھے ہر چند انھوں نے پوری بہادری و پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن ڈاکوؤں کے گروہ نے اپنی کثرت اور پُر جوش حملوں سے مجروح کر کے قابل مدافعت نہ رکھا اور جیل سے اپنے ساتھیوں کو نکال لے گئے۔"

اسمتھ ارتھر کے چہرے سے شکستگی کے آثار رُونما ہوئے، دل سینے میں تڑپنے لگا، اب تک اپنے ڈاکہ زنون

کے مقابل مین جس قدر کامیابی حاصل کی تھی اسی طرح برباد ہو گئی! اسنے دلی صدمات ظاہر کرتے ہوئے جوابدیا
"آہ! رہی سہی امید دل کا بھی اس تقریر نے خاتمہ کر دیا!"

افسر پولیس "گھبرا کر" کیا راستہ مین بھی کوئی واقعہ پیش آیا؟ ڈاک کی گاڑی کہان ہی؟ آپنے گھوڑے پر اتنا بڑا سفر کس غرض سے اختیار کیا؟"

اسمتھ ارتھر - مہربانی فرما کر پہلے آپ اپنا قصہ دوہرا جائے پھر مین بھی اپنی رام کہانی سنا دوں گا۔

افسر پولیس - اصل واقعہ یہ ہی، شب گذشتہ مین اپنا چارج دینے کے بعد استراحت کے لئے اپنے گھر گیا، جو یہاں سے قریب اور اسی امارت سے متعلق ہی۔ تخمیناً صبح کے ساڑھے چار بجے ہون گے، ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا پولیس اسٹیشن آیا۔ اسوقت موجودہ افسر دفتر مین بیٹھا ہوا مستعدی سے اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا تھا، ایک سنتری دفتر کے سامنے بندوق کاندھے پر رکھے پہرا دے رہا تھا، گھوڑے سوار نے سنتری کے قریب آکر اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا "مجھے پولیس افسر سے نہایت ضروری بات کرنا ہے، فوراً ملنا چاہتا ہون" سنتری نے اس کے حکم کی تعمیل کی، کارڈ لے جا کر افسر پولیس کو دیا، اسنے کارڈ پڑھنے کے بعد اُسے فوراً طلب کر لیا۔

اسمتھ ارتھر "وہ کارڈ کس کے نام کا تھا؟"

پولیس افسر "آپکے نام کا!"

اسمتھ ارتھر "میرے نام کا! اچھا پھر کیا ہوا؟"

پولیس افسر "اس سوار نے اپنے آپ کو مسٹر اسمتھ آرتھر سراغ رسان بتا کر کہا "مجھے دونون مجرمون سے آرلنڈ کے متعلق چند سوالات کرنا ہین" مزید اطمینان کے لئے ڈیٹیکٹو محکمہ کا سارٹیفکٹ بھی دکھا دیا"

اسمتھ ارتھر "تعجب سے" کیا مارلینڈ نے میرا سارٹیفکٹ بھی جعلی بنا لیا!"

پولیس افسر "جی ہان، یہان سوا میرے آپ کو اور کوئی نہین پہچانتا! یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے فریب مین کامیاب ہو گیا، سارٹیفکٹ دیکھنے کے بعد کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی، افسر پولیس نے ایک سنتری کو جیل کی کنجی دے کر حکم دیا کہ مسٹر اسمتھ ارتھر کو دونون مجرمون کے پاس پہنچا دیا جائے" جیل پہنچنے کے بعد مارلینڈ نے اپنے ہمراہیون کی مدد سے سنتریون کو زخمی کر کے دونون مجرمون کو رہا کر دیا"

اسمتھ ارتھر، اپنے حریف کی اتنی چالاکی، ایسی تیزی، بے جگری اور شجاعت دیکھ کر حیران رہ گیا! تھوڑی دیر بعد جب حیرت و استعجاب کا زور گھٹا تو پولیس افسر کو اپنی سرگذشت سے مطلع کیا، اور وہ تمام واقعات بیان کر دئے جو لندن سے کوکن گر تک پہنچنے مین پیش آئے تھے"

۶

"جاسوس کی عیاری"

پُر بہار دنوں میں نارویچ کی چھوٹی بڑی، اعلیٰ ادنیٰ مخلوق اپنے قلوب میں شادمانیوں کا جوش، خوشی اور کیف و سرور محسوس کر رہی ہے، جن دنوں برف پوش پہاڑیاں لباس سفید اُتار کر حلّۂ سبز سے مزین ہوتی ہیں، پوری آبادی جو اب تک برودت فصل سے دبی دبائی بیٹھی ہوتی ہے ایک مرتبہ آفتاب کی سنہری شعاعوں کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اور گرد و پیش کے دل فریب مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے دس دس بیس بیس کوس کے فاصلے پر بیوی بچوں اور دوست احباب کے ہمراہ سیر و تفریح کی غرض سے نکل جاتی ہے"

یہی وہ دل فریب زمانہ ہوتا ہے، جب آسمان ہر طرح کے گرد و غبار، اَبر اور کُہرے سے صاف رہتا ہے دن کو آفتاب اپنی نورانی شعاعوں سے کوہ و صحرا باغ و دریا کے مناظر پر سنہری پانی پھیرتا ہے تو شب کو مہتاب ٹھنڈی ضیا باریوں سے نوع انسانی کے قلوب میں کیف سرور اور امنگیں بھر دیتا ہے، جگہ بہ جگہ جشن منائے جاتے ہیں، دس دس پانچ پانچ کی ٹولیاں قدرتی سینریوں سے قلب و دماغ کو تسکین دینے اور تفریح حاصل کرنے میں مشغول پائی جاتی ہیں۔

نارویچ! قرب و جوار کے زندہ دلوں سے پُر ہے، یہاں گاڑیوں کا اڈّا مسافروں کی کثرت سے بھرا رہتا ہے۔ روزانہ آنے جانے والے مسافر کثیر تعداد میں جمع رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ مقام جنکشن ہے، کئی طرف کو ٹرینیں گئی ہیں، اور مقررہ اوقات میں ہر مقام پر گاڑیاں روانہ ہوا کرتی ہیں اور ہر طرف سے آنے والی ڈاک اور گاڑیاں یہیں آکر قیام کرتی ہیں۔ اسٹیشن کے قریب ہی مختصر سا مسافر خانہ بھی بنا دیا گیا ہے، جہاں وہ مسافر جنھیں دو چار گھنٹے آرام کرنے یا کسی دوسری گاڑی کے آنے جانے کا انتظار کرنا ہوتا ہے، ٹھہر کر آرام اور انتظار کرتے ہیں، مسافر خانے کے پہلو میں ٹکٹ آفس ہے، ٹکٹ آفس میں رات دن کام کرنے والے کلرک موجود رہتے ہیں جو مسافروں سے ٹکٹ لینے اور دینے میں تھوڑی سی تاخیر بھی روا نہیں رکھتے۔

یہی وہ اسٹیشن ہے جہاں لندن سے آنے والی گاڑیاں قیام کرتی ہیں انھیں گاڑیوں میں سے ایک گاڑی کا نوجوان گولڈ ہلیتھ اور گارڈ یا محافظ ہاربی ہے، جو ہمیشہ لندن سے نارویچ اور نارویچ سے لندن آیا جایا کرتے ہیں، اس اسٹیشن کے قریب ہی نیو مارکٹ کی طرح ایک ہوٹل بنا ہے جو مسافروں کے قیام اور

خوراک میں سہولیت پیدا کرتا ہے، بہار کے زمانے میں یہ ہوٹل بھی اکثر بھرا ہی رہتا ہے اور دیر کر کے آ
کو مشکل سے کوئی مختصر سا کمرہ بھی مل سکتا ہے۔ عہد بہار کے علاوہ بھی نارویچ میں اکثر مسافروں کی آمد و
جاری رہتی ہے، اس لئے اسنے ترقی کرتے کرتے شہریت حاصل کر لی ہے: اکثر تاجروں نے مستقل طور پر
سکونت اختیار کر کے کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اور اب اس قصبہ کی جو حالت ہے اسے دیکھتے ہوئے کبھی قصبہ
نہیں کہا جا سکتا، بلکہ چھوٹا سا شہر کہنا زیبا ہے۔ اس کی آبادی نہایت منظر رہا ہے نازک نازک دو منزلی
عمارتیں، جن میں اینٹ اور چونے کے بجائے زیادہ تر لکڑیوں سے کام لیا گیا ہے، اپنی نوعیت و دلکشی
کے لحاظ سے بہت ہی خوب صورت معلوم ہوتی ہیں، باشندے سادہ مزاج تکلف سے محترض، صاف اور
نیک دل ہیں۔

آج نارویچ کی بازاروں میں خلاف معمول کہیں سے ایک دیوانہ آگیا ہے، جو اپنی بے سرو پا تقریروں
سے راہ گیروں کو ہنساتا پھرتا ہے، گلی، گلی، سڑک، سڑک، محلے محلے کودتا اچھلتا اور بکتا پھرتا ہے، کبھی
آپ ہی غصہ کرتا ہے۔ کبھی ہنستا اور گاتا ہے، کبھی رونے لگتا ہے، شہر کے نوعمر لڑکوں کو نعرے دار مشغلہ ہاتھ
لگا ہے۔ آٹھ آٹھ نو نو برس کے بچے اس کے پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے چیختے پکارتے اور چھیڑتے ہوئے سڑکوں
پر دوڑتے پھرتے ہیں، دیوانے کے منہ پر کسی نے سرخ رنگ مل دیا ہے کسی بچے نے دوات کی روشنائی
جو پھینکی ہے تو اس کے پھٹے پرانے کپڑے جابجا سے رنگین ہو گئے ہیں، مگر دیوانے کو مطلق ہوش نہیں وہ
اپنی دھن میں مگن ہے۔ نہ سر پر ٹوپی ہے نہ پاؤں میں جوتا! کوٹ کا ایک دامن کسی سخت چیز سے الجھ کر
نچ گیا ہے، آستین جابجا سے چاک ہو گئی ہے، پتلون کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے!

معلوم ہوتا ہے کسی چونے کی بھٹی پر بھی گذر ہو گیا ہے کیونکہ ہاتھ پاؤں چونے میں لتھڑے ہوئے ہیں یہ
راستے میں جو شریف جنٹل مین مل جاتے ہیں تو دیوانہ کبھی اُن کی طرف دیکھ کر منہ چڑاتا ہے، کسی کو دیکھ کر ہنس
دیتا ہے اور کسی کے سامنے جا کر دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ ایسی مضحک حرکات کرتا ہے کہ بے اختیار ہنسی آجاتی
ہے! اگر کوئی لیڈی سامنے سے گذر جاتی ہے تو اس سے بغیر چند بیہودہ سوال کئے پیچھا نہیں چھوڑتا۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے، پاگل کیساتھ لڑکوں کا مجمع بڑھتا جاتا ہے۔ پہلے دو چار تھے پھر دس بیس
ہوئے اور اب پچاس ساٹھ لڑکوں سے کم نہیں! وہ سب مختلف عادتوں کے موافق چھیڑتے اور ستاتے
ہیں، دیوانہ اُن کے ستانے کا زیادہ خیال نہیں کرتا، جب لڑکے پتھروں سے اُس کو جسمانی ایذا پہنچاتے
ہیں تو دھمکی کے طور پر اُن کی طرف گھونسہ تان کر دوڑتا ہے، جب لڑکے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں تو تالیاں بجا بجا
کر ہنسنے لگتا ہے۔ مایہ بساط میں صرف ایک ٹین کا ڈبہ ہے، بھوک لگنے پر کسی نانبائی کی دکان پر تھوڑی

دردِ دل روٹی مانگ لیتا ہے اور پیاس معلوم ہوتی ہے تو اسی ڈونگے میں پانی بھر کر پی لیتا ہے، گویا ایسے دیلے وہ ڈونگا بیش بہا چیز ہے، جسے ایک منٹ کے واسطے بھی ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ صبح سے شام تک بازاروں میں دیوانہ گھومتا پھرتا ہے، اب تک اس سے کوئی فعل ایسا سرزد نہیں ہوا جس سے راہگیروں کو تکلیف یا دوکانداروں کو نقصان پہنچا ہو جس کی بنا پر پولیس کو دست اندازی کی ضرورت محسوس کرنا پڑے، لیکن جب لڑکوں نے مذاق مذاق میں اس کو بہت زیادہ پریشان کرنا شروع کیا تو اس کا جوش جنون کسی قدر زیادہ تیز ہوگیا، اور بعض بعض دوکانداروں کو نقصان پہنچانے لگا، جب بگڑ کر ڈھیلا پھینکتا تھا تو کبھی کبھی کسی راہگیر کو بھی خفیف سی چوٹ آجاتی تھی، یا کسی دوکاندار کی کوئی چیز گر کر ٹوٹ جاتی تھی۔

اسی طرح پاگل کئی راستوں سے گذرتا ہوا ایک مٹھائی والے کی دوکان میں گھس گیا، اتفاق سے دوکاندار اس وقت چند خریداروں سے بات چیت میں اُلجھا ہوا تھا، اسنے دیوانے کو دوکان میں داخل ہوتے بالکل نہ دیکھا اور دیوانہ خاموشی کے ساتھ ایک گوشہ میں جاکر کھڑا ہوگیا، شاید اسوقت وہ بھوک سے بیتاب ہو رہا تھا، کیونکہ اسنے بے تکلفی کیساتھ ٹین سے مٹھائی کی ڈلیاں نکال نکال کر کھانا اور ادھر اُدھر پھینکنا شروع کردیں، شریر بچوں نے دوکان میں بھی اس کی جان نہ چھوڑی جس میں نے ملکر یورش کی، اسنے ٹین سے ایک مٹھی مٹھائی لے کر ان کی طرف اچھال دی، غل و شور سُن کر دوکان دار نے اس طرف توجہ کی اور دیوانہ کو دیکھ کر نکالنے کی غرض سے لپکا، دیوانہ بھی ہنستا ہوا بھاگا، اُس کا پاؤں ایک میز میں اُلجھا جس سے میز اُلٹ گئی اور اسپر جو کچھ سامان موجود تھا زمین پر گر کر خراب ہوگیا، لیکن دیوانے نے کچھ خیال نہ کیا لڑکھڑاتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا"۔ ہنوز بازار میں نہ پہنچ سکا تھا کہ مالک دوکان نے دوڑ کر ہاتھ تھام لیا، اور غصہ میں بھر کر ہنٹروں سے مرمت کرنے لگا، کیونکہ وہ بجز اس انتقام کے دیوانے سے نقصان کا عوض لینے پر قادر نہ تھا، چوٹ بُری ہوتی ہے صحیح الدماغ اور دیوانے یکساں متاثر ہوتے ہیں، دو چار ہنٹر تک تو دیوانہ ہنستا رہا جب برق دم مشین کی طرح دوکاندار کا ہاتھ چلا تو اسنے چیخنا چلانا شروع کیا۔ دیوانے کے رونے کی آواز سُن کر بہت سے لوگ دوکان کے سامنے آکر جمع ہوگئے، بعض خدا ترس آدمیوں نے نہایت مشکل سے سمجھا بجھا کر دوکاندار کو ہنٹر چھکارنے سے روکا اور دیوانے کی جان بچائی"۔

دوکاندار نے ہنٹر مارنا تو موقوف کردیا مگر اب تک دیوانے کا ہاتھ نہ چھوڑا تھا، اسنے دیوانے کو پولیس میں دینے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا۔ سو ابھی کانسٹبل نہ آنے پایا تھا کہ ایک شریف الوضع امیر آدمی وہاں پہنچ گیا

دوکاندار کو غصہ سے بے آپے دیکھ کر بولا۔"
"کیا ہوا کیا؟ کیوں بے چارے غریب کو مارتے ہو؟ جانے بھی دو۔"
دوکاندار کا غصہ فرو نہ ہوا تھا، غیظ میں تھر تھرا رہا تھا، اسنے جو ایک حماتی کو اس طرح باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو جھلا کر جواب دیا۔"
"آپ کیا خدائی فوجدار ہیں جو دخل در معقولات دینے آئے ہیں؟ میں تو اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا اسنے میرے بیس روپیہ کا نقصان کر دیا ہے، جب تک روپیہ وصول نہ کر لوں گا ہرگز نہ چھوڑوں گا، اگر نہ دے گا تو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"
جنٹل مین کو دوکاندار کی گستاخانہ گفتگو ناگوار گذری لیکن غصہ ضبط کر کے منی بیگ سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر دوکاندار کے حوالے کئے، نوٹوں کو توڑ مروڑ کر جیب میں رکھتے ہوئے دوکاندار نے دیوانے کا ہاتھ چھوڑ دیا، غریب پاگل ضرورت سے زیادہ مار کھا چکا تھا اور اب جنوں کے آثار بہت ہی کم کم ظاہر ہوتے تھے، چوٹ اور درد کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں، جس شریف آدمی نے اُسے اس بڑے عذاب سے نجات دلائی تھی وہ بار بار شکر گذاری کے طور پر اسے دیکھتا اور سلام کرتا تھا، اور یہ بہترین طریقہ تھا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی ممنونیت ظاہر کر سکا ورنہ دماغ کی خرابی نے عرصہ ہوا کہ شائستہ الفاظ فراموش کرا دیئے تھے اور اب وہ اپنا ما فی الضمیر ادا کرنے میں اس بچے سے زیادہ مجبور تھا جس کی زبان سے بمشکل ٹوٹ پھوٹ کر چند الفاظ نکل سکتے ہیں! چند بار دیکھنے کے بعد دیوانے کی نگاہ پھر ان لڑکوں سے دوچار ہوئی، جنھوں نے دل لگی دل لگی میں اس کی ایسی گت بنوا دی تھی، وہ کانپ گیا کیونکہ اب لڑکوں کی ہیبت نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ کسی طرح جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ بے یار و مددگار ان کے درمیان سے گذر سکے، اسنے اسی شریف آدمی سے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔" "حضور! مجھے اس شریر گروہ سے بچائیے" یہ لوگ میری جان لے لیں گے!"
شریف آدمی نے اس کی التجا سُن کر شریر لڑکوں پر تیز و تند نظر ڈالی جس سے خائف ہو کر سب کے سب تتر بتر ہو گئے، مجمع چھٹنے کے بعد وہ دیوانے کو اپنے ساتھ لے کر ایک طرف چل کھڑا ہوا، دیوانہ بہت دُور تک اس کے ساتھ چلا گیا، مگر لڑکوں کا خوف دل سے محو نہ ہوا تھا، بار بار پیچھے مڑ مڑ کر تعاقب کرنے والوں کو دیکھتا جاتا تھا، لیکن لڑکوں کو اس شخص کا ڈر تھا جس کے ساتھ دیوانہ جا رہا تھا اس لئے کسی نے دیوانے کو پریشان کرنے کی جرأت نہ کی، جو جدھر سے آیا تھا چلا گیا، اور میدان بالکل صاف رہ گیا۔ کسی کو تعاقب میں آتے نہ دیکھ کر دیوانہ وہاں کھڑا ہو گیا، شریف آدمی کے جلو میں ایک اور شخص بھی

جب قریب بلاکر اسنے تحکمانہ انداز سے کہا۔

"فب! اسے ہوٹل میں لے جاؤ۔ دیکھو اس بے چارے کے کھانے پینے کا انتظام کردینا، معلوم ہوتا ہے اسے آرام کرنے کا موقعہ نہیں ملا ہے کسی خالی کمرے میں سونے کا بندوبست بھی کردینا، استراحت کرنے سے یقین ہے طبیعت سنبھل جائے گی، چند گھنٹوں کی نیند کے بعد بیدار ہوکر جب باہر آئے گا اسوقت اس کے علاج کی فکر کیجائیگی۔"

فنب "بہت خوب! یہ شخص ہمارے کاموں کے واسطے بہت مفید ثابت ہوگا۔"

فنب نے ادب آموز انداز میں مذکورہ بالا جملے کہے اور دیوانے کو ہاتھ کے اشارے سے راستہ بتا کر اُس کے پیچھے ہولیا۔

فب اصل میں مارلنڈ کا معتبر آدمی تھا، مارلنڈ گاڑی پر چھاپہ مارنے کے بعد ناروچ آیا اور وہ کارروائیاں کرنے کے بعد جن کا تذکرہ ابتدائی ابواب میں حوالہ قلم ہوچکا ہے، ایک ہوٹل میں دو تین کمرہ کرایہ پر لے کر سکونت اختیار کی، اسی ہوٹل میں بیٹھکر وہ روزانہ احکام جاری کرتا اور اپنے پیرووں کو ڈاکہ زنی کی ہدایتیں بھیجا رہتا ہے، جو لوگ ناروچ کے ہوٹلوں میں قیام پذیر ہوتے ہیں اُن کے حالات دریافت کرنا اور لوٹنے کی تدابیر پر غور کرکے عمل درآمد کرنا یہیں طے پاتا ہے، جہاں کوئی لارڈ بیرنٹ یا ڈیوک آیا اور وہ بذات خود اس کے پیچھے لگ گیا۔

مارلنڈ جہاں شجاعت و بسالت میں بے نظیر تھا وہاں لباس تبدیل کرنے اور صورت بدلنے میں بھی کمال مہارت رکھتا تھا، اس کا معمول تھا کبھی اپنی اصلی صورت میں نہیں رہتا تھا، کسی نے کسی صورت میں دیکھا تھا، اور کوئی کسی صورت میں پہچانتا تھا، یہ ایسی بے نظیر چال تھی کہ اب تک کوئی اس کو شناخت نہ کرسکا تھا خصوصاً جب وہ اصلی صورت میں گھومتا پھرتا دیکھا جاتا تو کسی کو مارلنڈ کا شبہ تک نہ ہوسکتا تھا! جب وہ باہر نکلتا نئی وضع اور نئی صورت میں ہوتا اگر صبح سے شام تک سو بار گھر سے نکلنے کی ضرورت پیش آتی، تو سو آدمیوں کی وضع قطع اختیار کرتا تھا، خود اس کے گروہ والے بھی اس کی اصلی صورت نہ جانتے تھے، لیکن اسمتھ ارتھر ہی ایک ایسا شخص تھا جسنے سالہا سال کی کوشش کے بعد مارلنڈ کی اصلی صورت دیکھی تھی اور جہاں کہیں اُسے اصلی صورت میں دیکھتا تو شناخت کرسکتا تھا۔

مارلنڈ جب بھیس بدلتا تھا تو کیسا ہی نظر باز کیوں نہ ہو لیکن شناخت نہ کرسکتا تھا کہ یہ شخص بہ تبدیل ہیئت ہمارے سامنے آیا ہے! البتہ خود مارلنڈ کو بھی اسمتھ ارتھر سے خوف تھا وہ جانتا تھا، ایک شخص دنیا کے پردے پر ہے جو مجھے ہر صورت اور ہر لباس میں پہچان سکتا ہے!

بہرطور یہ ہوٹل ہی مارلنڈ کے لئے ایسا محفوظ قلعہ تھا جہاں بیٹھکر وہ آئندہ روند کی خبریں منگاتا اور موقعہ ملنے پر غفلت کی حالت میں اُن لوگوں پر ہاتھ صاف کرکے اپنی جیبیں بھرتا تھا۔

رات کے ۹ بج چکے تھے مارلنڈ اپنے چند بے تکلف ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا کچھ باتیں کر رہا تھا، پہلو والے کی
مختصر سے کمرے میں دیوانہ لیٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا، وہ جب سے مارلنڈ کا مہمان ہوا تھا برابر سو ہی رہا تھا،
مارلنڈ اور اس کے ساتھیوں کو بظاہر اس کی طرف سے کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا، مارلنڈ نے بغیر کسی رکاوٹ کے
کہا:"

"فب:۔ اسمتھ آرتھر کا کچھ پتہ چلا؟"۔

فب:۔ اگرچہ اب تک ہماری جستجوئیں ناکام رہیں، اس کا سراغ اب تک نہ چل سکا، تاہم کہا جا سکتا
ہے وہ یقیناً ناروچ میں موجود ہے۔"

مارگریٹ:۔ اوہ! وہ بڑا چالاک ہے، بھوت ہے بھوت! شہر کیا معنے؟ عجب نہیں جو اسی ہوٹل میں
موجود ہو!"

مارلنڈ:۔ تم تو صرف ہوٹل ہی کہتے ہو، میرا خیال ہے، وہ ہماری تلاش میں انھیں کمروں میں سے کسی
کمرہ میں چھپا بیٹھا ہوگا۔"

مارگریٹ:۔ تعجب سے "انہیں کمروں میں؟"

فب۔ اگر ہوا جب تو یہ مخبوط الحواس ہی اسمتھ آرتھر ہے!"

مارلنڈ:۔ مسکرا کر:۔ اس نے خوب عیاری کی تھی، لیکن یہ نہ جانتا تھا کہ میں رات دن اس کی فکر
میں رہتا ہوں، کبھی اس کے خیال سے خالی نہیں رہتا۔"

مارگریٹ:۔ اگر ہمارا خیال سچ ہے، تو اسے آج ہی، جب رات اپنی سیاہ چادر بطور شبنمی کے ناروچ
پر کھینچ دے، سب مل کر اس کا خاتمہ کر دیں، کہ ہمیشہ کے واسطے فتنہ دب جائے۔"

مارلنڈ:۔ توبہ توبہ! میں اس قدر بزدل کمینہ نہیں ہوں کہ دشمن کو پناہ بھی دوں اور دغا سے قتل
کر ڈالوں۔ مارگریٹ! کیا تم مجھے اس سے زور بل میں کم سمجھتے ہو؟ میں بہادر ہوں اور بہادروں کی طرح
مقابلہ کر کے حریف پر فتحیاب ہونا پسند کرتا ہوں۔ یہ کبھی نہ ہوگا اسے بستر خواب پر غافل پاکر چھری سے ذبح
کر ڈالوں۔"

مارگریٹ:۔ تو کیا اسے چھوڑ دینے کا قصد ہے؟"

مارلنڈ۔ بیشک!"

فب:۔ بے داغ چھوڑنا تو مصلحت کے سراسر خلاف ہے۔"

مارگریٹ:۔ میری رائے میں، ہمیں اس سے ایک نوشتہ اس مضمون کا لکھانا چاہیے کہ وہ آئندہ سے

...ول کے کاموں میں دخل نہ دے گا نہ ہمارا تعاقب کریگا۔"

مار لنڈ" مارگریٹ! ہمارا قیدی، عام قیدیوں کی طرح ڈرپوک اور بزدل نہیں ہو۔ وہ شجاع ہو کام اور بات کے سامنے جان کی حقیقت نہیں سمجھتا، وہ ہرگز اس قسم کا اقرار نامہ لکھنے پر رضامند نہ ہوگا۔"

مارگریٹ "نہ لکھے تو نہ سہی! ہمیں تو پوری کوشش کرنا چاہئے۔"

گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا، مار لنڈ نے سیاہ نقاب چہرے پر ڈالی، اور پستول ہاتھ میں لے کر اس کمرے میں داخل ہوا، جہاں دیوانے کے بھیس میں اسمتھ آرتھر پڑا خراٹے لے رہا تھا، دروازہ کھلنے کی صدا اور پاؤں کی چاپ سے دیوانے کی آنکھ کھل گئی، اگرچہ وہ پہلے بھی جاگ رہا تھا لیکن اب اس طرح اٹھا کہ دیکھنے والوں کو اس کا قبل سے بیدار ہونا ثابت نہ ہو۔ اٹھتے ہی معمولاً اسنے زمین و آسمان کی بے تکی باتیں بکنا شروع کیں، مار لنڈ نے اس کی بڑ کا لحاظ نہ کرتے ہوئے کہا۔"

"کیوں مہربان! اب آپ کا مزاج درست ہوا یا نہیں؟ اب تو مطلب حاصل ہوگیا بے فائدہ پاگل بنے رہنے سے کچھ حاصل نہیں۔"

اس جملے کے سنتے ہی اسمتھ آرتھر کو سناٹا آگیا، اتنی محنت، اتنی زدوکوب اکارت گئی! خود بخود اسکے دل میں سوال پیدا ہوا، مار لنڈ نے کیوں کر اس بھیس میں پہچان لیا؟ واہ! یہ تو اس فن میں بھی میرا گرو نکلا، ایسے چالاک ڈاکو کا تعاقب کرکے گرفتار کرنا جوئے شیر نکالنے سے زیادہ مشکل ہو!"

ہرچند اسمتھ آرتھر پہچان لیا گیا تھا لیکن اسنے ایک مرتبہ پھر اپنے دانش مند حریف کو مغالطہ دینے کے لئے پاگل پنے کی ہانک شروع کی، یہ کوشش بھی مشکور نہ ہوئی، اُس کا بھید ظاہر ہو چکا تھا، جب مار لنڈ نے دیکھا، کسی طرح راہ راست پر نہیں آتا تو اسنے صاف صاف اس کا نام لے کر کہا۔"

"اسمتھ آرتھر! تم خواہ کتنے ہی جعل پھیلاؤ میں فریب میں آنے والا نہیں، دیوانے بنو یا سیانے، بوڑھے بنو یا جوان، غریب بنو یا امیر، عورت بنو یا مرد، میں تمھیں ہر رنگ، ہر صورت اور ہر لباس میں پہچان لونگا کہ اسمتھ آرتھر تمھیں ہو!"

اسمتھ آرتھر نے سمجھ لیا، راز فاش ہوگیا، مار لنڈ فریب کھانے والا نہیں، اب چھپانا بے کار ہو اسنے اپنا جاسوس ہونا تسلیم کرکے، اس کی سمجھداری کی بہت تعریف کی اور کہا۔"

"مار لنڈ! حقیقت امر تو یہ ہو، تمسا ہوشیار و معاملہ فہم، میں نے اپنی عمر میں شاید ہی کسی کو پایا ہو، تم جنگ کرتے وقت شجاع ترین عالم سے ایک فرد ہوئے ہو عقل کی لڑائیوں میں تمھارا دماغ وہ کام کرتا ہو جو بڑے بڑے عقلاء سے ممکن نہیں، فہم و فراست، شجاعت و جواں مردی استقلال و پختہ کاری، کی قابل

قدر صفتیں تمھاری ایک ذات میں جمع ہو گئی ہیں!"
مارلنڈ:- تمھاری تعریف کی قدر میرا دل کرتا ہے، لیکن یہ نہ تو بزم مشاعرہ ہے جہاں ایک ایک شعر کی بلکہ ایک ایک مصرعہ بلکہ ایک ایک لفظ کی داد دی جاتی ہے، اور اس قدر مبالغہ برتا جاتا ہے کہ تعریف، تعریف نہیں رہتی بلکہ اچھی خاصی ہجو بنجاتی ہے۔ خیر! یہ بتاؤ، اب کیا قصد ہے؟ کیا کرنا چاہتے ہو؟ کیا آئندہ بھی مجھے گرفتار کرنے کا خیال کروگے؟"
اسمتھ آرتھر:- جب تک قالب میں روح اور ہاتھ پاؤں میں طاقت ہے، اپنے خیال سے ہٹنے والا نہیں مارلنڈ! یاد رکھو، میں جو کہتا ہوں اُسے آخر سانسوں تک انجام دینے کی ٹھان کر کہتا ہوں معمولی ناکامیاں میری ہمت پست نہیں کر سکتیں۔"
مارلنڈ:- اگر یہ خیال ہے تو آگاہ ہوجاؤ آج ہی رات کو تمھاری زندگی کا چراغ گل کر دیا جائیگا
یہ کہکر مارلنڈ نے پستول کی نال اسمتھ آرتھر کی کنپٹی سے ملادی، اسمتھ آرتھر مسکا تک نہیں، نہ اُس کے چہرے سے خوف کے آثار ظاہر ہوئے۔ وہ جس طرح مطئن بیٹھا تھا، اسی طرح بیٹھا رہا۔ مارلنڈ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا۔"
"اسمتھ آرتھر! بولو، کیا کہتے ہو؟ تمھاری جان جانے میں کچھ بھی وقفہ نہیں!"
اسمتھ آرتھر:- مارلنڈ! کیا تم اس فلسفہ سے بے خبر ہو، کہ جو صادق القول اور ثابت قدم ہوتے ہیں انھیں موت ڈرا نہیں سکتی؟ تم نے آج سے پہلے کئی مرتبہ مجھے مجروح کیا ہے، شاید وہ واقعات اب تمھیں یاد نہیں اگر مجھے ڈر ہوتا تو پہلی ہی مرتبہ مجروح ہوکر اپنا خیال ترک کر دیتا۔"
مارلنڈ:- اب تک تو میں تم کو محض ڈرا دھمکا کر خاموش کرنا چاہتا تھا، جان لینے کا قصد نہ تھا، لیکن آج فیصلہ کر دینا تہیہ کر لیا ہے، اس لئے انکار کرنے پر جان لئے بغیر نہ چھوڑوں گا، البتہ ایک طرح تمھاری جان بچ سکتی ہے۔ اگر تم ایک حلفیہ اقرار نامہ مرقوم کر دو کہ آئندہ کبھی میرے کاموں میں دخل نہ دوگے، تو میں تمھیں چھوڑ دونگا۔"
اسمتھ آرتھر:- اہا! تمھارا یہ ارادہ ہے؟ خیر کچھ مضائقہ نہیں، جو چیز جانے والی ہے اس کے واسطے جدّوجہد کرنا فضول ہے! میں اپنے خدا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر عذر گناہ کرتا ہوں" تم اپنے خونی کام کی تکمیل کو تیار ہو جاؤ۔"
مارلنڈ:- ایک مرتبہ پھر میں تم کو سمجھاتا ہوں اسمتھ! اسوقت بات کی پرورش میں جان کی پرواہ نہیں کرتے! لیکن جان جاکر واپس نہیں آسکتی، سونچو تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ تمھاری دانش مندیاں

...ہیں؟ میری پستول بچوں کا کھلونا نہیں جو بے حقیقت سمجھ لیا جائے، اس کی گولیوں نے نہ معلوم کتنے ...والے اور کتنے بے وقوف اس کا نشانہ بنکر سنسان جنگلوں میں صحرائی جانوروں اور درندوں کی خوراک بن گئے؟ غالباً اب اُن کی ہڈیاں بھی باقی نہ ہوں گی۔"

اسمتہ ارتھر "تم فضول پند و نصائح میں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، وہ کوئی اور ہونگے جو کہ سُنے سے اپنا عزم فسخ کردیا کرتے ہیں، میں ان لوگوں میں نہیں، جس جان کو تم دُنیا بھر کی تمام چیزوں سے بہتر سمجھتے ہو، میری نظروں میں اُس کی ذرا بھی وقعت نہیں! مناسب ہو تم اپنا کام انجام دو۔"

اسمتہ ارتھر جواب کا انتظار کئے بغیر، زمین پر دو زانو ہوکر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرکے، درگاہ بے نیاز میں عذر گناہ کرنے لگا، مارلنڈ استعجاب کی نظروں سے دو تین منٹ تک اُسکی طرف رفیق نظروں سے دیکھتا رہا۔ اُس کے قلب میں اسمتہ ارتھر کی ہیبت طاری ہوگئی، چند منٹ بعد مارلنڈ جھکا اور اسمتہ آرتھر کا ہاتھ پکڑ کر زمین سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔"

"مرحبا! ثابت قدم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر میں ایسا شجاع، ثابت قدم اور قول کا دھنی کبھی نہیں دیکھا، فی الواقع اگر کبھی میں گرفتار ہوسکوں گا، تو تمھارے ہاتوں گرفتار ہوں ...۔ اور اس صورت میں بھی مجھے بجا طور پر فخر کرنے کا موقعہ ملے گا کیونکہ کسی دلیر کا کسی دلیر کے ہاتھوں مغلوب ہونا باعث ذلت نہیں۔"

اسمتہ ارتھر "مارلنڈ! تم فاحش غلطی کرتے ہو! دشمن پر قابو پاکر اسے چھوڑ دینا عظیم غلطی ہو جس کی تلافی کبھی نہیں ہوسکتی! میں قسم کھاکر کہتا ہوں، اگر تم مجھے قتل نہ کروگے تو پچھتاؤ گے، کیونکہ جب تک میں زندہ رہوں گا، تمھاری گرفتاری کی تدبیروں سے باز نہ آؤں گا۔ یہ تو ظاہر ہی ہو "ہر شخص اپنی سعی کا ثمر پاتا ہو"، بالآخر ایک نہ ایک روز اسیر کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا، اُسوقت تمھیں اپنی غلطی محسوس ہوگی اور عجب نہیں جو ہاتھ مَل مَل کر افسوس کرو۔"

مارلنڈ "اب کی تمھاری جان لینا بزدلی اور بدعہدی سمجھتا ہوں، آج میں نے تمھیں اماں دی ہے، اماں دینے کے بعد جان لینا بے ایمانی ہو، البتہ آئندہ کے واسطے قسم کھاتا ہوں اگر اب تم میرا تعاقب کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تو (پستول دکھاکر) اسی پستول سے تمھارا کام تمام کردوں گا، اور مطلق رحم نہ کرونگا۔"

مارلنڈ نے کمرے کا دروازہ کھولکر اسمتہ آرتھر کو ہوٹل سے باہر کردیا، رخصت کرتے وقت تپاک گرمجوشی سے اس طرح مصافحہ کیا جیسے دو گہرے دوست جُدا ہوتے وقت ہاتھ ملاتے ہیں۔"

اسمتھ آرتھر لگاتار محنتوں سے شل ہو رہا تھا، آنکھوں میں نیند بھری تھی اور ہاتھ پاؤں، درد کر رہے تھے اِن وجوہ سے اپنے پولیس آفس چلکر تھوڑا آرام کرنا ہی مناسب خیال کیا، اور ہوٹل سے نکلکر سیدھا تھانے پہونچا۔ پولیس افسر نے قبل ہی سے اس کے واسطے ایک صاف ستھرا، ہوادار کمرہ سجا کر بند کر دیا تھا اس کے پہنچتے وہ کمرہ کھلوا دیا، اسمتھ ارتھر کمرے میں جاکر بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹ رہا، لیٹتے ہی غنودگی آگئی۔ نہ معلوم کتنی دیر غافل رہا؟ جب آنکھ کھلی تو رات بھیگ چکی تھی، لیمپ نے بھی ہوا کی اٹھکیلیوں سے شرما کر آنکھیں بند کر لی تھیں، کمرے میں بالکل اندھیرا چھایا ہوا تھا، اسنے پلنگ پر لیٹے لیٹے خیالات کے پر لگا کر فضا میں اڑنا شروع کیا، اب تک مارلنڈ کے بارے میں جس قدر کام کئے تھے ایک ایک کر کے سب سامنے آگئے، ناکامیوں اور شکست کی تصویریں مجسم ہو کر دکھائی دینے لگیں، اسی درمیان میں وہ واقعہ بھی یاد آگیا جو نیو مارکٹ سے نارویچ کی روانگی کے وقت پیش آیا تھا، جب چاند کی فرحناک چاندنی نورانی چادریں نیو مارکٹ کے شاداب کھیتوں اور سبز سبز صحرا کو لپیٹے تھی سفید و سیدھی سڑک پر ایک نوعمر چھوکری نے اس کا راستہ روک کر ایک خط دیا تھا، اور تاکید کر دی تھی کہ فرصت کے وقت پڑھ لیجئے گا۔

اب تک فرصت ہی نہ ہوئی جو پڑھتا، مارلنڈ کی گرفتاری کی فکروں نے دنیا و مافیہا سے بے خبر بلکہ بے تعلق سا کر دیا ہے، اگر کچھ خیال ہے تو مارلنڈ کو پکڑنے کا، کوئی دھن ہے تو زبردست حریف کو قابو میں لانے کی! تاہم خط میں کوئی نہ کوئی مفید بات ہو سکتی ہے، اس خیال نے اسمتھ ارتھر کو خط پڑھنے کی ترغیب دی، وہ اٹھا، کوٹ کی جیب سے خط نکالا، پتلون سے ماچس نکال کر لیمپ جلایا اور ٹیبل کے قریب بیٹھ کر خط پڑھنا شروع کیا۔

”پہلے پہل، جب میں نے آپ کو کارونیشن ہوٹل میں دیکھا ہے تو ڈاکو خیال کیا تھا جس خیال“
”پر خود میرا دل مجھے نفرین کر رہا ہے کسی شریف سے بلا وجہ بدگمانی کرنا اعلیٰ درجہ کی کم ظرفی“
”ہے“ ”لیکن میں ڈاکو خیال کرنے پر مجبور تھی، آپ کے متعلق جو غلط افواہیں گوش گذار ہوئی“
”تھیں، انھوں نے صرف مجھ ہی کو مغالطہ نہیں دیا، بلکہ ہوٹل کا ہر متنفس غلط فہمی میں مبتلا“
”ہو گیا تھا! جب شکریم روانہ ہو گئی، اور آپنے ہوٹل والوں کے شکوک رفع کرنے کی شدید“
”کوشش کی، اسوقت میں اپنے خیال پر قائم نہ رہ سکی، اور در پردہ بجائے خود تحقیقات میں“
”مصروف ہو گئی، شکر ہے، اب میرا سابق خیال باقی نہیں، میں نے آپ کو پہچان لیا“
”آپ مسٹر اسمتھ ارتھر ڈیٹکٹو ہیں، مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ جلد سے جلد کونین کر پہنچا“

"چاہتے ہیں، اسی وجہ سے میں نے نسوانی خوف ورجا کو بالائے طاق رکھ دیا اور لالٹین لے کر"
"بیچ سڑک پر کھڑی ہوگئی، اور ایسا راستہ بتا دیا جو سڑک کے پھیر کو کاٹ کر بہت جلد آپ کو"
"منزل مقصود تک پہونچا دے، مجھے جب سے آپ کے عزائم کی خبر لگی ہے اسوقت سے آپکی"
"ہمدردی کا خیال پیدا ہوگیا ہے کاش میری رہبری سے آپ کو فائدہ پہنچ سکے۔ ہمہ وقت"
"آپ کی کامیابی کے لئے دست بہ دعا ہوں، آئندہ بھی اگر آپ کو میری امداد کی ضرورت"
"محسوس ہو تو بے تکلف ارشاد فرمائے گا، مجھے جان تک سے دریغ نہ ہوگا، اگرچہ عورت ذات"
"ہوں لیکن اپنے غریب دہقانی بھائیوں کو نیز اپنے ملک کے ذی وقار امرا کو ظالم و خونریز"
"ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے جان کی قربانی کرنے کو ہر وقت بطیب خاطر موجود ہوں"

"ہیلن"

ہیلن! ہیلن کون ہے؟ اسمتھ آرتھر نے اپنے دل سے سوال کرتے ہوئے حافظہ پر زور دیکر غور کیا، یاد آگیا کہ ہوٹل کی ملازمہ ہے۔ حقیقت میں لڑکی جمیل و شکیل ہے، اسکے چہرے کی صباحت آنکھوں کی پر کشش چمک، آواز کی شیرینی رفتار کی دل کشی، اس قابل ہے کہ کوئی نوجوان شریف زادہ اس کی طرف توجہ کرے، خط کی عبارت سے پاک بازی، وفاشعاری، ثابت قدمی، اور قومی حمیت نمایاں ہے، یقیناً لڑکی شریف اور نیک اطوار ہے، لیکن ہوٹل کی ذلیل نوکری کیوں کی؟ اس قسم کی عورتوں کا کام تو دل چالاک مردوں کو پھانس کر لانا اور ہوٹل کی اشیاء بکوانا ہے، ان لوگوں کو عصمت فروشی میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا! لیکن ہیلن! ہاں ایک ہیلن ہی ایسی ہے جو اس عیب سے بری سمجھی جاسکتی ہے، بہر نوع بغیر تفتیش و تحقیق کوئی رائے قائم کرنا مناسب نہیں، فی الحال تو مجھے موجودہ کام سے فرصت نہیں، جب فرصت ہوگی تو ایک مرتبہ اس لڑکی سے خاص طور پر ملوں گا، اسنے ایک موقعہ پر میری مدد کی ہے، اگر وہ راستہ نہ بتاتی تو غالباً میں اسوقت بھی شنکرم تک نہ پہنچ سکتا، اگرچہ ماولنڈ اپنا کام کر چکا تھا جب میں پہنچا، تاہم مجھے اس نیک نفس و بہادر لڑکی کا مشکور ہونا چاہئے"۔



"لارڈ ڈینیل سن"

قصبۂ ناروچ کے سب سے بڑے ہوٹل کے ایک کمرے میں میز کے سامنے بیٹھا ہوا ایک لاغر اندام، بالا تر ٹنگا شخص کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہے، دروازے پر سبز بانات کا پردا پڑا ہے، پردے کے پاس گرم وردی پہنے ایک چپراسی اسٹول پر سرنگوں بیٹھا ہے، لیکن اس کے کان گھنٹی کی آواز پر لگے ہوئے ہیں جو اس کے بلانے کے واسطے وقتاً فوقتاً بجائی جاتی ہے۔"

دُبلا پتلا شخص جو کچھ لکھنے میں مشغول ہے، ہوٹل کا مالک ہے، چند منٹ لکھتے ہوئے تھے کہ اُسنے قریب رکھی ہوئی گھنٹی بجادی، گھنٹی کی آواز سنتے ہی چپراسی، حضور! حضور! کہکر کمرے میں داخل ہوا اور جو کچھ کام اس سے کہا گیا، انجام دے کے پھر اسٹول پر جا بیٹھا۔"

دن کے تین بجے ہوٹل کا خزانچی کمرے میں داخل ہوا، ہوٹل کے مالک نے اس سے حساب لینا شروع کیا، میز پر موٹی موٹی جلدیں (حساب کی بہیاں) کھولی گئیں اور جانچ پڑتال شروع ہوگئی۔

ہنوز حساب فہمی سے فارغ نہ ہوا تھا کہ چپراسی روپہلی کشتی میں ٹیلیگرام لے کر کمرے میں داخل ہوا اور کشتی ادب آموز انداز سے مالک ہوٹل کے سامنے بڑھا دی، ہوٹل کے مالک نے کشتی سے لفافہ اُٹھا کر چاک کیا اور تار کھول کر پڑھا۔ معلوم ہوا، آج ہی شام کو لندن سے لارڈ ڈینیل سن تشریف لارہے ہیں، اُن کے قیام کے واسطے عمدہ کمرے اور نفیس فرنیچر کا انتظام ہو جانا چاہئے، اس نے ایک کاغذ پر کچھ حکم لکھ کر خزانچی کو دیا کہ جاتے وقت ہوٹل کے بڑے جمعدار کو حکم نامہ دیتا جائے کہ وہ تین نفیس کمرے اور ان کا سامان صاف کرادے۔ خزانچی کو ابھی بہت سا حساب سمجھانا تھا، اس لئے اسنے چپراسی کے ہاتھ وہ حکم نامہ جمعدار کو بھجوادیا، اسی وقت تین ہوادار کمرے صاف کراکے ضروری سامانوں سے آراستہ کر دئے گئے، باورچی خانے میں لارڈ صاحب کے واسطے تازے اور لذیذ کھانوں کی تیاری کا حکم روانہ کیا گیا، جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔"

رات کو ۷ بجے بڑی شان و شوکت کے ساتھ لارڈ صاحب کی سواری ہوٹل کے دروازے سے آ گئی۔" اعلیٰ النسل کے مشکی گھوڑوں کی چوکڑی دیکھتے ہی سب نے سمجھ لیا لارڈ ڈینیل سن تشریف لے آئے، لارڈ صاحب کرایہ کی گاڑی پر سفر کرنے میں کسر شان سمجھتے تھے، اس لئے ہمیشہ گھر کی سواری پر آیا جایا کرتے تھے، یہ چوکڑی،

…کی ذاتی تھی، گاڑی نہایت نفیس تھی، اس کے اندر کاشانی مخمل کی گدیاں تھیں، اور کھڑکیوں میں …قیمت ہری بانات کے جھالردار پردے لٹک رہے تھے، ایک کوچوان دو سائیس، تین ملازم زریں وردیاں پہنے ہمراہ رکاب تھے۔

لارڈ ٹیل سن، اول درجہ کے راحت طلب اور عیش پرست آدمی تھا، دولت کی طرف سے کمی نہ تھی نقد و جنس افراط سے موجود بزرگوں کا جمع کیا ہوا کروروں روپیہ گھر میں بھرا پڑا تھا، اسپر علاقجات کی کثیر آمدنی المضاعف تھی، اس کا دستور تھا جب گھر سے نکلتا تو چالیس پچاس ہزار کے نوٹ اور ایک بکس بیش بہا جواہرات کا ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، اس کا سن بھی کچھ زیادہ نہ تھا، اب تک اسنے یورپ کی کل تین تیس بہاریں دیکھی تھیں، حسن مردانہ میں اگرچہ اپنے زعم میں توحید عصر تھا لیکن اس میں کلام نہیں کہ سو پچاس آدمیوں میں ایک ضرور تھا۔ چہرے کے خط وخال، دلکش، آنکھیں، بڑی روشن، بھرے بازو، سینہ کشادہ، کمر پتلی اور قد لانبا تھا، آرام طلبی ضرورت سے زیادہ تھی، حتی کہ خفیف سی خفیف تکلیف بھی اُسے جان سے بیزار کر دیا کرتی تھی، نہایت نازک دماغ، نفیس مزاج اور فیشن پرست امیر تھا، سر سے پاؤں تک فیشن میں ڈوبا رہنا اس کی خاص وضع تھی۔ کپڑے لتے بیش قیمت اور بہتر سے بہتر پہننے کا عادی تھا جو سینٹ اور ولایتی عطروں میں بسے رہتے تھے، صبح سے شام تک کئی بار پوشاک تبدیل ہوتی تھی۔

اسنے ایک مرتبہ فرانس واٹلی کی سیاحت کی تھی اور بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی عرصہ تک پھرتا اور داد خرمی دیتا رہا تھا، وہاں کی زبانیں بھی حاصل کی تھیں اور جب وطن واپس ہونے لگا تو بطور یادگار وہاں سے ایک ایک آدمی بھی نوکر رکھ کے اپنے ہمراہ لیتا آیا تھا وہ ہر وقت اسکے ساتھ رہا کرتے تھے اسوقت بھی اس کے تین خدمتگاروں میں ایک فرانسیسی، دوسرا اٹالین اور تیسرا انگلستان کا باشندہ تھا، دو سکریٹری بھی ہر سفر میں ساتھ رہتے تھے، جو خلوت وجلوت میں گفتگو کر کے لارڈ کا دل بہلاتے تھے، نیز خرید و فروخت میں اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، اور مصارف سفر، خرید اشیار کا حساب مرتب کرتے رہتے تھے۔

لارڈ ٹیل سن کی تشریف آوری سے ہوٹل میں چہل پہل ہو گئی، منٹ منٹ پر الارم گھنٹیاں بجتی تھیں ہوٹل کے بوئے، خانساماں زرق برق وردیاں پہنے ادھر سے اُدھر دوڑتے نظر آتے تھے۔ کبھی ہوٹل کی ملازمہ عورتوں کی طلبی ہوتی تھی، جو روز سے کسی قدر زیادہ بنی سنوری اور نفیس پوشاکوں سے ملبوس تھیں، گاہ منیجر اور گاہ خانساماں کا داروغہ بلایا جاتا تھا، اور انھیں ان کے لائق احکام دے کر واپس کر دیا جاتا تھا۔

لارڈ ٹیل سن سواری سے اُترتے ہی سیدھا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اور آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا

"اے میرے خدا! میں نے ایسا پُر مصائب سفر آج سے قبل کبھی نہیں کیا تھا! سڑک کیسی خراب ہے کہ ہوتا ہی کبھی بنوائی نہیں جاتی، کھائیوں کی تکان سے جان پر بن گئی! گرد و غبار سے دم گھٹ رہا ہے۔ غسل کروں گا اس کے بعد کھانے کا لباس پہنوں گا، (خدمت گار سے) مورتس! باتھ روم (حمام) میں ایک شیشی سینٹ کی چھڑک دو اور نہانے کے پانی میں او ڈی کلیوں ملا دینا، ہاں! فی الحال وہ بھورے رنگ کا سوٹ نکال دو (ناک بھنوں سکیڑ کر) اوہ! یہ تعفن کیسی! کیا قریب ہی اصطبل ہے؟"

مورتس: "حضور عالی! اصطبل یہاں سے بہت دور ہے"

لارڈ: "اُنہ ہوگا۔ اُف! بہت بو آ رہی ہے، میرا دماغ پراگندہ ہوا جاتا ہے! معلوم ہوتا ہے گھوڑوں کی لید کی بو ہے! دیکھو بہت جلد میرے کمروں کو اسنس سے بسا دو، فوراً!"

لارڈ ڈنیل سن تو اپنے کمرے میں بیٹھا تعفن سے پریشان ہو رہا تھا، ادھر ہوٹل کے مالک کے پاس ایک شریف القطع شخص بیٹھا چھے دار باتوں میں مصروف تھا، اسنے ہوٹل کے مالک کو ایک خط دیا تھا، جسے وہ نہایت غور سے پڑھ رہا تھا، اوّل سے آخر تک خط پڑھ لینے کے بعد اسنے حامل خط کو مخاطب بنا کر کہا۔

"بہت مناسب ہے، میں حتہ الامکان ڈیوک کی راحت رسانی کا جملہ سامان فراہم کر دوں گا، ہوٹل انھیں کا کفش خانہ ہے، ایسے معزز مہمانوں سے ہمارے ہوٹل کی عزت افزائی ہوتی ہے، فرمائیے ڈیوک کے واسطے کتنے کمروں کی ضرورت ہے؟ میں ابھی کھلوا کر صاف کرا دوں"

حامل خط: "جرمنی کے ڈیوک زیادہ آرام طلب نہیں ہوا کرتے، ان کی وضع اور طرز بود و باش سپاہیانہ ہوتی ہے۔ اگرچہ دولت مندی کے لحاظ سے ان کا مرتبہ یورپ کے ارل اور لارڈوں سے کسی طرح کم نہیں مگر ان کے مزاج سادگی پسند اور تکلفات سے مبرا ہوتے ہیں، محنت و مشقت اُنکے محبوب مشاغل میں اسواسطے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں صرف ایک کمرہ کافی ہوگا، اُن کے ساتھ ملازمین کا جھرمٹ بھی نہیں، کام کاج کو صرف دو آدمی ہونگے، ایک تو ان کا سکرٹری اور دوسرا خدمتگار، کمرے کے ساتھ نوکروں کے رہنے کی کوٹھری تو ضرور ہی ہوگی؟"

مالک ہوٹل: "ہاں وہ تو ہر ہوٹل میں ہوتی ہے، خیر! جسوقت ڈیوک صاحب تشریف لائینگے انھیں ایک کمرہ اور ایک مختصر سی کوٹھری تیار ملے گی"

اُتنا دن اور وہ رات عافیت سے بسر ہوگئی، لارڈ ڈنیل سن کو بجز تعفن کے اور کوئی زحمت نہیں ہوئی، ہر چند ان کی خوابگاہ اور ملاقات کا کمرہ مختلف اقسام کے عطریات اور خوشبوؤں سے بسائے گئے

کی لطافت طبع کو لیدی کی بُو ناگوار گذرتی رہی، دوسرے روز علی الصباح جرمنی کا ڈیوک کیت جوڑی
...س گاڑی پر ہوٹل میں پہنچ گیا، موٹے کپڑوں میں بھدّی شکل و صورت کے دو ملازم بھی اُن کے ہمراہ تھے،
انگلستان کے اُمرا کو سخت تعجب تھا، کیونکہ ڈیوک باوجود افراط دولت کے بھی نہایت جفاکشی کے ساتھ
بسر کرتا تھا، جہاں لارڈ ڈینیل سن ہوٹل کی پری جمال لیڈیوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر لطف زندگی حاصل کرتا،
لذیذ غذائیں اور لطیف شرابیں پیتا، وہاں جرمنی کا ڈیوک بالکل تنہا اپنے کمرے میں خاموش بیٹھ کر بے مزہ
اوقات بسر کرتا!، ہوٹل اس وقت دو مختلف الوضع، مختلف المزاج امیروں کی موجودگی سے دُنیا کی
دو رنگی کا جلوہ دکھا رہا تھا۔

جس دن ہوٹل میں جرمنی کا ڈیوک آکر مقیم ہوا، اسی دن دوپہر کو ایک اجنبی نے ہوٹل کے مالک سے
ایک روشن و ہوادار کمرہ اپنے دوست کے واسطے کرایہ لیا جس کا نام جوزف بتایا گیا تھا اور شام سے پہلے
آنے والی ٹکرم پر وہ آکر اپنے کمرے میں قیام پذیر ہو گیا۔

اسی روز لارڈ ڈینیل سن اپنے کمرے میں بیٹھا سگریٹ نوشی کر رہا تھا، ٹیبل پر راکھ جھاڑنے والی نقرئی
تشتری رکھی تھی اور وہ بار بار سگریٹ کی راکھ جھاڑتا جاتا تھا، اس کا سکریٹری سامنے والی کرسی پر
بیٹھا تھا اور دونوں کی ٹوپیاں ٹیبل پر رکھی تھیں، ادہر اُدہر کی خوش گپیاں اُڑ رہی تھیں، اسوقت
لارڈ موصوف کو کوئی تکلیف نہ تھی جو مزاج برہم ہوتا، اس لئے خندہ جبینی سے گفتگو میں مصروف تھا،
اس کا اطالین خدمت گار کسی حکم کا منتظر کھڑا ہوا تھا۔ سامنے شراب ارغوانی کی صراحی اور ۲ بلوری
گلاس پُر آب و تاب کشتی میں رکھے ہوئے تھے، جب سگریٹ جل کر راکھ ہو جاتا تو لارڈ اپنے ہاتھ سے جام
لبریز کر کے ایک سکریٹری کو دیتا اور دوسرا خود لے کر شغل میخواری میں مشغول ہو جاتا، سگریٹ کے جل
چکنے پر لارڈ ڈینیل سن نے گلاس شراب کے بھرے اور گھونٹ پیتے ہوئے سکریٹری سے کہا۔

"آج صبح ہوٹل میں کون ڈیوک آیا ہے؟"

سکریٹری۔ سُنتا ہوں جرمنی کا ڈیوک ہے، نام کے تو ڈیوک ہیں، لیکن صورت شکل سے آثار نہیں
ظاہر ہوتی، رہنے سہنے کا طریقہ بھی بالکل ادنے ہے! اس کے ساتھ صرف دو آدمی ہیں اور محض ایک
کمرہ رہنے کے واسطے لیا ہے!"

لارڈ نے تعجب سے "بس! صرف ایک کمرا؟ یہی ڈیوک ہے؟"

سکریٹری۔ "جی سرکار! قاعدہ سے بڑا خسیس معلوم ہوتا ہے، ڈیوک کا نام بدنام کرتا ہے سواری کو ایک
گاڑی بھی نہیں! کرایہ کی گاڑی پر یہاں آیا ہے، کھانے پینے کا سامان معمولی سے معمولی ہے، پوشاک تو

بالکل ہی عام لوگوں کی سی پہنائی ہے!"

لارڈ:۔ "اس سے ملاقات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؟"

سکریٹری:۔ "کچھ حرج نہیں، وہ تو حضور سے مل کر بہت خوش ہوگا۔ ذرا بھی معلوم ہوجائے کہ اسکاٹ کا لارڈ ملنا چاہتا ہے تو خود ہی سر ٹیکتا ہوا حاضر ہو، میں نے اکثر جرمنی کے امرا کو لالچی اور جعلساز پایا ہے۔ ان کے نام تو بڑے بڑے ہوتے ہیں، اگر پوری طور پر خطابات والقاب لکھے جائیں تو کئی کئی سطروں میں نام آئے! لیکن بود وباش دیکھئے تو کچھ بھی نہیں، پیسہ خرچ کرنا تو جانتے ہی نہیں! انھوں نے خرچ کم کرنے کی غرض سے معمول کر لیا ہے کہ ادھر ادھر سیاحت کرتے پھرتے ہیں، جہاں گئے وہاں کے کسی امیر کے مہمان ہو گئے، اپنے پاس کوڑی نہیں رکھتے کہ خرچ ہوجائے گی! بے حیائی تو گویا ان کے خمیر میں شامل ہے، سب کا کھا لیتے ہیں مگر کھلانے کا نام تک نہیں لیتے!"

لارڈ:۔ (مسکرا کر) "یہ تماشہ نہایت پر لطف ہوگا، ایک مرتبہ تو ضرور دیکھنا چاہئے!"

سکریٹری:۔ "کیا مضائقہ ہے؟ اسی بہانہ سے آپ مل بھی لیجئے گا۔"

لارڈ:۔ "ہاں! میری بھی مرضی یہی ہے، ہوٹل کے رہنے والوں کو دعوت دوں، دعوت میں ناچ رنگ کا بھی بندوبست ہونا چاہئے۔"

سکریٹری:۔ "بہت مناسب ہے، اسی طرح حضور کا نام ہوگا، لوگ دل میں کہیں گے ہمیں کسی شوقین رئیس کی حضوری کا فخر حاصل ہوا۔"

لارڈ:۔ "تو کل شب کو یہ دعوت ہونا چاہئے، مگر گانے بجانے کا کیا انتظام ہوگا؟"

سکریٹری:۔ "سب ٹھیک ہوجائیگا، اول تو جو لوگ دعوت میں مدعو کئے جائیں گے، خود اُنکے ہمراہ لیڈیاں ہوں گی، اُن کے علاوہ ہوٹل کی نازک ادا عورتیں جا ہی گانے بجانے کو کیا کم ہیں؟"

نہ معلوم کب سے ایک جنگلی کبوتر کمرے کی کارنس پر بیٹھا تھا، اسنے جو بیٹ کی وہ سوئے اتفاق سے لارڈ ڈینل سن کے شانے پر آ گری، لارڈ ڈینل سن اس کے بیٹ کرنے سے منغض ہوگیا اور گھبرا کر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا، غیظ وغضب سے چہرا تمتما اُٹھا، خوب ہوا کہ اسوقت بندوق موجود نہ تھی ورنہ کبوتر کا خاتمہ ہوجاتا۔ بدقسمتی سے سامنے اٹالین خدمتگار کھڑا تھا وہ ہی غریب ہدف تیر غضب ہوگیا!"

اٹالین خدمتگار عرصہ سے لارڈ موصوف کی خدمت میں تھا، رفتار مزاج سے بخوبی واقف ہوچکا تھا اسنے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے تمیز کر لیا کہ لارڈ صاحب کو نہایت غصہ ہے۔ اسنے لپک کر حمام کے کنواڑ کھول دئے، لارڈ ڈینل سن نے غصہ سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"

"اس گستاخ کبوتر کو کیسے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت دی؟ سکریٹری! تم اتنی دیر سے باتوں میں مصروف ہو مگر کبوتر کو نہ دیکھا؟ موریس! جلد دوسرے کپڑے لاؤ، اُف! کیسی تعفن ہے؟ میں ایک منٹ بھی اس لباس میں نہیں رہ سکتا! دیکھو! یہ کرسی بھی خراب ہوگئی ہے۔ اسے فوراً کمرے سے باہر پھینک دو اور دوسری کرسی لاکر رکھو۔"

لارڈ ڈینل سن یہ حکم نافذ کرتے ہی غسل خانے میں داخل ہوگئے، بہ عجلت کپڑے اُتار اُتار کر کھونٹی پر ڈال دیے، خوشبودار صابون مَل مَل کر خوب نہائے، ٹیبل پر ولائتی عطریات کی شیشیاں رکھی تھیں، کئی شیشیوں کی ڈاٹیں کھول کھول کر سونگھا، ایک شیشی اُٹھا کر عطر نکالا اور سارے جسم میں مَل لیا، دوسرے کپڑے پہنے، ان پر بھی خوب عطر چھڑکا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر باہر نکلے، جتنی دیر اُسے غسل کرنے میں ہوئی اُتنے عرصہ میں نوکروں نے کمرے سے کبوتر کو نکال کر صفائی کر دی تھی، کرسی بدل دی گئی، ٹیبل کلاتھ دوسرا آیا۔ زمین پر جو قالیچہ بچھا تھا، اس پر خوشبویات چھڑکی گئیں۔

کھانے کا وقت آگیا تھا، لارڈ ڈینل سن نے میز تیار کرنے کا حکم دیا اور برآمدے میں آکر دفع الوقتی کے خیال سے ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے ایک کمرے کے پاس پہنچا، اندر سے قہقہوں کی آواز آرہی تھی وہ قہقہہ ایسے زور کا تھا کہ لارڈ کو چونکنا پڑا، اس نے تعجب آمیز نظروں سے کمرے کی طرف دیکھا نہ معلوم دل میں کیا آیا کہ بے تکلف اندر چلا گیا! کمرے کے اندر دو آدمی کرسیوں پر بیٹھے تھے، اُنھیں دیکھتے ہی لارڈ ڈینل سن کو اپنی بد تہذیبی محسوس ہوئی، کیونکہ بغیر اذن حاصل کئے اس نے کمرے میں آنے کی جسارت کی تھی وہ کسی قدر نادم ہو کر یہ کہتا ہوا واپس ہوا۔

"مجھے معاف فرمائیے گا، غلطی سے آپکے کمرے میں چلا آیا!"

"کوئی ہرج نہیں، لارڈ صاحب! شوق سے تشریف لائیے۔ آپ کی غلطی ہماری خوش نصیبی بن گئی، اسی بہانے سے آپکا دیدار ہو گیا۔"

کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے مُسکرا مسکرا کر مذکورہ بالا الفاظ ادا کئے اور ایک کرسی کھینچکر سامنے ڈال دی، لارڈ ڈینل سن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کی مہربانیوں، اور اخلاق کا شکریہ! بہت بہت شکریہ!! کیا میں عرض کر سکتا ہوں، کہ جناب اپنے نام و پتے سے مطلع کرکے سرفراز فرمائیں؟"

جس شخص نے لارڈ ڈینل سن کے سامنے کرسی بڑھا کر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی تھی، اس نے جواب دوسرے کی طرف اشارے سے بتاتے ہوئے کہا۔

"آپ جرمنی کے گرینڈ ڈیوک ہیں، اور مجھے حضور ڈیوک صاحب کے سکریٹری ہونے کا فخر حاصل ہے"

"آہا! مجھے جناب ڈیوک صاحب سے نیاز حاصل کرنے کی تمنا تھی"

لارڈ ڈینیل سن فقرات بالا ادا کرتا ہوا کرسی سے اُٹھا اور دو قدم آگے بڑھ کر تپاک و گرمجوشی سے ڈیوک کی طرف مصافحہ کو ہاتھ بڑھا دیا، ڈیوک نے سپاہیانہ بھدی ہنسی ظاہر کرتے ہوئے لارڈ سے ہاتھ ملایا۔"

ڈینیل سن "نہایت خوشی کی بات ہے جو آپ سے اتفاقیہ طور پر ملاقات ہو گئی، مجھے جناب سے ملنے کا نہایت اشتیاق تھا، بہت پہلے آپ کا نام نامی سنا تھا، اسی وقت سے ملنے کی آرزو دل نشین ہوئی شکر ہے آج وہ مراد دیرینہ بر آئی"

تھوڑی دیر تک لارڈ ڈینیل سن، اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہا اس کے بعد ڈیوک سے رخصت ہوا چلتے وقت اُسے مع سکریٹری کے کل کی دعوت میں مدعو کر دیا، اُس نے نہایت خوشی سے دعوت قبول کی، اس کے بعد ڈینیل سن اپنے کمرے میں واپس آیا"

دوسرے دن صبح سے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے، لارڈ ڈینیل سن کا سکرٹری مہمانوں کی فہرست تیار کرنے کے بعد سب کو دعوت کا نیوتا دینے کو نکلا، ہوٹل میں جس قدر اشخاص مقیم تھے وہ سب کے سب یا تو اطراف و جوانب کے اُمراء تھے یا اول درجے کے افسر و حکام تھے، چند بڑے بڑے تاجر بھی تھے، جو دعوت میں مدعو کر دیئے گئے"

شام کو ہوٹل کے بال روم میں سب جمع ہونا شروع ہوئے، مسٹر جوزف بھی دعوت میں شریک ہوئے جس وقت سب مہمان کھانے کی میز کے گرد جمع ہوئے تو جرمنی ڈیوک نے خوب خوب ہاتھ صاف کئے، اُس میں انگلستان کے اُمرا کی طرح تکلف نام کو بھی نہ تھا، کئی کئی پلیٹیں چٹ کر گیا، ایک ایک چیز کئی کئی مرتبہ طلب کی! تمام مہمان اپنا کھانا بھول کر اس کا تماشہ دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد ناچ و رنگ شروع ہوا، شوقین صاحب کمال لیڈیوں نے اپنا اپنا کمال دکھا کر ناظرین کو محظوظ کیا، وہ ساری رات اسی دلچسپ مشغلے میں بسر ہوئی"



...دن اسمتھ آرتھر نے ضروری انتظام و انصرام میں بسر کیا، دوسرے روز علی الصباح اپنے ایک ماتحت کو ساتھ لے کر کہیں چلا گیا۔"

اُس کے جانے کے بعد پولیس افسر نے تنومند چالاک اور رشید دو سپاہیوں کو آلات حرب سے آراستہ ہونے کا حکم دیا، وہ دن انتظار ہی انتظار میں ختم ہو گیا، پولیس افسر کو اسمتھ آرتھر کی کوئی خیر خبر معلوم نہ ہوئی نہ وہ خود ہی تھانے میں آیا، یہ وہی دن تھا، جب لارڈ ڈینیل سن نے ہوٹل میں بہت بڑی دعوت دی تھی اور ساری رات ناچ و رنگ ہوتا رہا تھا، دعوت کا کارڈ پولیس افسر کے نام بھی آیا تھا۔

اُسے گانے بجانے سے کمال دلچسپی تھی لیکن کثرت کار ایسے دلکش جلسوں میں شریک ہونے سے مانع تھی، تاہم بڑی دعوت تھی جہاں معززین و امرا کا مجمع ہونے والا تھا اور جوان جوان لیڈیاں اپنا اپنا کمال دکھانے والی تھیں۔ کچھ تو نظارہ حسن کا شوق، کچھ ناچ گانے کا اشتیاق، پولیس افسر کو بھی کشاں کشاں لے گیا، جب وہ ہوٹل پہنچا ہے، اس وقت رات کے ۹ بجے تھے، اس کے ساتھ دس پندرہ سپاہیوں کا گارد تھا! سپاہیوں کو انتظام و انصرام کے لئے جانا ضروری تھا کیونکہ مہمانوں کی گاڑیوں کا بندوبست اور بدمعاشوں کی روک تھام بغیر سپاہیوں کے ناممکن تھی۔

لارڈ ڈینیل سن نام و نمود کا دلدادہ تھا، اُس نے شہرت و ناموری کے واسطے وسیع پیمانے پر دعوت کا سامان کیا تھا، قصبہ میں جس قدر تکلفات اور شان و شوکت کے سامان مہیا ہو سکتے تھے، وہ سب فراہم کئے گئے تھے، غذائیں کثرت سے تیار کرائی گئی تھیں، شرابیں بہتر سے بہتر مہیا تھیں، کیک، ٹوسٹ، لیمنیڈ، سوڈا، لیمونیڈ، آئس کریم، کثرت سے تھی، جس کا جس قدر جی چاہے کھائے پئے، کوئی روک ٹوک کرنے کا مجاز نہ تھا، بال روم میں حسین و خوش گلو لیڈیاں، مسیں اور ہوٹل کی ملازمہ عورتیں گانے بجانے اور رقص کرنے میں مشغول تھیں، شوقین و عاشق مزاج مرد اُن کی نازک کمروں اور بازوؤں کو سہارا دے کر ناچنے اور تھرکنے میں کچھ ایسا منہمک تھے کہ دنیا و مافیہا کو بھول گئے تھے! خود لارڈ ڈینیل سن نے اپنے ساتھ ناچنے کو نار وچ کے ایک سوداگر کی ناکتخدا لڑکی کو منتخب کر کے درخواست کی تھی، جسے لڑکی نے بخندہ پیشانی قبول کیا اور ایسا ناچی کہ ہوٹل بھر میں دھوم مچ گئی، لارڈ موصوف کو ناچ میں کمال حاصل تھا، جرمنی، فرانسیسی، اٹالین، امریکن، کوئی ناچ ایسا نہ تھا جو نہ جانتے ہوں، اس لئے بہ اتفاق رائے سب نے تسلیم کر لیا کہ آج کی دعوت میں اس جوڑے سے بہتر کوئی جوڑا نہ ناچ سکا۔ سوداگر کی لڑکی نے قبل ہی سے لارڈ ڈینیل سن کو اس کام کے واسطے منتخب کر لیا تھا لیکن ضرور حسن نے خود خواہش کرنے کی اجازت نہ دی، اس کا باپ بھی اس انتخاب پر نہایت خوش تھا، کیونکہ وہ کسی

لارڈ یارل کو اپنا داماد بنانا پسند کرتا تھا، اور یہی وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے جادو نگاہ لڑکیاں بڑے اُمرا کو مسحور کر لیا کرتی ہیں، پھر لارڈ ڈینل سن تو بفضلہ عاشق تن حسین وجمیل ہونے کے علاوہ دولت مند اور انگلستان کے معزین اُمرا میں سے تھا، نارویچ میں اس سے زیادہ اچھا موقعہ کیا ہو سکتا تھا محض اس لئے اسنے خود بھی اپنی لڑکی کو لارڈ ڈینل سن کے ساتھ ناچنے کی ترغیب دی! جرمنی کے ڈیوک کے ساتھ بھی ہوٹل کی عورتوں میں سے ایک عورت نے ناچنا پسند کیا تھا۔"

ڈیوک کا بے رونق، خرانٹ چہرا بھدیلا جسم، بے سری آواز اور بے تالے ناچ کی وجہ سے کوئی مِس یا لیڈی ناچنے پر رضامند نہ ہوئی، ناچار اس نے ہوٹل کی ذلیل خادمہ ہی کو غنیمت سمجھا! ہوٹل کا مالک، جوزف، اور تمام مرد مہمان ایک ایک لیڈی یا مِس کا ہاتھ پکڑ کر ناچے، جرمنی کے ڈیوک نے ان باتوں پر مطلق توجہ نہ کی۔ وہ بالکل ہی بے مزہ آدمی تھا۔ اس کی باتیں بھی بالکل اکھڑ تھیں جن سے حسین و نازک اندام لیڈیوں کو ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، اس کا مذاق ان کے لطیف مذاق سے بالکل جداگانہ واقع ہوا تھا تاہم بے تکلفی کی صفت ایسی تھی جس نے لوگوں کی مضحکہ انگیز نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا، اور جب وہ کھانے کی میز پر گیا تو لیڈیوں کو منہ پھیر پھیر کر ہنس دینے کے سوا کچھ بن نہ پڑا۔ جتنے مہمان تھے کھانے پر اِدہر اُدہر کی باکیف باتیں کرتے جاتے تھے، مگر جرمنی کے ڈیوک کو کھانے کے سوا کچھ کام نہ تھا گویا وہ اس مشہور مقولہ پر عمل کر رہا تھا۔

"اوّل طعام بعدہٗ کلام"

یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ سب مہمان کھا کھا کر سیوں سے اُٹھ گئے لیکن ڈیوک برابر فرمائشات کر رہا تھا۔" بہ حیرت زا منظر لارڈ ڈینل سن بھی دیکھ رہا تھا، چونکہ اس کی حیثیت میزبان کی تھی اس لئے وہ اکثر مہمانوں پر نظر رکھتا تھا، جہاں جس کے سامنے کوئی چیز ختم ہوئی، اور اسنے خانساماں کو اشارے سے بُلا کر وہ چیز اس کے سامنے رکھنے کا حکم دیا۔ جرمنی ڈیوک کے سامنے بھی وہ برابر کھانے بھجوا رہا تھا، چنانچہ ایک درجن پلیٹیں جنھیں ۱۲ آدمی کھا سکتے ہیں اور چار شراب کی بوتلیں تنہا ڈیوک کے پیٹ میں غائب ہو گئیں!"

کھانے کے بعد بھی اسنے متواتر جام چڑھانا شروع کئے اور اس کثرت سے شراب پی کہ دیکھنے والے متحیر ہو گئے! زیادہ نشہ ہو جانے سے اسنے شور وغل مچانا شروع کیا جس سے انگلستانی اُمرا کی فریداریوں میں خلل پڑنے لگا، اور لطف کے بدلے بے لطفی کے آثار ظاہر ہو گئے، لارڈ ڈینل سن نے رنگ بگڑتا دیکھکر اس کے سکریٹری کے ساتھ ڈیوک کو کمرے میں بھجوا دیا، وہ بھی نشہ میں ہوش میں نہیں ہو رہا تھا، بستر پر لیٹتے ہی غافل ہو گیا۔"

تمام رات ناچ رنگ رہا، صبح کو لوگ اپنے اپنے گھروں کو گئے، پولیس افسر بھی پانچ بجے واپس ہو کر تھانے پہونچا، رات بھر کا جاگا ہوا تھا، اس لئے صبح دیر سے آنکھ کھلی، جب اُٹھکر آفس میں آیا تو دیکھا روزانہ آنے والی ڈاک میں ایک خط اسمتھ ارتھر کا بھی میز پر رکھا ہے، سب سے پہلے اس نے اسی خط کو کھول کر پڑھنا شروع کیا، اس میں تحریر تھا:

"آج شام کو حسب وعدہ پانچ سپاہی اسلحہ سے آراستہ ہو کر ٹونڈن گاؤں کی سڑک پر نالے کے"
"پل کے پاس، گنجان جھاڑیوں میں روپوش ہو کر میرا انتظار کریں، میں ٹھیک وقت پر آکر"
"ان سے مناسب وقت کام لوں گا، انھیں رخصت کرتے وقت ہدایت کردی جائے کہ نہایت"
"احتیاط سے اپنے آپ کو پوشیدہ کریں، کسی کو ان کے چھپنے کی اطلاع ہو گئی تو بنا بنایا کھیل"
"بگڑ جائیگا۔"

پولیس افسر نے خط پڑھکر پانچ سپاہیوں کو خوب سمجھا بجھا کر جانے کا حکم دیدیا اور اسلحہ خانے سے ہتھیار نکلوا دئے۔

۹

"مارلنڈ کی گرفتاری"

دعوت کے دوسرے روز، رات کے جاگے ہوئے والے خلاف عادت دیر میں بیدار ہوئے، جس سے ہوٹل کے بعض انتظام و انصرام میں بدنظمی واقع ہو گئی۔ مگر کسی نے بدنظمی محسوس نہ کی، کیونکہ ادنےٰ خادم سے لے کر اعلیٰ مہمان تک یکساں رات بھر جاگے اور داد خرمی دیتے رہے تھے، اگر ہوٹل کے باورچی اپنے وقت پر صبح کا ناشتہ تیار نہ کیا تو ہوٹل کے رہنے والوں میں سے بھی کسی کی ناشتے کے لئے آنکھ نہ کھلی۔

باوجود ان امور کے بھی تخمیناً معمول سے گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد لوگ ناشتہ سے فارغ ہوگئے، ہوٹل کا مالک بھی ۱۰ بجے کے بعد اپنے آفس میں آگیا، دفتر میں آتے ہی اُسے اطلاع مل گئی کہ لارڈ ڈینل سن آج ہی لندن روانہ ہو جائیں گے، لارڈ صاحب نے اپنے آدمی کے ہاتھ ایک رقعہ ۱۱ بجے ہی بھیجدیا تھا کہ ہوٹل کا بل تیار کر کے روپیہ وصول کرلیا جائے، ہوٹل کے مالک نے محاسب کو بلا کر بل تیار کرنے کا حکم دیدیا کچھ عرصہ میں بل تیار ہو کر آگیا اور ہوٹل کے مالک کے دستخط ہو جانے کے بعد لارڈ ڈینل سن کی خدمت میں

روانہ کر دیا گیا، انھوں نے فوراً بل پاس کر کے سکریٹری کو روپیہ ادا کر دینے کا آرڈر نافذ فرمایا، جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔

سہ پہر ہوتے ہوتے جرمنی کے ڈیوک کا آدمی بھی دفتر میں آگیا، جس سے معلوم ہوا اسی وقت کی ڈاک سے ڈیوک بھی تشریف لے جائینگے۔ واقعہ یہ ہے کہ لارڈ ڈینل سن انتہا کا خوشامد پسند آدمی تھا، جرمنی کے ڈیوک نے تھوڑی بہت خوشامد کر کے لارڈ موصوف کو رضامند کر لیا کہ اس کی گاڑی پر ڈیوک بھی لندن کا سفر کرے، بعض کارہائے ضروری کی وجہ سے لارڈ ڈینل سن کو لندن جانے کی ضرورت پیش آئی تھی، اور ڈیوک بھی وہیں جانے والا تھا، جب ہوٹل کے مالک کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اسے ڈیوک کے لالچ اور بے غیرتی پر تعجب کے ساتھ ساتھ ہنسی بھی آگئی، اُسنے محاسب کو اسی وقت جرمنی کے ڈیوک کے نام بھی بل بنانے کی فرمائش کی، ڈیوک کو بل تو اسی وقت بنا کر بھیجدیا گیا لیکن روپیہ وصول نہ ہوا اسنے آدمی کو سوار ہوتے وقت روپیہ ادا کرنے کا بہانہ کر کے ٹال دیا۔

وقت معمولی رفتار سے گذرتا رہا۔ اگرچہ جرمنی ڈیوک سے نہایت رکیک حرکات ظاہر ہوئیں تاہم ہوٹل کے مالک نے بھولے سے بھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ ہوٹل کا بل بیباق کرنے میں حیل حجت کریگا!

رفتہ رفتہ سفر کا وقت آگیا، لارڈ ڈینل سن کی شاندار جوڑی گاڑی ہوٹل کے مرکزی دروازے پر آگئی۔ ملازمین کی جوڑی گاڑی بھی اس کے عقب میں تیار کھڑی تھی، لارڈ ڈینل سن کے دو سکریٹری تین خدمتگار اور ڈیوک کا ایک سکریٹری اور ایک خدمتگار کے بیٹھنے کا انتظام جوڑی گاڑی پر کیا گیا، لارڈ اور ڈیوک کے واسطے چوکڑی تجویز ہوئی۔

ہوٹل کا مالک، معزز مہمانوں کو رخصت کرنے کے لئے دفتر سے اُٹھکر دروازے پر آکھڑا ہوا اس کے علاوہ جرمنی کے ڈیوک سے بل کا روپیہ بھی وصول کرنا تھا، جس کی ادائی کا وعدہ سوار ہوتے وقت پر اس کی جانب سے کیا گیا تھا۔

بہت سے گندم نما جو فروش، امیروں کا ٹھاٹ بنا کر ہوٹل میں آتے اور چند روز رہنے کے بعد چھپکر فرار ہو جایا کرتے تھے، پیہم ایسے واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے ہوٹل کا مالک ہر ایک مسافر سے بدظن ہو گیا تھا، اور اب چاہے لارڈ ہو یا ڈیوک روپیہ پیسہ کے معاملے میں مروت نہ کرتا تھا، اس لئے ضروری تھا کہ چلتے وقت ڈیوک سے کل حساب بیباق کر لیا جائے۔

ہوٹل کے لونڈے انعام کے لالچ میں لارڈ ڈینل سن اور ڈیوک کا اسباب سروں پر لاد لاد کر گاڑی پر بار کر رہے تھے۔ لارڈ اور ڈیوک کے چاروں خدمتگار قبل ہی سے گاڑی کے پیچھے والی جگہ میں جا بیٹھے

ہوٹل سے اُن کے واسطے تجویز کردی گئی تھی، اِن لوگوں کے بعد آگے آگے لارڈ ڈینیل سن اور ڈیوک اِن کے پس پشت تینوں سکریٹری سیڑھیاں اُترتے ہوئے آتے نظر آئے، یہ لوگ بھی اپنی اپنی گاڑیوں میں جا بیٹھے ابھی لارڈ ڈینیل سن نے گاڑی ہانکنے کا حکم نہ دیا تھا کہ ایک خانساماں نقرئی کشتی میں جرمنی کے ڈیوک کا بل لئے ہوئے آیا اور ادب آموز انداز سے اس کے سامنے کشتی بڑھادی = ہرچند ہوٹل کا روپیہ واجب الادا تھا، لیکن ڈیوک نے نہایت مضحک منہ بنا کر کہا۔

"اوہ! تم نے ضرورت سے زیادہ دیر کی، پہلے کیوں نہ آئے؟ اب تو میرا اسباب بندھ گیا! اسی اسباب کے ساتھ روپیہ بند کردیا گیا، خیر! ہوٹل کے مالک کو میرا سلام دو اور کہو، کل علی الصباح انہیں روپیہ پہنچ جائیگا۔"

خانساماں کو دُور نہیں جانا تھا، ہوٹل کا مالک وہیں موجود تھا، اُس نے بڑھکر جرمنی کے ڈیوک کا پیام دیا، وہ اسی وقت ڈیوک کے پاس آکر بولا۔

"معاف فرمائیے مائی ڈیوک! ہوٹل کا یہی قاعدہ ہے کہ ہر مسافر سے خواہ وہ کسی طبقہ کا کیوں نہ ہو، ہوٹل چھوڑنے سے قبل حساب وصول کرلیا جائے (انگلی سے سگنل کی طرف بتاکر) وہ دیکھئے اسی وجہ سے ہنوز گاڑی چھوڑنے کا سگنل نہیں دیا گیا، جب تک سگنل جھکایا نہ جائیگا، اُسوقت تک گاڑی روانہ نہ ہوسکے گی۔"

لارڈ ڈینیل سن کو ہوٹل کے مالک کا گستاخانہ کلام سخت ناگوار گذرا، تنک کر جیب سے منی بیگ نکال کر کھولا، اور ایک ایک کر کے بل کا سارا روپیہ ہوٹل کے مالک کو گن دیا، ڈیوک نے نہایت لجاجت سے اس مہربانی کی شکر گذاری میں چند الفاظ استعمال کئے اور منزل پر پہنچکر کل روپیہ ادا کردینے کا وعدہ کیا۔ روپیہ ادا ہوتے ہی سگنل گرادیا گیا، ساتھ ہی لارڈ موصوف نے روانگی کا حکم دیا اور برق دم گھوڑے طرارے بھرتے ہوئے روانہ ہوگئے، ایک منٹ بعد جب ہوٹل کا مالک اپنے دفتر میں واپس آیا تو مسٹر جوزف کو اپنا منتظر پایا۔ اس نے بھی اپنا بل طلب کر کے کل روپیہ ادا کردیا اور دو گھوڑوں والی ایک گاڑی طلب کی جو لندن تک پہنچائے یا کم از کم ایک منزل آگے پہنچائے جہاں پہنچکر وہ کوئی اور انتظام کریگا = ہوٹل کے مالک نے بہت جلد گاڑی کا انتظام کردیا، مسٹر جوزف کے ساتھ اسباب زیادہ نہ تھا، ایک بستر، ایک چرمی ہینڈ بیگ، ہوٹل کے بوائے نے دونوں چیزیں اٹھاکر گاڑی پر رکھ دیں اور وہ بھی لارڈ ڈینیل سن کے روانہ ہونے کے پندرہ منٹ بعد چل کھڑا ہوا۔ راستے میں کوچوان کو پانچ پاؤنڈ کا ایک نوٹ انعام دیکر کہا۔"

"دیکھو! یہ روپیہ تمھیں اس لئے دیا جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو، گھوڑوں کو تیز ہنکا کر اس چوکڑی گاڑی تک پہنچ جاؤ جو تھوڑی دیر پہلے ہوٹل سے روانہ ہوئی ہے۔"

کوچوان پانچ پاؤنڈ پا کر بہت خوش ہوا اور ہنٹر مار مار کر گھوڑوں کو خوب تیز ہنکانے لگا کہ جلد سے جلد آگے جانے والی چوکڑی گاڑی تک پہنچ جائے۔

لارڈ ڈینیل سن کے اعلیٰ نسل کے برق خرام گھوڑے تیزی سے دوڑتے ہوئے منزل کی طرف بڑھ رہے تھے، جب کہ ونڈن گارڈن کاپل، دور سے نظر آنے لگا تو کوچوان نے احتیاطاً گھوڑوں کی رفتار سست کر دی کیونکہ نوکروں والی گاڑی بہت پیچھے رہ گئی تھی اور ان کا کام کاج کے لئے ساتھ رہنا ضروری تھا۔

گھوڑوں کی رفتار کا سست پڑنا تھا کہ سڑک کے قریب والی جھاڑی سے دو نقاب پوش سوار گھوڑے کداتے ہوئے نکل آئے، ساتھ ہی فیر کی آواز سنی گئی، چوکڑی میں جتے ہوئے ایک گھوڑے کے گولی لگی اور وہ مر کر گر پڑا۔ گھوڑے کے گرنے سے چوکڑی کے تینوں بقیہ گھوڑے آگے چلنے سے مجبور ہو کر کھڑے ہو گئے، دونوں خونخوار سوار گاڑی کے دونوں طرف طپنچے لئے ہوئے پہنچ گئے اور لارڈ اور ڈیوک کی طرف طمنچوں کی نالیں کر کے جواہرات کی پیٹی اور سارا روپیہ طلب کیا، ان کی ہیبتناک صورتیں دیکھ کر لارڈ ڈینیل سن تھر تھرانے لگا اور خوف سے بھرائی ہوئی آواز میں ڈیوک کو مخاطب کر کے بولا،

"یہ کیا ہوا؟ یہ لوگ کون ہیں؟"

ڈیوک خود ڈر کے مارے بے حال ہو رہا تھا، اسمیں اتنا بھی ہوش نہ تھا جو ڈینیل سن کی باتیں سن پاتا یا سمجھ سکتا۔ اس کے سارے جسم میں رعشہ پڑا تھا جس طرح جاڑے کا بخار چڑھتے وقت کپکپی پیدا ہوتی ہے بالکل ویسا ہی حال ڈیوک صاحب کا ہو رہا تھا، اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، ٹھیک اسی وقت تھا کہ ایک سوار نے للکار کر کہا۔

"لارڈ ڈینیل سن! کیا آپ اس مشہور اور بہادر ڈاکو سے واقف نہیں، جس نے ممالک یورپ میں اپنے کارناموں کی بنا پر شہرت حاصل کر لی ہے؟ خیر! اگر نہیں جانتے تو آگاہ ہو جائیے، آرلنڈ میرا ہی نام ہے!"

آہ! آرلنڈ! یہ کہتے ہوئے لارڈ ڈینیل سن نے بڑی زور سے چیخ ماری، اور غش کھا کر گاڑی کے پاؤں دان میں گر پڑا۔

اسی وقت زور سے سیٹی بجنے کی آواز آئی! وہ سیٹی جو خطرے کے وقت پولیس بجایا کرتی ہے۔"

مارلنڈ نے گھبرا کر سامنے کی طرف دیکھا، اس کے دلمیں اسمتھ ارتھر کا خوف سمایا ہوا تھا اور دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ظالم عین وقت پر پہنچکر بنا بنایا کھیل نہ بگاڑ دے، لیکن چاروں طرف گھوم پھر کر اس کی نظر غریق یاس ہو گئی۔ بجز ہوا سے ہلتی ہوئی درختوں کی شاخیں اور خاک اڑتی ہوئی سڑک کے کوئی متحرک چیز دکھائی نہ دی: تاہم اسے اطمینان نہ ہوا کیونکہ صاف طور پر اس کے کانوں میں سیٹی بجنے کی آواز آئی تھی۔ اس نے اپنے کام میں عجلت کرنے کے خیال سے ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہا، ہنوز ارادہ پورہ نہ ہوا تھا، دو طرف سے دو گولیاں سنسناتی ہوئی قریب سے گذر گئیں! اسنے سنبھلنے کی کوشش کی، کہ پھر دو گولیاں سابق کی طرح آئیں، لیکن اب کی خالی نہ گئیں، دونوں ڈاکوؤں کے مرکبوں کو مار کر گرا دیا۔"

گولیاں کھا کر گھوڑے سنبھل نہ سکے تڑپتے ہوئے زمین پر گرے، جس سے مارلنڈ اور اس کا رفیق ڈاکو بھی راہوار کے ساتھ زمین پر گرا۔ گرتے ہی اٹھنے کا قصد کیا، پوری طور پہ اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ نالے سے نکلکر چار آدمیوں نے دونوں کو اسیر کر لیا۔"

یہ کارروائی اس سرعت سے عمل میں آئی کہ مارلنڈ پوری طرح واقعات بھی نہ سمجھ سکا، جب اپنے نظر اٹھا کر اپنے گرفتار کرنے والوں کو دیکھا تو ان کی جماعت چھ آدمیوں کی تھی، جسمیں پانچ پولیس کے پیادے تھے اور ایک بھلا آدمی!"

اسوقت لارڈ ڈینل سن کو ہوش آچکا تھا، آنکھ کھلتے ہی اس کی نگاہ سب سے پہلے جس شخص سے دوچار ہوئی وہ وہی تھا جو اس کے ساتھ ہوٹل میں مسٹر جوزف کے نام سے مقیم تھا، اس کے چہرے سے نظر ہٹ کر سڑک پر گئی تو دیکھا، پانچ سپاہیوں نے دونوں ڈاکوؤں اور ڈیوک کو رسن بستہ کر لیا ہے، ان کے مرکب ایک طرف بے جان پڑے ہیں اور ریوالور مسٹر جوزف کے قبضہ میں ہیں" اسے ڈیوک کی گرفتاری پر سخت تعجب ہوا، لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا!"

ڈاکوؤں کے اسیر ہو جانے سے وہ خوف کم ہو گیا جو ملک الموت کی طرح پیش نگاہ تھا۔ حواس منتشر جمع ہوئے، جان میں جان آئی، وہ فوراً گاڑی سے نیچے اتر آیا اور نہایت احسان مندی کیساتھ مسٹر جوزف کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔"

"مسٹر جوزف! آپ کا بہت بہت مشکور ہوں، اسوقت تو صرف آپ ہی کی وجہ سے میری دولت اور جان بچ سکی ہے۔ میرا رونگٹا رونگٹا، ہمیشہ زبان سپاس بنکر آپ کی شکر گذاری کرتا رہے گا، اور زندگی کی نازک ترین ساعتوں میں بھی آپ کا یہ شریفانہ سلوک فراموش نہ ہوگا۔"

جوزف نے "مائی لارڈ! ایسے الفاظ استعمال کر کے مجھے شرمندہ نہ فرمائیے، میں نے کوئی کام ایسا نہیں

کیا جسے آپ احسان سمجھ سکیں، دراصل میں ۶ مہینے سے مارلنڈ کی فکر میں سرگرداں تھا، لیکن یہ کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا، شکر ہے آج مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی، غالباً آپنے مجھکو نہیں پہچانا؟ میں اسمتھ ارتھر ڈیٹکٹو ہوں، جس نے عدالت میں حاکم اعلیٰ کے سامنے اس ڈاکو کو گرفتار کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا اور اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈالکر اس کے پیچھے عیش و آرام تج دیا تھا، اس درمیان میں کئی بار مقابلہ ہوا، اور سوئے اتفاق سے میری تدبیریں اُلٹی ہوجایا کیں۔ ہمیشہ فائدہ کے بدلے خسارہ ہوا، اس نے اگرچہ مجھے جان سے تو نہیں مارا مگر ایک سے زیادہ مرتبہ مجروح کرکے چھوڑ چھوڑ دیا۔"

نیل سن "اہا مسٹر اسمتھ ارتھر! میں نے تمھاری بہت تعریف سنی تھی، کبھی کبھی میرے دلمیں تم سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوتا تھا، لیکن اشغال روزانہ سے فرصت نہ ہوئی جو مل سکتا، اُف! علاقہ بھی عجب جنجال ہے، مجھے حساب کتاب سے سخت نفرت ہے مگر کیا کروں؟ مجبوراً دیکھ بھال کرنا ہی پڑتی ہے، تاہم مجھے اعتراف ہے کہ تمھارے مدح کرنے والوں نے جس قدر باتیں بیان کی تھیں، وہ سچ تھیں، بلکہ تم کو اُن تعریفوں سے بھی زیادہ پایا۔"

اسمتھ ارتھر "جناب کا حُسن ظن اور حوصلہ افزائی ہے، مجھے افسوس ہے کہ آپنے باوجود اپنا مال اسباب بچا لینے کے بھی ہزاروں روپیہ کھو دیا!"

نیل سن "یہ کیونکر؟"

اسمتھ ارتھر "جسے آپ نے جرمنی کا ڈیوک سمجھ کر دعوت کی، جسے اپنے ساتھ گاڑی پر سوار کرکے یہاں تک لائے اور جو اسوقت رسن بستہ موجود ہے۔ وہ کوئی اور نہیں، اسی مارلنڈ کا حلقہ بگوش ایک شخص ہے۔"

لارڈ نیل سن کو اس اطلاع سے روپیہ کا تو چنداں خیال نہ ہوا کیونکہ نہ معلوم ایسے ایسے کتنے موقعہ گذرگئے جو اُسنے روپیہ کو ٹھیکریوں کی طرح صرف کردیا، البتہ غم اس بات کا تھا کہ وہ ایک بے رحم ذلیل ڈاکو کو اپنے پہلو میں بٹھا کر لایا۔

اسمتھ ارتھر نے فوراً زور سے اپنے کوچوان کو پکارا، آواز دیتے ہی پہیوں کی گھڑ گھڑاہٹ سُنائی دی اور چند منٹ میں اس کی گاڑی بھی وہیں آکھڑی ہوگئی، اسمتھ آرتھر نے جرمنی ڈیوک کے سکریٹری اور خدمتگار کو بھی گرفتار کرلیا اور ہاتھوں میں ہتکڑیاں پہنا کر رسّی سے خوب سا جکڑ دیا اور اُن سب کو اسی گاڑی پر سوار کرکے پانچوں سپاہیوں کو بھی ان کی حفاظت کے لئے گاڑی پر بیٹھنے کا حکم دیا، جبکہ سب لوگ سوار ہوئے تو لارڈ نیل سن سے مخاطب ہوکر کہا۔"

مائی لارڈ! مجھے یقین ہے، اب راہ میں کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہ آئے گا اور آپ با اطمینان لندن پہنچ سکیں گے، چونکہ آپ کا ایک گھوڑا ڈاکوؤں کی گولی کھا کر مر گیا اس سے چوکڑی کے بدلے جوڑی پر سفر کرنا ہوگا، شاید یہ پہلا ہی سفر ہوگا جو لارڈ ڈینیل سن کو پیش آنے والا ہے، کچھ مضائقہ نہیں قصبہ نیومارکٹ میں اکثر سوداگروں کے پاس اچھے اچھے مشکی گھوڑے ہونگے وہاں آپ ایک گھوڑا خرید کر چوکڑی درست کر سکتے ہیں، میں آپ کے جلو میں بوجوہ چند نہیں چل سکتا جس کے لئے نہایت ادب سے عذر خواہ ہوں بعض مصلحتوں سے چند روز نارویچ کا قیام ضروری ہے، اچھا خدا حافظ مائی لارڈ!"

اسمتھ آرتھر اپنے قیدیوں کو لے کر نارویچ کی طرف واپس گیا اور لارڈ ڈینیل سن بجائے چوکڑی کے جوڑی گاڑی پر سوار ہو کر نیومارکٹ کی طرف روانہ ہوا!!



(۱۰)

"جشن و نشتر"

جس طرح بجلی کی چمک سیکڑوں کوس تک اپنی روشنی پھیلا سکتی ہے، جس طرح رعد کی گرج صد ہا فرسخ سے سنائی دیتی ہے "اسی طرح مارلنڈ کی گرفتاری کی اطلاع جلد سے جلد ممالک یورپ میں پھیل گئی، کوئی قصبہ کوئی گاؤں، کوئی پردا ایسا نہ تھا جہاں اس مشہور ڈاکو کی گرفتاری کے افسانے حاشیہ چڑھا کر بیان نہ کئے جاتے ہوں، ایک طرف روزانہ نکلنے والے اخبارات اپنے کالموں میں مسٹر اسمتھ آرتھر کے کارناموں اور مارلنڈ کی حیرت انگیز ڈاکہ زنیوں کے مضامین لئے ہوئے نکلتے تھے تو دوسری طرف قدرتی نقارے (زبانیں) ان واقعات کو دوہرانے میں مشغول تھیں، کوئی شک نہیں کہ طلسم ہوشربا کی بعید از قیاس و دور از فہم داستانیں حیرت خیزیوں میں اپنا نظیر نہیں رکھتیں، خواجہ عمرو کے وہ کارنامے جو صفحات پر پھیلے ہوئے عقلوں کو حیران کرنے میں کوشاں ہیں مارلنڈ کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتی! اہل یورپ نے مارلنڈ کو ان کاغذی ہستیوں سے جن کا وجود بجز ہوشربا، مہدی نامہ، فتنہ نور افشاں، الف لیلہ وغیرہم کے اور کہیں نظر نہ آتا ہوگا بہت بڑھا چڑھا ہوا تسلیم کیا تھا!!"

امرا کا تو ذکر ہی کیا ہے اہل حرفہ بھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر اس مشہور معروف ڈاکو کے دیکھنے کے اشتیاق

نیں ، لنڈن سے نارورچ کی طرف روانہ ہو گئے ، اور شاید سرزمین نارورچ کو اسوقت سے زیادہ اپنے
دامن میں اتنا بڑا مجمع دیکھنے کا کبھی موقعہ نہ ملا ہوگا - ہوٹلوں ، سراؤں ، مکانات کا کیا ذکر ہے ، میدان
میں بھی مشکل سے قیام کرنے کی جگہ مل سکتی تھی - جن سوداگروں کی گاڑیاں چلتی تھیں ، انہیں سواریوں
کو پہنچانا مشکل ہو گیا ، حالانکہ انھوں نے کثرت سے گاڑی گھوڑے خرید کر اپنے کو الزام سے بچانا چاہا ،
رات دن میں کوئی وقت ایسا نہیں گذرا تھا جب لنڈن سے نارورچ جانے والی سڑک پر قافلے جاتے
ہوئے نہ دکھائی دیتے ہوں "
اسمتہ ارتھر کی شہرت بھی کچھ کم نہ تھی ، لوگ تو اس کی ہستی کو کچھ اور ہی خیال کرنے لگے کیونکہ
اس زمانے میں جو عقائد اور توہمات رائج تھے انھیں دیکھتے ہوئے نیک روح کا لقب عطا ہو جانا
تعجب انگیز نہیں = اور اسی طرح اسمتہ ارتھر آدمی سے نیک روح کے درجہ پر فائز ہو گیا ،
حکام میں بھی اس کی کچھ کم وقعت نہ کی گئی ، اس کے کام کو نہایت عزت کی نگاہوں سے دیکھا
گیا اور جاسوسوں کے بادشاہ کا خطاب عطا ہوا ، نقد بھی بہت کچھ ملا جو امرا مار لنڈ کے خوف سے
خانہ نشین ہو گئے تھے از سر نو عتفریح کرنے کو گھروں سے نکل نکل کر دیہات کا سفر کرنے لگے اور آزادی
پانے کے تشکریہ میں علی قدر حیثیت اسمتہ آرتھر کو ہدایہ بھیجے ، الغرض اس طرح اسمتہ ارتھر تمام عمر کے
لئے فکر معیشت سے کلیتہً آزاد ہو گیا "
مار لنڈ کا مقدمہ چلا ، حکام نے بالاتفاق سزائے موت تجویز کی اور وہ اپنی گرفتاری کے پورے ،
چار مہینے بعد ماہ جولائی کی ۵ تاریخ کو قصبہ نارورچ میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا "
اس کے مرجانے کے بعد بھی اکثر ڈرپوک اور وہم پرست امرا مار لنڈ کو خواب میں دیکھ دیکھ کر ڈرتے
رہے اور یہ اثر مدت دراز تک ان کے قلوب پر طاری رہا ! " —

تمت



مہادیو پرشاد تاجر کتب
نادن لکھنو